دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۵۹ ویں جلد

از جنوری ۱۹۴۷ء تا جون ۱۹۴۷ء

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۵۹

جنوری ۱۹۴۷ء تا جون ۱۹۴۷ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین

جلد ۵۹

جنوری ۱۹۴۷ء تا جون ۱۹۴۷ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

"جلد ۵۹" ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء "عدد ۱"

مضامین

اعلان

یکم جنوری سنہ ۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن سیرت پر ۲۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط وکتابت بے سود ہوگی،

"منیجر دار المصنفین"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

صوبۂ بہار میں ۸۰ فی صدی اکثریت والے لوگون نے ۱۳ فیصدی مسلمانون پر جس "بہادری" اور "دلیری" سے ستم ڈھائے ہین، وہ تاریخ کے صفحات بن چکے، اور اب اُن کے متعلق زمانہ کا مورخ اپنا فیصلہ لکھے گا، اس تباہی و بربادی کے بعد سب سے بڑا سوال اب یہان کے مسلمانون کے مستقبل کا ہے، بہار کے مختلف حصون سے ہمارے یہان یاس انگیز استفسارات آئے ہوئے ہین، اور ہم نے وہان اپنی آنکھون سے بھی دیکھا کہ اچھے اچھے مضبوط لوگون کے قدم اکھڑ چکے ہین، وہ اپنے پشتہا پشت کے آبائی وطن سے ایسے بیزار ہین کہ اُن مین اس کی طرف کوئی کشش باقی نہین رہی، وہ اس مُوطن سے ہمیشہ کے لئے اپنا منہ موڑ لینے پر آمادہ ہین جس کی سرزمین پر ایمان کی شعاعین پھیلی ہوئی ہین جس کی فضا مین تکبیر کی صدائین گونجتی ہین جہان جابجا اولیاء و صالحین کے مآثر و مقابر اور بزرگون کی تعمیر کی ہوئی مسجدون کے مینار بلند ہین، اور انہی آبادیون کے قبرستانون مین اُن کے آباؤ اجداد و دیگر اسلاف محو استراحت ہین،

اُن اسلاف نے کتنی جانفشانیون سے اس علاقہ کو فتح کرکے اپنا گھر بنایا تھا کیا وہ اس آسانی سے چھوڑ دیا جائے، حق کی راہ مین مرنا اور مارنا تو مسلمانون کی زندگی کا شیوہ رہا ہے، مصائب سے خوف و ہراس مسلمان کی شان نہین، اس بدحواسی اور ابتری کے ساتھ ترکِ وطن کرنا میرے خیال مین مسلمانون کو برباد کر دے گا، اور اُن کی مزید اقتصادی تباہی کا باعث ہوگا، اس لئے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہے،

ہجرت کی عمومی تحریک تو اُس وقت صحیح کہی جا سکتی ہے جب دو مساوی درجہ حکومتین آبادی کے تبادلہ پر تیار ہو جائین، یا اگر تبادلہ منظور نہ ہو، تو مسلم حکومت یا حکومتین یکسر سب مسلمانون کو اس صوبہ سے اپنے صوبہ یا صوبون مین جگہ دینے اور دوسری سہولتین مہیا کرنے پر آمادہ ہو جائین، ہندوستان اور اس کے موجودہ صوبون مین حکومت کا آئندہ نظام کیا ہوتا ہے، یہ ابھی پردۂ غیب مین ہے، اس لئے اس منزل مین ہجرت کی حوصلہ افزائی کرنا

بڑی ہی ذمہ داری کی بات ہو گی، جو لوگ حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے اس صوبہ سے ترک وطن کر کے جا چکے ہیں، انھون نے اپنے پیچھے رہنے والون کو نہین دیکھا کہ اس صوبہ کے مسلمان پہلے سے زیادہ اقلیت مین ہو گئے، یا ہو جائین گے، مسلمانون کو جو کچھ کرنا ہے وہ وحدتِ کلمہ کے ساتھ کرنا ہے، اگر بہار کو آباد رکھنا ہے، تو سب رہین گے، اگر چھوڑ کر نکلنا ہے تو سب نکلین گے، اگر ہجرت اور ترکِ وطن ہی کی نوبت آئی، اور آیندہ اس صوبہ مین مسلم کی جان کی حفاظت کا اعتماد کے لائق کوئی نظام نہ بن سکا، تو پھر وہان کے معابد و مآثر راہ مین حائل نہین ہو سکتے، مسلم کی جان اور اس کا ایمان سب سے زیادہ بیش قیمت ہے، سوال صرف مسلمانون کی اجتماعی طاقت کا ہے، اس کی عدم موجودگی مین جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاک گھر خانہ کعبہ کو بت پرستون کے قبضہ مین چھوڑ کر تشریف لیجا سکتے ہین، تو صوبہ بہار کے مسلمان وہان کی مسجدون اور بزرگون کے مزارون کی حفاظت پر مجبور نہین ہین،

لیکن بحمد اللہ اس صوبہ مین اتنے مسلمانون کی آبادی موجود ہے کہ اگر وہ اپنے انتشار کو دور کر لین، یاس پاس کی آبادیون کو ایک مرکزی ادارہ سے مربوط کر لین تو وہ بفضلہ حملہ آورون کا مقابلہ اپنی قوت اور بل بوتے پر کر سکتے ہین، انھین صرف فرمانِ الٰہی وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ع ۸) پر نظر رکھنی، اور اس کی روشنی مین اپنی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کر لینی ہے، تاکہ وہ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ کے مصداق بنین،

صوبہ بہار کے مسلمان ان دنون جس منزل مین ہین، ان کے مستقبل کی راہِ عمل کے لئے سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ سے انھین بہترین رہنمائی مل سکتی ہے، ہندوستان مین اکثریت و اقلیت کا مسئلہ برطانوی حکومت کے آغاز سے عالم وجود مین آیا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جہان رہے موجودہ زمانہ کی اصطلاح مین وہ اقلیت مین رہے، مگر ان کا قیام اللہ تعالیٰ کے فضل، اپنی خود اعتمادی اور قوتِ بازو پر تھا، وہ غیر کے سہارے جیتے نہ تھے، ان کی زندگی کسی دوسرے کی اطمینان دہی پر موقوف نہ تھی، انھون نے اپنے اقلیت مین ہونے کے باوجود حکمرانی کی، اور جہان رہے وہان انھون نے اپنے عقیدہ کی پختگی، اپنی سیرت و کردار کی مضبوطی، اپنے اخلاق کی بلندی، اور خصوصاً اپنی قوتِ ایمانی اور اپنے ہمسایون کے ساتھ حسنِ عمل سے اُن کو اپنا گرویدہ بنایا، اور اکثریت کے افراد کو اپنے مین ایسا جذب کیا کہ ہزارون سے بڑھ کر لاکھون اور کرورون کی تعداد مین ہو گئے،

یہی روش آج بھی اُن کے لئے ملحوظ رکھی جا سکتی ہے، لیکن مسلم اقامت گاہون مین مسلمانون کا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنی قوت و طاقت کے بھروسہ پر اطمینان کی زندگی بسر کرنا اس کی اولین شرط ہے، ضرورت ہے کہ

بہار مین اندرونی دیہی آبادیون کے مسلمان زمیندار اپنی زمینداریان ختم کرین، بڑے قصبون، آبادیون اور ان کے آس پاس مین رہنے والے مسلمان زمیندار اپنی "خود کاشتہ اراضی" مین دیہی حلقون کے مسلمانون کو بمعاوضہ زمینین دیکر بسائین، اور اپنے سرمایہ سے ان علاقون مین صنعتی کارخانے کھولین، اور اپنے اور نو آباد مسلمانون کے لئے معیشت کا سامان کرین، یہ اور اس قسم کی مختلف تجویزین صوبہ کے مسلمان مفکرین سوچ سکتے ہین، اور بہار کے مسلمانون مین اس وقت جو عام انتشار اور خوف وہراس پھیلا ہوا ہے، اس کو دور کر سکتے ہین،

بہرحال یہ ساری تجویزین صوبہ بہار کے مسلمانون کی آیندہ زندگی سے وابستہ ہین، اور ظاہر ہے کہ اُن کے بروے کار آنے مین کچھ دیر لگے گی، پھر مستقبل مین سیاسیات کے مسائل کس نہج پر طے ہوتے ہین، اس پر بھی نگاہ رکھنی ہے کہ اسی کی روشنی مین اس صوبہ کے مسلمانون کی قسمتون کا آخری فیصلہ ہونا ہے، سردست ضرورت ہے کہ وہ بڑے قصبون اور آبادیون مین مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رہین، ہجرت کی فوری تحریک کو اس وقت تک کے لئے روکدین جب تک اُن کے لئے بہار کی سکونت کی ہر ممکن تدبیر ناکام نہ ہو جائے البتہ وہ لوگ جو اپنے لئے سردست بہار کے بڑے قصبون مین بھی کوئی معاشی سہولت حاصل نہ ہونے یا کسی اور سبب سے قیام نہ رکھ سکین وہ عارضی طور پر کسی دوسرے محفوظ مقام پر چلے جائین، مگر اس صوبہ سے اپنے وطن کا تمام تر تعلق برقرار رکھین، کہ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

صوبہ بہار کے دیہی حلقون کے ان ستم زدہ مسلمانون کی ایک دوسری مظلومیت بھی ذکر کئے جانے کے لائق ہے، کہ وہ جس دین پر قائم رہ جانے کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر پردیس مین نکلے ہین اور مختلف مقامات مین پناہ گزین ہین، وہان ہم نے بڑی حسرت سے دیکھا کہ ان مین کی بڑی تعداد اپنے اس دین کے ابتدائی عقائد ومسائل سے بھی آشنا نہین ہے، ملک کے مختلف گوشون مین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مرحوم کی تحریک سے وابستہ مخلصین کی جماعت اپنے طریق پر دین کی خدمت مین مصروف ہے، کیا اچھا ہو اگر وہ کچھ دنون کے لئے ملک کے دوسرے گوشون کو چھوڑ کر ان مظلومون تک پہنچین، اس وقت ان مین کام کرنے کی آسانیان حاصل ہین، وہ بڑی بڑی تعداد مین یکجا ہو گئے ہین، گاؤن گاؤن جانے کی ضرورت نہین ہوگی، پھر مصائب وآلام سے اُن کے دل خشیت وانابت سے معمور ہین، وہ دین کی باتون کو بڑی شیفتگی اور شگفتگی سے قبول کرین گے، صالح زمین موجود ہے، صرف چند باہمت ودیندار مخلصین کی ضرورت ہے کہ وہ دین کی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ کا نام لے کر اُٹھ کھڑے ہون، انشاء اللہ وہ توفیق الٰہی سے کامران ہون گے،

مقالات

مجددِ ملّت

اور

قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ

از مولانا شاہ عبد الباری صاحب ندوی

(۲)

تحریکِ خلافت کے دوران میں خود حضرت علیہ الرحمۃ کی نسبت ایسے ہی حدود ناشناس اخباروں اور لوگوں نے لعن وطعن، سب وشتم، کذب وافترا، اور تخویف وتہدید کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، جان تک کی دھمکیاں آتی تھیں، مگر دیکھو کہ مجدد دین کی دینی حدود شناسی نے صرف علماً نہیں عملاً بھی اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرماتے ہیں کہ

"یہاں تک نوبت آگئی کہ علاوہ لعن وطعن اور طرح طرح کے بہتان والزامات کی دھمکی کے خطوط آتے تھے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے، حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے غایت شفقت ومحبت کی بنا پر ایک خاص معتمد کی زبانی کہلا بھیجا کہ وقت خطرہ کا ہے، اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجائش ہے"

مگر جو جامع المجددین جامع وکامل دین کی تجدید کے لئے آیا تھا، وہ محض جان کے خوف سے اپنی تجدیدی بصیرت کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا تھا، اور جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا، کہ

"یہ آپ کی محبت وشفقت ہے، سب سے بڑا خطرہ جان کا ہے سو اُس کے لئے میں اپنے نفس کو تیار پاتا ہوں لیکن اس پر آمادہ نہیں ہوں کہ بلا سمجھے شرکت کر لوں، اور نہ اس پر قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت

کر لوں، اور باطن میں الگ رہوں، اس کو منافقت سمجھتا ہوں"،

فرمائیے کتنے ہیں جو سیاسات حاضرہ میں اس منافقت سے پرہیز فرماتے ہوں بلکہ یہ منافقت تو جدید سیاست میں عین مہارت ہے۔ ایک مقام سے خط آیا کہ آپ کی (حضرت علیہ الرحمۃ) خاموشی (تحریک خلافت کے باب میں) آپ کے چراغ زندگی کو خاموش کردے گی" فرماتے ہیں کہ میں نے اس خط کو ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا اور ہود علیہ السلام کا یہ قول یاد آیا :-

"فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ

مجھے بحمداللہ ان واقعات سے بہت نفع ہوا، مخلوق سے نظر بالکل اٹھ گئی" (الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

کہنا یہ ہے کہ دشمنوں کی دشمنی کے اس بحران میں بھی دین کے مجدد و محافظ کی زبان و قلم سے علماً کوئی ایک کلمہ بھی ایسا سنا گیا یا عملاً کوئی ایک جنبش بھی ایسی دیکھی گئی جو صراط مستقیم یا جادۂ شریعت سے ذرا متجاوز ہو، علم و عمل سب حدود کے اندر اور تجدید دین کے شایان شان نفس مسئلہ کی تحقیق میں تو حدود شناسی یہ کہ نہ کسی کی حمایت یا عداوت کے جوش و غلو میں ایک ظنی مسئلہ کو قطعی قرار دے دیا، نہ اس میں اختلاف کی گنجایش ہوتے ہوئے مخالفوں کے کفر و فسق یا جہل و ضلالت کا فتویٰ صادر فرمایا، بلکہ فرماتے ہیں کہ

"یہ تعاون و اتحاد شرعاً فی نفسہ نہ واجب ہے نہ حرام، ایک مباح امر ہے، یہاں تک تو کوئی اختلاف نہیں، اب آگے بعض (یعنی خلافت کمیٹی والوں) کی نظر تو حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے مصالح و منافع پر پڑی جن کا حاصل کرنا اُن کے خیال میں ضروری تھا، اس لئے انھوں نے ان دونوں باتوں کو واجب و جائز کہا اور بعض کی نظر اس عدم تعاون اور اتحاد کے ایسے موجودہ و آیندہ دینی مفاسد و مضار پر پڑی جن سے اجتناب ضروری تھا، انھوں نے ان دونوں باتوں کو ممنوع کہا، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے اب یہ حقیقت ہے اس اختلاف کی جس سے معلوم ہوا کہ اس کی دونوں شقیں قطعی نہیں بلکہ ظنی و اجتہادی ہیں جن میں اختلاف کی گنجایش ہے گو کوئی

چھوٹے درجہ کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم سے اختلاف کرے،

کاش حضرت مجدد وقت کا یہ مجددانہ محاکمہ آج بھی ہمارے علماء اور عوام سب کے پیش نظر ہوتا تو لیگ، کانگریس اور جمعیۃ وغیرہ کے عوام و خواص علماء و جہلاء میں آپس میں یہ تھوک فضیحت، رسوائی و ذلت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل، سب و شتم کی گرم بازاری کیوں ہوتی، اور آج ہی کیا یہ بات تو قومیات و سیاسیات جیسے ظنی مسائل میں ہمیشہ ہی پیش نظر رکھنے کی ہے، مگر کیا کہا جائے، اور کیسے کہا جائے کہ مسلمانوں نے اپنے دینی اصول و تعلیمات کو خیرباد کہکر اپنی دنیا بھی کس درجہ ذلیل و برباد کرلی، ورنہ حضرت مجدد وقت نے جو اُس وقت سبق دیا تھا، وہ آج اور ہر وقت یاد رکھنے والا ہے، کہ

"محض اس (قسم) کے اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے فریق پر لعن طعن، سب و شتم یا اُس کو گمراہ و جاہل کہنا یا کافر و فاسق ٹھہرانا یا قولاً و عملاً کسی طرح اُس کے ساتھ جبر و تشدد یا ظلم و ایذا کی روش اختیار کرنا، یا کسی بزرگ کا اُس کو مخالف و بے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہیں"

(سوانح جلد سوم ص ۱۶۳)

پھر یہ بزرگ (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) بھی آخر سچے بزرگ و عالم اور محقق ہی تھے، اور گو تحریک خلافت میں من حیث عالم و مقتداے دین ہی کے سب سے آگے تھے، مگر نفس مسئلہ کو کیا قطعی یا حق کو صرف اپنے ہی رائے و تحقیق میں منحصر تصور فرماتے تھے، اس کے اندازہ کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہوگا، کہ کسی موقع پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف شان کوئی کلمہ زبان سے نکالا تو فرمایا کہ

"تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ جو میرا خیال ہے، وہی صحیح اور حق ہے، اور مولانا تھانوی کا خیال سراسر غلط ہے"،

اتنا ہی نہیں بلکہ ان مولوی صاحب کو حکم دیا کہ

"تم نے جس جس جگہ مولانا تھانوی کی نسبت کچھ کہا ہے، وہاں وہاں اُن کی مدح اور تعریف کرو تاکہ اُس کا تدارک ہو جائے"

سُبحان اللہ علماء ربانین کی شان ہی الگ ہے، (سوانح ص ۱۹۰)

اسی طرح گو حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی تحقیق کی بنا پر ترک موالات وغیرہ کے نام سے جو طریقے تحریک خلافت مین اختیار کیے گئے تھے، اُن سے جیسا کچھ اختلاف تھا کون نہین جانتا، مگر جب مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی نے خود حضرت ہی سے دریافت کیا کہ "ان مسائل مین جب اختلاف ہے، تو مجکو کیا کرنا چاہیے" تو جواب یہ عطا فرمایا گیا کہ "حضرت (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) ہم سب کے بڑے ہین، مجھ پر اُن کو ترجیح دینا چاہیے" (سوانح ص ۱۰۴) واقعی اگر نفس و نفسانیت درمیان مین نہ ہو، تو تحقیقی و اجتہادی اختلاف کبھی مخالفت و عداوت کی صورت کیسے اختیار کر سکتا ہے،

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تو حضرت علیہ الرحمہ کے بزرگ اور استاد ہی تھے، لیکن اپنے معاندین اور سب وشتم کرنے والون کے ساتھ بھی حضرت نے کیا جائز و "مظلومانہ جبر بالسوء" تک کو جائز نہ رکھا، پس فرمایا تو یہ فرمایا کہ "کہہ لو بھائی جو تمھارا جی چاہے، اللہ سے معاملہ ہے، تو وہ تو دیکھ رہے ہین، تمھارے بُرا بھلا کہنے سے ہوتا کیا ہے، اور میرا ضرر ہی کیا، بلکہ نفع کی توقع ہے، کہ کچھ نیکیاں ملجائین، الحمدللہ مجھے ان قصون مین کسی سے بغض نہین ہوا، البتہ شکایت ضرور ہوئی، وہ بھی دوستون سے، مین نے سب کو دل سے معاف کر دیا، جو کچھ کہہ چکے وہ اور جو آیندہ کہو وہ بھی، میری وجہ سے اگر کسی مسلمان کو عذاب ہوا تو میرا کیا بھلا ہو گا، اور معافی مین تو امید ہے، کہ حق تعالیٰ میرے اوپر رحم فرما دین" (افاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

سبحان اللہ اگر کسی مسلمان مین سجادین موجود ہے تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت مین خود اپنی راحت اور اپنے پرائے دوست دشمن سب کے لئے کتنی بڑی نعمت و دولت ہے، آج کل کی طرح رد و قدح، قیل و قال، اعتراض وجواب کو بھی ایک آدھ بار کے اتمام حجت سے زائد کبھی پسند نہین فرمایا، فرماتے ہین کہ

"مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤن کی طرف سے بیجا اعتراضات کی بوچھار ہے جس مین اکثر کا سبب تعصب اور تحزب ہے، جس کے جواب کی طرف احقر نے کبھی التفات نہین کیا (جس کی وجہ کیسی صحیح اور سچی یہ تھی کہ) "آج کل جواب دینا قاطع اعتراض نہین، بلکہ امر مطول کلام ہو جاتا ہے تو وقت بھی ضائع ہوا، اور غایت بھی نہین حاصل ہوئی"۔ (سوانح حصہ سوم ص ۱۵۵)

اس زمانہ مین جن چیزون کو قومیات وسیاسیات کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کا خمیر ہی تمامتر طرح طرح کے مفاسد سے تیار ہوا ہے، تاہم تحریک خلافت کے دوران مین حضرت مجدد وقتؒ نے اپنے انتہائی معاندین و مخالفین کے معاملہ مین بھی یہ علم و عمل کی حدود شناسی و رہنمائی کا جو نمونہ چھوڑا ہے، اگر اسی کا لحاظ ہے تو کم از کم ہم آپس کی اُس شرمناک تو ہین مین اور ایک دوسرے کی ایذارسانی و آبروریزی کی رسوائی، اور جگ ہنسائی سے محفوظ رہ سکتے ہین، جو ہماری قومی وسیاسی زندگی کا گویا شعار بن گیا ہے، کہ کوئی اختلاف مخالفت و عداوت بنے بغیر نہین رہتا، نہ علم مین اختلاف راے کے حدود کا خیال نہ عمل مین اختلاف طرق کا تحمل!

باقی جہانتک ان قومیات وسیاسیات کے نفس مقاصد اور وسائل کا تعلق ہے، تو اسلامی نقطۂ نظر سے نہ وہ مقاصد ہی مطلوب ہین، اور نہ مجدد وقت کی نگاہ مین اُن کے حصول کے رائج الوقت وسائل ہی جائز ہین، ہماری قومی وسیاسی جدوجہد کے مقاصد و وسائل سب غیرون کی تقلید مین اور غیرون ہی کی طرح مال وجاہ اور حکومت کی بے قید و بند ترقی اور حصول بن گئے ہین، یعنی وہی علوء فی الارض کا ارادہ، حالانکہ اسلام کی تعلیمات پر کون سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے انکار کر سکتا ہے، کہ مسلمان کی زندگی کا مقصود نہ قارون بننا ہے، نہ فرعون، اُس کا مرنا جینا تو صرف دین کی ترقی یا اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے، قومی وسیاسی علوء فی الارض کے لئے نہین، بلکہ کلمۂ حق کے اعلاء کے لئے مال وجاہ اور حکومت کے حصول کی اجازت بھی صرف انہی حدود تک اور انہی وسائل سے ہے، جو مرضی حق نے کلمۂ حق کی سربلندی اور دین کی ترقی کے لئے مقرر کر دیئے ہین، باقی آج کل ترقی کے بارے مین یورپ کی جو تقلید

کی جارہی ہے" اس کی نسبت ارشاد ہے کہ

یہ کونسا تقلید ہے کیونکہ ان کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کے لئے کوئی حد نہیں، اُن کے یہاں تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے، اگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا، اور اسلام تو یقیناً نہیں کہہ سکتا، اسلام مین ہر شے کی ایک حد ہے، ... یورپ کی ترقی حقیقت مین ترقی نہیں، بلکہ جہل و حماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت مین گرفتار ہوجاتا ہے، یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے، وبال جان ہے، کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد نہیں، وہ کسی حد پر مطمئن نہیں[1]

جس کو عافیت و اطمینان کی کچھ قدر ہے، اور قدر اصل مین اسی کو ہوسکتی ہے، جو جاہ و مال کی مادی ترقی یا خالص دنیا طلبی سے ماوراء کوئی اور اعلیٰ مقصد حیات سامنے رکھتا ہو جس کے حصول کے لئے وہ لازماً فرحت و عافیت کا طالب ہوگا، اور مادی و دنیوی حاجات پر از خود بقدر ضرورت اور حدود کے اندر قانع رہے گا، ورنہ ترقی کے اس "ہیضہ اور وبال" سے نجات پانے کی کیا صورت ہے جس کا اس عالمگیر و عالم سوز جنگ نے سارے عالم کو مزہ چکھا رکھا ہے، اور مزہ یہ ہے کہ پھر بھی نہ یورپ کی آنکھین کھلین، نہ اُس کے اندر تقاضون کی، بلکہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت برباد شدہ سے مادی حرص و ہوس کا جنون تیز سے تیز تر ہوگیا ہے، درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْن کی سُنت اللہ اُن کی ہلاکت کا ترقی کے اسی ہیضہ اور حرص و ہوس کے اسی جنون کی راہ سے فیصلہ فرما چکی ہے !

زیادہ حیرت و حسرت اسلام کا نام لینے والون پر ہے کہ جو کتاب و سُنت کی عینک رکھتے ہیں اور جو اس دوربین و غوردبین اور عینک کی اعانت سے ساری دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے اُمتہ مبعوثہ بنائے گئے تھے، وہ بھی آگے ہونے کے بجائے ان اندھون کے پیچھے ہوتے ہین، اور مال و جاہ اور حکومت و سلطنت کی ایسی حرص و ہوس کو ترقی کے پُر فریب نام سے معراج کمال سمجھنے لگے ہین، جس کی بقول حضرت مجدد وقت

---

[1] وعظ مسمی الحدود والقیود،

اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے،

"موجودہ ترقی کا حاصل حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ کاٹ دی ہے صحابۂ کرام نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے کبھی ایسے خیالات کو دل مین جگہ نہین دی، اور نہ حضور ہی نے کبھی اس کی تعلیم فرمائی، نہ سیرت مین کوئی ایسا واقعہ ہے ان سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی، اگرچہ ساتھ ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی، جو آج لوگون کو خواب مین بھی نصیب نہین،

لیکن مقصود صرف دین کی ترقی تھی، چنانچہ اُن کی اس شان کو خود خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	یعنی یہ وہ لوگ ہین، کہ اگر ہم ان کو زمین پر
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ	قبضہ دین، تو یہ نماز ادا کرتے رہا کرین
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ	زکوٰۃ دیتے رہین، اور بھلائیون کا حکم اور
	برائیون سے روک ٹوک کرتے رہا کرین،

یہ ہے ترقی کے بعد اُن (سچے اور پکے مسلمانون) کے خیالات کا نقشہ! اب ذرا آج کل جن چیزون کو ترقی کہا جاتا ہے، اسلام کی نظر مین اُن کی تفصیل و تحقیق مجدد اسلام کی نظر سے ملاحظہ ہو:-

جس ترقی کو لوگ ترقی کہتے ہین، اس کے تین جزء ہین، مال عزت اور حکومت، آج کل دوسری قومون کے سامان عیش دیکھ کر مسلمانون کی رال ٹپکتی ہے، مگر یہ نہین جانتے کہ بھلائی اور سلامتی اسی مین ہے کہ اُن کو دنیا زیادہ نہ ملے، ورنہ رات دن دنیا ہی کی فکر مین رہتے اور آخرت سے غافل ہو جاتے،"

"صحابۂ کرام سے بڑھکر کون نیک نیت ہوگا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خود صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری کیا حالت ہوگی، جب کہ میرے بعد سلطنتین اور شہر فتح ہون گے، اور تمھارے پاس زیادتی کے ساتھ مال و سامان، غلام اور نوکر ہون گے، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے

عرض کیا یا رسول اللہ اُس وقت ہم عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائین گے، اور مشقت سے بچ جائین گے، حضور نے فرمایا کہ تمھاری یہی حالت اچھی ہے، جو آج کل ہے"

"جب صحابہ کے لئے حضور نے دنیا کو زیادہ پسند نہین فرمایا تو اور ون کے لئے کب پسند فرماوینگے اس لئے مسلمانون کو دوسری قومون کا مال دیکھ کر مال نہ ٹپکانا چاہئے، اولٰئک عجلت لھم طیبٰتھم فی حیوٰتھم الدنیا، یہ تو وہ لوگ ہین، جن کو ان کی نعمتین (جو کچھ بھی تھوڑی بہت ملنا تھین) دنیا ہی کی عارضی زندگی مین دے کر (ختم کر دی گئین) اور آخرت مین ان کافرون کے لئے عذاب ہی عذاب ہے، اور مسلمانون کے لئے تو دائمی راحت جنت مین ہے؛ دنیا مین توان کو بس اتنی ترقی چاہئے کہ پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، ستر ڈھانکنے بھر کا کپڑا، اور رہنے کو مختصر سا مکان، اور اتنا الحمد للہ بہت مسلمانون کو حاصل ہے، صحابہ کو حضور کے زمانے مین اتنا بھی حاصل نہ تھا تو ہم تو اُن کے مقابلہ مین گویا بادشاہ ہین،

"ارشادِ نبوی ہے کہ

مَنْ اصبح معافاً فی جسدہٖ آمنًا	یعنی جو شخص اس حالت مین صبح کرے، کہ
فی سربہٖ عندہٗ قوت یومہٖ	بدن مین صحت ہو، دل مین بے فکری ہو،
فکانّما خیرت لہٗ الدنیا	اور ایک دن کا کھانا اُس کے پاس ہو تو گویا
بحذافیرھا،	اُس کو تمام دنیا مل گئی،

آج کل کے ترقی پسند مسلمان تنزل کے اس وعظ کو خدا ہی جانتا ہے، کہ کس پیچ و تاب کے ساتھ سُن رہے ہون گے، اگر اس رنگ کو ذرا آزما دیکھین تو معلوم ہوگا، کہ دل کس طرح زندگی کے پیچ و تاب اور کڑھن سے پاک ہو گیا، کچھ نہین تو آزمائش کے دیکھ لیا جائے،

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　　آزمون ویک زمانے خاک باش

باقی مال کو خود قرآن مین جو کہین کہین خیر یا بھلائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، تو ارشاد ہے کہ

"اس کی بھلائی ہونے کی شرطین اور حدود ہین جن کی رعایت نہین کی جاتی، اس لئے ہر مالی ترقی کو بھلائی کی ترقی نہین کہہ سکتے، اور جس درجہ مین مالی بھلائی ہے، اُس درجۂ ترقی کو ہم بھی نہین روکتے، جائز بلکہ فرض کہتے ہین، حضور کا ارشاد ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال مال کمانا اور فرضون کے بعد فرض ہے"،

اسی طرح عزت وجاہ کی ترقی کی نسبت ارشاد ہے، کہ وہ بھی حدود کے اندر نہ صرف مطلوب ہے بلکہ انحصار کے ساتھ اللہ و رسول کے بعد صرف مومنین ہی کا حق یعنی وہی صحیح و اعلیٰ عزت جو اللہ و رسول کے ساتھ تعلق اور ایمانی شرائط و حدود کے تحت حاصل ہو، چنانچہ خود

"حق تعالیٰ فرماتے ہین، وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کہ عزت تو بس (حقیقی و کامل) اللہ ہی کے لئے ہے، اور اُس کے رسول کے لئے اور مسلمانون کے لئے بھلا جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہو وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا،

"اصل یہ ہے کہ عقلی طور پر انسان کو دو چیزون کی ضرورت ہے، نفع کا حاصل کرنا، اور ضرر سے بچنا، آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے، یا تو نفع حاصل کرنے یا ضرر سے بچنے کے لئے، دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزون کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہین، تو اُس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل کرنا ہے مال فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور عزت ضرر سے بچنے کے لئے، مثلاً ایک معزز آدمی اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا ہے ذلیل و کمینہ آدمی کی طرح نہ تو کوئی اُس کو بیگار مین پکڑ سکتا ہے، اور نہ ذلیل کر سکتا ہے"

"اِس سے معلوم ہوا کہ عزت و مال دونون حاصل کرنے کے قابل ہین، مگر وہی کہ طریقہ سے ہون شریعت کی حد مین رہ کر ہون، باقی جو لوگ مال وجاہ کی بُرائی کرتے ہین، اُن کا مطلب اِن کی محبت سے منع کرنا ہے، محبت بھی وہ کہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ مال و عزت

کی ہوس مین حق تعالیٰ کے حکمون کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے،

خود ارشاد ہے:-

قُلْ اِنْ کَانَ آبَاءُ کُمْ وَاَبْنَاءُ کُمْ	فرما دیجئے کہ اگر تمھارے باپ بیٹے، بھائی بیویان
وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ	کنبہ اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے، اور تجارت
وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	جس کے رُک جانے سے تم ڈرتے ہو اور گھر جن کو
تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا	تم پسند کرتے ہو، یہ چیزین اگر تمھارے نزدیک
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ	اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ مین
جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ	جہاد سے زیادہ محبوب ہین، تو پھر تم اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ،	کے حکم (یعنی اس کی قدرتی سزا اور عذاب)
	کا انتظار کرو،"

بس مسلمان کے لئے مال و دولت عزت و حکومت سب کی طلب و حصول کے حدود شرائط کا کلی اصول اور بے خطا کسوٹی یہی ہے، کہ جب اور جس درجہ مین بھی یہ چیزین انفرادی یا اجتماعی راہ سے، راہ حق مین حائل ہون، ان کی محبت خدا ورسول کی محبت و فرمانبرداری پر غالب یا شریعت کی اطاعت مین مزاحم ہون وہی اسلام کی نگاہ مین ملعون و مذموم دنیا طلبی ہے، یہی حال حکومت و سلطنت کا ہے کہ

"شریعت مین خود حکومت مقصود ہی نہین، بلکہ مقصود مُلّاپن ہی ہے، اور مُلّاپن ہی کا پھیلانا حکومت و سلطنت سے بھی مقصود ہے یعنی جو ایمان سے محروم ہین، اُن کو اس کے ذریعہ سے ایمان سے مالا مال کیا جائے، یا اپنے ساتھ ملا کر (یعنی ذمی بنا کر) رکھا جائے، تاکہ وہ ایمان و شریعت کے نور کو دیکھین اور اپنی آنکھین کھولین،"

"یہ نماز روزہ یا مُلّاپن ہی تو تھا جس کے پھیلانے کی خاطر حضرات صحابہ کے لئے حکومت کو پسند

فرمایا گیا، کہ اگر ان کو سلطنت وحکومت عطا ہو، تو وہ اوس کو اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، اور بھلائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے میں استعمال کرین گے، (الذین ان مکنّا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر)

"حاصل یہ کہ مال، عزت وحکومت تینوں کی ترقی سے اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو، تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہوگی یعنی یہ تینوں ترقیان شریعت کی حد مین ہون جن سے کسی حکم شریعت کے خلاف نہ لازم آے، تب تو یہ بھلائی کی ترقی ہے، ورنہ پھر برائی کی ترقی، اور بہت بری، اور خالص حرص ہے، جن کا نام لوگون نے ترقی رکھ لیا ہے، تاکہ یہ عیب چھپا رہے، اور پھر اس کی کبھی اصلاح بھی نہ ہو سکے"

غیرون سے مطلب نہین، لیکن اپنون سے ضرور اتنی درخواست کا جی چاہتا ہے، کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچین کہ آج کل کی قومیات وسیاسیات، مال وجاہ یا حکومت کے لئے جو بھی دوڑ دھوپ ہو، اس مین اللہ ورسول کی محبت واطاعت کا کتنا حصہ ہے، اور یہ دین کے تابع ہے، یا اُس پر غالب! غالب ہی نہین، بلکہ اس کی طلب وحرص مین کیا قدم قدم پر، بڑے چھوٹے احکام دین کو انتہائی بے دردی وبے پروائی سے پامال نہین کیا جاتا، نماز تک کا یہ حال ہے کہ کہان تو اسلامی حکومت وسلطنت کی عین غرض وغایت ابھی اوپر خود قرآن کی آیت سے اقامت صلوٰۃ معلوم ہو چکی ہے، اور کہان یہ حال ہے کہ ہمارے قومی سیاسی جلسون اور جلوسون بلکہ خود اللہ اکبر اور آسلام زندہ باد کے نعرون کے دوران مین غفلت ہی نہین، اس بیباکی وجسارت کے ساتھ اضاعت صلوٰۃ ہوتی ہے، کہ نمازون کے وقت پر وقت آتے اور چلے جاتے ہین، پاس ہی مساجد مین موذن حی علی الصلاۃ حی علی الصلوۃ پکار رہے ہین، کہ آؤ نماز کے لئے، آؤ نماز کے لئے، مگر ہم ہین کہ کانون پر جون تک نہین رینگتی، نہ ایڈرون کے اور نہ پبلک کے، نہ عوام کے نہ خواص کے! اگر ہمارے یہ قومی وسیاسی جلسے اور جلوس واقعی اسلامی ہوتے، اللہ اکبر کے نعرون مین اگر

واقعی اللہ کے سب سے بڑے ہونے کا کچھ ادراک ہوتا، اور ہمارا اسلام اگر صرف زندہ باد کے نعرون مین نہین بلکہ خود ہمارے دلون مین کچھ زندہ ہوتا، تو کیا حی علی الصلوٰۃ کے نعرہ کے بعد بھی جلسہ کا پنڈال اسی طرح بے حس وحرکت مجمع سے کھچا کھچ بھرا رہ سکتا، اور جلوس اسی طرح بے فکری سے راستون پر گذرتے چلے جاسکتے تھے کہ گویا حی علی الصلوٰۃ کی پکار کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) بھاگو نماز سے بھاگو نماز سے! یہ مناظر دیکھکر بعض دفعہ دل کانپ اٹھتا ہے، کہ خدا ہی اپنے غضب سے محفوظ رکھے، پھر ایسی حالت مین مسلمانون یعنی اسلام کے احکام وتعلیمات کے آگے سر رکھدینے کے دعیون کی قومی وسیاسی ترقی، ترقی کی پکار کا جو کچھ مطلب اور جو کچھ نتیجہ ہے، دونون ظاہر اور آنکھون کے سامنے ہین، زبان پر ہر وقت اسلام اسلام کا نام اور دعوی کے ساتھ عملاً اسلام کے احکام وتعلیمات کو قدم قدم پر اس طرح ٹھکرانا کیا نصرت وحق کے بجائے قہر و غضب کو دعوت دینا نہین!

مسلمان خوب یاد رکھین کہ خدا ورسول کے دامن کو اس طرح جھٹک کر پھر لیگ کانگریس جمعیۃ العلماء کسی کے دامن مین بھی اُن کے لے پناہ نہین، دین تو دین غیرون کی کورانہ نقالی مین اُن کے ساتھ جس دنیا کے پیچھے دوڑے جارہے ہین، اُس کی ترقی بھی ہرگز ہرگز نصیب نہین ہوسکتی، نہ مال کی نہ عزت کی، نہ سلطنت کی بلکہ آنکھین ہون تو روز بروز افلاس ذکبت، محکومی وذلت ہی کی ترقی ہے، اور یہ حال کچھ تنہا ہندوستان کا نہین، بلکہ عرب وعراق، ترکی وافغانستان وغیرہ جہان برائے نام مسلمانون کی حکومت ہے وہان بھی غیرون کی نقالی اور اسلام سے روگردانی کا حشر اس ترقی ...... کے سوا کچھ نہین،

اس حقیقت پر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ نے مواعظ وملفوظات وغیرہ مین مختلف طریقون سے بکثرت تنبیہ فرمائی ہے، اوپر الافاضات الیومیہ کے مجموعہ ملفوظات حصہ سوم (ص ۲۹۰ تا ص ۲۹۵) سے جو اقتباسات نقل کئے ہین، اور جو مختلف مواعظ سے ماخذ کرکے اسلام وترقی کے عنوان سے جمع کردیئے گئے ہین، اُن کا پہلا عنوان یہی ہے، کہ غیر قومون کی تقلید مسلمانون کو مفید نہین ارشاد ہے کہ

"میں یہ نہیں کہتا کہ جو تدبیریں یورپ اور غیر اقوام نے اختیار کی ہیں، ان کا دنیوی کامیابی میں کوئی اثر نہیں، ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کو ان تدبیروں سے فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کے لئے ان تدبیروں کے اثر کرنے میں ایک رکاوٹ ہے، اور وہ رکاوٹ اُن کا خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنا ہے، اور یہ رکاوٹ کافروں کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ان پر جزئی اعمال کی ذمہ داری ہی نہیں، اُن پر تو پہلے ایمان لانے کی ذمہ داری ہے، اور ایمان نہ لانے اور کفر کرنے ہی پر ایسا سخت عذاب ہوگا، کہ جس سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں، باقی عملوں کی نہ اُن سے پوچھ ہوگی، نہ سزا ملے گی"

"اور مسلمانوں سے الحمدللہ کہ کفر ہٹا ہوا ہے، اُن سے تو عملوں پر پوچھ ہوگی، اور جب ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں، جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں، تو اُن کو کامیابی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُن تدبیروں سے اثر کو دور کر دیتے ہیں تاکہ اس کی مخالفت کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں، ہر قوم کی ترقی و کامیابی کا طریقہ الگ ہے، یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو فائدہ دے، وہی سب کو فائدہ دے، اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدبیریں ہمیں بھی فائدہ دیں گی، تب بھی خداوندی احکام کی پیروی فرض ہے، اور ان تدبیروں کا اختیار کرنا ہرگز روا نہ ہوگا، اور وہ فائدہ ہی کہاں ہے کہ جس میں خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اس لئے مسلمانوں میں ان تدبیروں سے ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ اور تنزل ہوگا، اور ہوتا جا رہا ہے"

راقم ہذا کی فہم میں تو غیروں کا فائدہ اور دنیوی ترقی بھی بس ظاہر ہی ظاہر ہے، ورنہ در اصل اس تخریب ترقی ہی کی راہ ہے ۔۔۔۔ دنیا میں بھی ان کو ان کی بغاوت کی سزا دے رہی ہے، ساتھ ہی اُن کے نقالوں کو بھی اور اس دور جنگ کے بعد بھی اس بے لگام ترقی ۔۔۔ جو نظر نہیں آ رہی، تو احقر کا ایمان ہے کہ یہ جنگ نہیں قہر و عذاب ہے[1]

---

[1] اگر نمونہ قہر و عذاب یا پیش خیمہ قہر و عذاب" کہا جائے، تو بہتر ہوگا، اصل قہر و عذاب تو وہ ہے جس کی زد میں

جس کا سلسلہ ان مقہورین و معذبین کو ختم کر ہی کے ختم ہوگا، اسی پر فریب دنیوی ترقی کی نسبت تو ارشاد ہے

کہ اللہ تعالیٰ اس ترقی ہی کی راہ سے عذاب دے کر کافرون کو ان کی کافرانہ موت کے انجام تک پہنچانا چاہتا ہے

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ؛

بس خدارا مسلمانو! تم تو اس سراب ترقی کا فریب نہ کھاؤ، نہ تمھاری یہ ترقی ہے، اور نہ دین سے

بیگانہ ہو کر تم دنیا کی کوئی ترقی کر سکتے ہو، ایک وعظ مسمیٰ بالاخوۃ" مین اتحاد و اتفاق کی شرعی و عقلی تحقیق

فرمائی گئی ہے، اس کے سلسلہ مین ترقی کی نقالانہ حقیقت بالا کی نسبت ارشاد ہے، کہ

"اس وقت ہماری حالت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہین، تو اس طریقہ پر جس پر کفار

نے ترقی کی ہے، حضور کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے، نہ اتحاد، حالانکہ ہم کو کفار کی چیزون کی طرف

آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے، لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ...... فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى؛

آگے اپنی طرف سے ترقی کا طریقہ بتلاتے ہین کہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ

عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى، اس آیت مین نماز کی پابندی

اور تقویٰ کا حکم ہے، اور اس کو کفار کی ترقی کے مقابلہ مین بیان کرنا اس کی دلیل ہے، کہ اسلامی

ترقی کا کیا طریقہ ہے، (صفحہ ۲۲)

یعنی وہی کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے، اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا اتباع کیا جائے،

جس کا قرآنی اصطلاح مین نام تقویٰ ہے، اور یہ تعلق و تقویٰ نماز ہی سے پیدا ہوتا اور نماز ہی سے قائم رہتا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷) صرف مجرمین یا اکابر مجرمین ہی آئین، نہ کہ وہ تکوینی آفات و مصائب جن کی لپیٹ میں سو و متقی، کافر

و مومن سبھی آجائین، (عبد الماجد)

اسی لئے کفار کی ترقی کے مقابلہ مین اسلامی ترقی کے سب سے پہلے نماز ہی کی پابندی نہ صرف کرنے بلکہ کرانے کی طرف متوجہ فرمایا گیا، کہ واْمر اھلک بالصّلوٰۃ،

"البتہ یہ مطلب نہین کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز روزہ ہی کے ہو رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو"

بس یہی ساری غلطیون کی جڑ ہے، کہ آج کل کی ترقی مین دنیا کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے، اور اسلامی ترقی مین دنیا بالکلیۃ دین کے تابع ہے، البتہ دین کی ضرورت سے دنیا مین مشغول ہونا عین دین ہے، جس کی تمثیل مین ارشاد ہے، کہ

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کھانے کی ضرورت سے کنڈے جمع کئے جاتے ہین، اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے مین تیار ہوا، تو اس کی فہرست مین کنڈے اور لکڑی بھی شمار ہوتی ہین، اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کما وٗ گے، تو وہ محض دنیا نہ رہے گی، اب اس کا لقب نعم المال ہوگا، جس کا لقب پہلے (الدنیا جیفۃ) تھا، کہ دنیا گندی و حرام ہے، بس کسب دنیا ضرورۃً مذموم نہین، ہان مقصوداً مذموم ہے، جیسے کوئی شخص کنڈون ہی کو مقصود سمجھے، اور اُنہی کو کھانے لگے، تو وہ احمق ہے، اور ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلادے تو بڑا عاقل ہے، مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود تو دین کو سمجھو، پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آجائے گی، اور اس وقت وہ دنیا نہ ہو گی، بلکہ وہ بھی دین ہو جائے گی،" (صفحہ ۲۳)

اس کے بعد ارشاد ہے کہ تاریخی طور سے بھی مسلمانون کو دیکھنا چاہئے، کہ اُن کی ترقی کیونکر ہوئی:-

"یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی، کیونکہ ہر قوم کا باطنی مزاج الگ ہے، یہ ضرور نہین، کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو، بلکہ یہ بھی ضرور نہین کہ جو صورت ایک

قوم کے کسی فرد کو مفید ہو، وہ سب افراد کو مفید ہو، چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے، کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے"

"صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہوتی ہیں، ایک طبیب نے کسی گاؤں میں دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور اُن کے اوپر ایک...... بھرا ہوا چھاچھ کا پی گیا، حکیم صاحب نے کہا اب تیری خیر نہیں، چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہئے تھا، تو گنوار نے اوپر سے چار پانچ روٹیاں اور منگا کر صاف کر دیں، اور حکیم صاحب سے کہا کہ اب تو چھاچھ بیچ میں ہو گئی، حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی تو جا، بیچ میں کر یا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا، بھلا کوئی شہری بھی ایسا کر سکتا ہے، پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے کیونکر مفید سمجھتے ہیں، یہاں یہ شبہ زائل ہو گیا، کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں، تو کفار کو اُن سے نفع کیوں ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہو گئے ہو، تمھارا مزاج شاہانہ ہو گیا ہے، تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی، جو گنواروں کو مفید ہے"

حضرت اہل اللہ کی مثالیں کیسی دلنشین ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہوں، آخر حضرات انبیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ضرب امثالی کا پرتو ہوتی ہیں، ایک اور مثال سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ دنیا میں بظاہر حق تعالیٰ کا کافروں اور نافرمانوں کے ساتھ ترقی کا معاملہ کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مثال .... ہے،

جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اُس میں ذراسی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دیجاتی ہے، اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں، اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث دیکھنا نہیں چاہتے، اگر تم ملوث ہوگے تو فوراً دھوبی کے پٹرے پر کوٹے پیٹے جاؤ گے، اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا،

راقم ہذا کو تو اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمانون نے در اصل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و وفاداری کا میثاق و معاہدہ کر رکھا ہے، اس لئے قدرۃً اُن کی نافرمانی و غداری زیادہ مستوجب غضب و عتاب ہوتی ہے، رعایا اور غیر رعایا اور رعایا مین بھی عام رعایا، اور ان عہدہ دارون کی بغاوت بادشاہ کی نگاہ مین کیسے مساوی ہو سکتی ہے جن کے سپرد سلطنت کا کاروبار کیا گیا ہے اور جو اسی کو ایمانداری سے انجام دہی کے لئے وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہین، ان کی تو بادشاہ کی طرف سے اعانت و نصرت اسی وقت تک اور اسی درجہ مین ہوگی جس وقت تک اور جس درجہ مین یہ اپنے عہد و پیمان کو استوار اور اپنی وفاداری کو برقرار رکھین گے، یہی مسلمانون کی ترقی اور تنزلی کا تاریخی سبق و تجربہ ہے،

"پس اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ پہلے مسلمانون کو ترقی کیونکر ہوتی تھی جن لوگون نے حضرات صحابہؓ کی ترقی کا حال تاریخ مین دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہین، کہ ان حضرات کو صرف اتباع دین کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ وہ دین مین پختہ تھے، اُن کے معاملات و معاشرات اور اخلاق سب بالکل اسلامی تھے، اس لئے ایک طرف تو دوسری قومون کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی، اور صحابہ کی حالت دیکھ کر جوق جوق اسلام مین داخل ہوتی تھین، دوسری طرف اگر کسی نے مقابلہ کیا، تو چونکہ انھون نے خداے تعالیٰ کو راضی کر رکھا تھا اس لئے خداے تعالیٰ ان کی مدد کرتا تھا، یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد و تیاری بڑی بڑی سلطنتون کو اُن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی، (ص ۲۴)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود ۔۔۔۔ ساتھ ساتھ آجائے گی، ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پرندہ اور سایہ، تم پرندہ کو پکڑ لو، سایہ ساتھ ساتھ آجائے گا، اور اگر سایہ کو پکڑو گے، تو نہ وہ ہاتھ آسکے گا، اور نہ یہ" (صفحہ ۲۷)

ع یزدان بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

تم ایک مرتبہ ہمت کر کے بس خدا کو پکڑ لو، پھر ساری خدائی تمھاری ہے، اور چونکہ دین مین کوئی تکلیف مالا یطاق نہین، اتنی بھی نہین، بلکہ اس کی عشر عشیر بھی نہین، جتنی کہ دنیا طلبی مین ہوتی ہے، اس لیے دین طلبی یا خدا کو پکڑنا بہت آسان ہے، تم اگر محکوم ہو تو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی تکلیف نہین، بلکہ محکوم رہ کر بھی خود اپنے اوپر جس قدر اور جس درجہ مین حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے یعنی احکام شریعت کی اطاعت کی استطاعت ہے، وہ مقدم ہے، اور جس دن تم بہ استطاعتِ خود اپنے اور اپنے اتباع یا اہل وعیال کے اوپر حکومتِ الٰہیہ قائم کر لوگے، تو وہی تمھاری حقیقی سلف گورنمنٹ اور ہوم رول ہوگا، اور اس دن کے بعد پھر واللہ ثم واللہ کسی غیر اللہ کی مجال نہین کہ محض اپنی مشین گنون یا ایٹم بمون سے تم پر اپنا حکم چلا سکے، مگر تم نے تو عرب و عجم ہر جگہ غیرون سے بھی بڑھ کر مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہی کو بالذات مقصود و مطلوب بنا رکھا ہے، اور غیر مسلم جان و مال کی جتنی قربانی قوم و وطن کے ...... کاذبہ و آلہہ باطلہ کے لئے کرتے ہین، اس کے پاسنگ بھی تم ...... حق اور دین حق کے لئے نہین کرتے، تو پھر سایہ کے پیچھے دوڑنے سے شکار کیسے ہاتھ آسکتا ہے،

بہرکیف حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی قومیات اور سیاسیات کے باب مین بھی اصل تجدید کا حاصل یہی ہے، کہ اُن چیزون مین بھی ہماری منزل مقصود اور اس کا راستہ سب دین اور صرف دین ہے، نہ ہمارا ہی مقصود آج کل کی بے دینی کی آزادی و خود مختاری حکومت و جمہوریت مساوات واشتراکیت ہے اور نہ ہمارا ...... جلسے و جلوس ہڑتال اور احتجاج نہ اپنی طرف سے قید و بند اور پولیس کے ڈنڈون یا فوج کی مشین گنون کو دعوت دینا اور نہ ستیہ گرہ اور مرن برت کی خودکشی، یہ مقاصد و تدابیر سب سراسر غیرون کی تقلید و نقالی ہین، ہمارے کامل دین نے الحمد للہ منزل مقصود و سائل و تدابیر کے باب مین بھی ہم کو غیرون کی پیروی و رہنمائی کا محتاج نہین چھوڑا، سب کے ضوابط و اصول عطا فرما دیئے ہین،

جن کی روشنی و رہنمائی میں جزئی و وقتی استنباطات کے ذریعہ ہم ہر نو پیدا صورتِ حال کا مقابلہ کر سکتے ہیں،
ایک ملفوظ میں ارشاد ہے کہ

"مسلمانوں کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ دوسری قوموں کی روش اختیار کریں، یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعۂ ترقی بنائیں، یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہاں ہوں، بڑے غیرت کی بات ہے، ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، مشروع تدابیر اختیار کرنی چاہئے، سلف کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، اسی میں اُن کی خیر و فلاح ہے، جو سبق مسلمانوں کو دیا گیا ہے، اس میں قوت بھی ہے، شجاعت بھی ہے، سب کچھ ہے، اس میں ہم کو بتلایا گیا کہ غلبہ سامان سے نہیں ہوتا، بلکہ قوتِ قلب سے ہوتا ہے، اور (مسلمانوں کو) قوتِ قلب میسر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے خدائی احکام کی اتباع اور خدا کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے، مگر مسلمانوں کے دلوں میں اسے کیسے اتاروں،

ایک مومن کامل کی طرح اس پر اس درجہ کامل ایمان و وثوق ہے کہ آگے فرماتے ہیں کہ

"خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بالاتفاق سب مسلمان احکامِ حق پر عمل پیرا ہو جائیں، اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، تو چند روز میں انشاء اللہ کایا پلٹ جائے"،

اس سے بھی بڑھ کر یہ ارشاد ہے کہ "اگر بہ نیتِ اتباع ایسا نہ کریں تو ایک تدبیر ہی کا درجہ سمجھ کر دیکھیں، آخر اور بھی تو تدابیر کر رہے ہو، ایک یہ بھی سہی، تمہارا مقصود تو مقاصد میں کامیابی ہے (خواہ کسی راہ سے ہو) تو جب تمہاری ساختہ پرداختہ (بلکہ دراصل غیروں کی آموختہ) تدابیر میں اب تک کامیابی نہیں ہوئی، تو اللہ اور رسول کی تبلائی ہوئی تدابیر

کو ندا بیر ہی کی نیت سے کرکے دیکھ لو، کہ کیا نیتجہ برآمد ہوتا ہے، اگر کامیابی نہ ہوگی تو چھوڑ دینا، لیکن کرکے دیکھو تو ؛ کرنے سے پھانسی کیون لگتی ہے مرے کیون جاتے ہو، کوئی پکڑ کر تھوڑا ہی تم کو بٹھلانے گا، بہت دنون تک بتون کی پرستش کرکے تجربہ کرلیا، اب ذرا خدا کو بھی پوجکر دیکھ لو،

ایک شخص مدت سے بت کے سامنے بیٹھا صنم صنم پکار رہا تھا، ایک روز بھولے سے صمد منہ سے نکل گیا، فوراً آواز آئی، لبیک یا عبدی لبیک، یعنی کیا کہتا ہے میرے بندے : مین موجود ہون، اُس نے جوش مین آکر بُت کو ایک لات رسید کی، کہ کمبخت عمر کا ایک بڑا حصّہ تم کو پکارنے مین گذر گیا، ایک دن بھی جواب نہ دیا، آج سچے خدا کا نام بھولے سے بان سے نکل گیا، فوراً جواب ملا، سو وہ تو بڑی رحیم وکریم ذات ہے جس کو تم بھلا رہے ہو، اور جس سے تعلق کم کر رہے ہو،

بس کوئی انگریزون کی بغل مین جا گھستا ہے، کہ اُن کے پاس ہماری فلاح وبہبود کے اسباب ہیں اور اس مقلدانہ حماقت مین اُن کی سی بولی چالی، اُن کا سا لباس، اُن کی سی معاشرت تک اختیار کرلیتا ہے، کوئی ہندوؤن کی بغل مین جا گھستا ہے، کہ اُن کے ساتھ اتحاد مین ہماری فلاح وبہبود ہے، اوران کے ساتھ شریک ہوکر احکام اسلام تک کو پامال کرنے کو تیار ہوجاتے ہین، حتی کہ ایمان تک اُن کی نذر کر دیا، مگر رہے کورے کے کورے، نہ انگریزون سے کچھ ملا، اور نہ ہندوؤن سے،

(الافاضات الیومیہ حصّہ پنجم ص ۴۷ و ۴۸)

اوراب انگریزون اور ہندوؤن (رفقہ وزارت یا وائسرائے اورکانگریس) دونون سے مایوس ہوکر مسلم لیگ کے روس کی بغل مین گھسنے کی سوجھ رہی ہے"

انسانون کی ساختہ پرداختہ اور غیرون کی آموختہ آج کل کی قومی و سیاسی تحریکات کی تدابیر پر ایک طویل ملفوظ مین حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے خیالات کا کسی قدر تفصیل سے اظہار فرمایا ہے، خلاصہ ان کا یہ ہے کہ مسلمانون کے لئے شریعت کی منصوص راہ و تدبیر یا تو قتال و جہاد ہے اور جب تک اس کے اسباب و شرائط منصوصہ فراہم نہ ہون، اس وقت تک صبر و سکون کے ساتھ ایمان و عمل صالح مین استقامت و پختگی کی کوشش و تیاری جاری رہے، جو کفر سے مقابلہ یا اسلامی جہاد کے لئے سب سے اہم و اقدم تہیہ ہے، باقی کسی جابر و قاہر حکومت و سلطنت کا آئین شکنی (سول نافرمانی) یا اقدام عمل (ڈائرکٹ ایکشن) وغیرہ کے ذریعہ مقابلہ کرکے یا ہمسایہ قوم کے ساتھ خانہ جنگی مین مبتلا کرکے مسلمانون کی جان و مال کو گنوانا (جس کا ابھی ابھی کلکتہ مین کیسا غمناک و عبرتناک تجربہ ہوا) یہ نہ اسلامی جہاد و قتال ہے، اور نہ اس مین صبر و انابت یا رجوع الی اللہ کے ساتھ اس دینی اصلاح حال کے لئے امن و اطمینان نصیب جو مسلمانون کے حق مین اصلی تدبیر ہے، یہ رائج الوقت تدابیر حضرت مجدد وقت کے نزدیک جائز کیا سرے سے حرام اور خودکشی کی صورتین ہین، مومن کی جان و مال اس کی ملک نہین، وہ اس کا صرف امین ہے، اس کا مرنا جینا سب خدا کے لئے اور خدا کے حکم سے ہے جب تک اس کا علم و اطمینان نہ ہو کہ جس مقصد کے لئے، اور جس راہ سے وہ جان و مال دے رہا ہے، وہ خدا کی راہ اور خدا کی مرضی ہے، اس وقت تک بدن کا ایک رویان بھی دینا جائز نہین، احقر اسلامی سیاست و جہاد پر اپنے جامعہ عثمانیہ کے لکچرون مین ہمیشہ بلا شرم و حجاب کہا کیا کہ محض ملک و قوم کی آزادی خریدنے یا جمہوریت و اشتراکیت کے قیام کے لئے اپنے جسم کا ایک رویان پیش کرنا بھی معصیت جانتا ہون، ہان خدا و رسول کی مرضی و حکم کے آگے مومن کی جان و مال سب بے قیمت ہین "

ذیل مین ملفوظ مذکور کے ضروری اقتباسات درج ہین، یہ ملفوظ کشمیر؟ کے متعلق ایک مولوی صاحب کے کچھ سوالات کے جوابات کی صورت مین ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمانون کے جو جتھے کشمیر جا رہے ہین

ان کا مقصود لڑنا نہین صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے، یہ صورت شرعاً کیسی ہے ؟ جواب مین ارشاد ہے کہ

"یہ شرعی لڑائی تو ہے نہین اب دو ہی صورتین ہین یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال ورنہ صبر، درمیان مین اور کوئی چیز نہین، اور نہ یہ درمیانی صورتین سمجھ مین آتی ہین، اور نہ آج کل کی درمیانی صورتین اسلامی صورتین ہین، سب دوسری قومون کی تقلید ہین،

لیکن اگر بغیر لڑے ہوے اس صورت کو اختیار کرکے کامیابی ہو جائے، تو اس کے اختیار کرنے مین شرعاً کیا ہرج ہے، اس کے جواب مین فرمایا کہ

یہ تھوڑا ہرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا ..... اب اس صورت کا نصوص کلیہ مین داخل ہونا ثابت کر دین، تو مین بھی مان لون گا، خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے، باقی نصوص کے مقابلہ مین اجتہاد و قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرف کا حق ہے،

سوال آیت جہاد مین "مِنْ قُوَّة" نکرہ ہے، اور اس وقت جیل جانے کی قدرت ہو،

جواب:- قدرت سے یہ قدرت مراد نہین، بلکہ جس قدرت مین خصم کو کوئی ضرر ہو اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو،

سوال:- جیل جانے مین تو کوئی ضرر نہین معلوم ہوتا، اور خصم کا ضرر ہے یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے،

جواب:- اگر قدرت اضراری ہے تو اس کی بھی قدرت ہے، کہ دشمن کے منہ پر تھوک دین، یا ڈھیلا مار دین، مگر اس مین اپنا ضرر ہے، اس لئے ایسا نہین کرتے، حاصل وہی کہ قدرت سے مراد وہی قدرت ہے، جس مین دشمن کا ضرر ہو،

اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں، اس پر سب کو قدرت ہے، لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا اُن کے دفع پر قدرت نہیں، دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے، اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے، اُن کی مدافعت پر بھی قدرت ہو، پہلی صورت لغوی استطاعت ہے، اور دوسری شرعی استطاعت، اور مدافعت کی فرضیت کے لئے پہلی نہیں، بلکہ دوسری یعنی شرعی استطاعت شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا کہ من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ ہے،

ظاہر ہے استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفار کی تقدیر کب محقق ہوگی، یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو، اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں، اُن کے دفاع پر قدرت ہونا شرط نہ ہو، تو زبان سے انکار کرنا ہر وقت فرض ہونا چاہیئے، کیونکہ زبان کا چلا دینا ہر وقت ہی قدرت میں ہے، پھر وہ کونسی صورت ہوگی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے، اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت و مقابلہ بظن غالب عادتہً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں نہ مبتلا ہو جائیں،

جھوٹ کا جیل جانا، پٹنا، یا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے، اور خودکشی سے اگر کسی کو فائدہ پہونچے، تب بھی تو جائز نہیں، یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی سے کفار پر اثر ہوگا، تو کیا خودکشی جائز ہو جائے گی، اور جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کے مرادف نہیں،

اس پر سوال ہوا کہ ضرر تو قتال میں بھی ہے، ایسا اثر ضرر کہ جان جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ قتال مقصود و منصوص ہے، اس لئے اس کے ضرر کا اعتبار نہیں، اور یہ نئی تدابیر اور طریقۂ کار غیر منصوص ہیں، اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا، اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، قتال فتنہ نہیں کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے، اور ان امور میں تشتت و پراگندگی اور اضاعت وقت ہے،

"اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے، پروگرام بناتے وقت اور فقہ کو بھی محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں، اور نہ مفید ہے، بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے، نہایت ہی دقیق فن ہے، اس واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں"

اور جو مجدد وقت تجدید دین ہی کے لئے مبعوث ہوا ہے، اس سے بڑھکر وقت کی چیزوں کے متعلق صحیح ذوق و فراست ایمانی کا دعویٰ کون کر سکتا ہے اور احتیاط کے پہلو کو ہر معاملہ میں اور ہر قدم پر مرعی رکھنا یہ تو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کا وہ حصہ ہے، جس میں زیادہ کا تصور بھی دشوار ہے،

اس کے بعد سائل کی طرف سے ایک سوال یہ ہوا، کہ من قتل دون عرضہ ومالہ فھو شہید سے جان دینا جائز نکلتا ہے، تو بھوک ہڑتال وغیرہ کی گنجایش معلوم ہوتی ہے"؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ

"قتل سے مراد خودکشی نہیں، بلکہ قتال ہے، یعنی اس نیت سے جنگ کرو، اور لڑو کہ جان، ایمان اور مال بچ جائے، پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے، تو وہ شہادت ہے، قتل ہونا خود مقصود نہیں، بلکہ قتال سے اگر لازم آجائے تو اس کا جواز نکلتا ہے، غرض مقصود قتل نہیں قتال ہے، وہ بھی جب اس کی سب شرطیں پائی جائیں، اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور خود قتل کا مقصود نہ ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید میں

یُقتلون (بصیغہ مجہول) ہر جگہ یُقتلون (بصیغہ معروف) کے بعد ہے جس سے معلوم ہو کہ یقتلون (بصیغہ مجہول) خود مقصود نہیں، بلکہ یُقتلون (بصیغہ معروف) سے کبھی لازم آجاتا ہے"

یہ ہے تفقہ فی الدین اور فہم نصوص کا مجددانہ ذوق، اب پھر سائل نے یہ سوال اٹھایا، کہ "پوری قدرت تو نہیں، مگر جو کچھ بھی ہے اس کا استعمال کس طرح کریں، کچھ تو کرنا ہی چاہئے" اس کا جواب ملاحظہ ہو کہ

"یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے، میری سمجھ میں تو اس سے زیادہ نہیں آتا، کہ اُن کو تبلیغ کرو، دین سکھاؤ، اس کے بعد لڑاؤ (یعنی باضابطہ جہاد) میں پوچھتا ہوں کہ ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ میں تھے، اُن کی جانیں تک جاتی تھیں، اُس وقت اہل مدینہ نے ایک بھی جھنڈا نہیں بھیجا اور جب تک آیتِ قتال نازل نہ ہوئی، صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی بس جنگ کرو تو اسلامی کرو، آئین بائین کہاں کی خرافات نکالی"،

پھر چند سوالات کے بعد ایک سوال یہ ہوا کہ "منصوص تدابیر کے مقابل میں اُن تدابیر کو منع تو نہیں کیا گیا اُن کی نسبت نہ نہی وارد ہے، نہ حکم، تو اس صورت میں اُن کو مسکوت عنہ کہا جائے گا، ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے" اس کا جواب خصوصًا قابلِ توجہ ہے،

"جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہ ہوئی، اور خیر القرون کے بعد پیش آئیں، اور نصوص اُن کے خلاف موجود ہوں، تو وہ مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں لیکن اُن چیزوں کی حاجت تو ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہیں بلکہ منہی عنہ ہوا، کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا"

علاوہ ان سب باتون کے ایک اور باریک بات ہے جن کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے، کہ ہر کام کے لئے حدود کی ضرورت ہے، جن کی ان تحریکات مین بھی ضرورت ہے، سو اُن کا تحفظ کون کرے گا یا کرائے گا، ایک لڑکا زمانۂ خلافت مین ہجرت کر گیا، اس کی مان روتے روتے اندھی ہوگئی، تو اس کو کون دیکھے گا، کہ کس کو جانا (یا ایسی تدابیر مین پڑنا شرعاً) چاہئے، اور کس کو نہین چاہئے، لہٰذا اگر تدابیر جدیدہ جائز بھی ہون، تب بھی اس کی ضرورت ہے، کہ کوئی امیر (ماہر و متبع شریعت) ہو تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے، اور دوسرون سے بھی کرائے، بلا ایسے امیر کے کچھ نہین ہوسکتا"

اسی سلسلہ مین امیر کے متعلق تحریک خلافت کے زمانہ کا ایک بڑا دلچسپ اپنا مکالمہ ایک بڑے پرجوش ذہین و فہیم شریک تحریک کے ساتھ بیان فرمایا، جو سننے اور سمجھنے کے لائق ہے، ان پُرجوش نوجوان کو دعوی تھا، کہ حضرت کو پانچ منٹ مین قائل کرکے تحریک خلافت مین شریک کرلین گے، چنانچہ آتے ہی اُنھون نے کہا کہ بلا تمہید عرض کرتا ہون، کہ آپ اس تحریک مین شریک کیون نہین ؟ حضرت نے فرمایا، کہ

"مین بھی بلا تمہید عرض کرتا ہون کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے، اس مین ضرورت ہے اتفاق کی، حدوثاً بھی اور بقاءً بھی، اول تو مجھکو حدوث اتفاق ہی مین کلام ہے لیکن علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے، تو بقاء کا کون ذمہ دار ہے، بقاء کے لئے صرف ارادہ کافی نہین، قہر و قوت کی ضرورت ہے، اور وہ قوت امیر المومنین ہے، اور اس وقت مسلمانون کا کوئی امیر المومنین نہین، جو اُن کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے، جو روح ہے اس کام کی...... کہنے لگے ہم آپ ہی کو امیر المومنین بناتے ہین، مین نے کہا کہ مین تیار ہون، مگر کچھ شرائط ہین، اول یہ کہ ہندوستان کے تمام مسلمان اپنا تمام مال و جائداد میرے نام ہبہ کر دین، مین بھیک مانگنے والا امیر المومنین نہین بنون گا"

ایسے کام چندون سے نہین چلا کرتے ہین اور جن کے چلے ہین، اُن کے مال اُن کی جان اُن کی

آبرو اُن کے بی بی بچے ..... سب خدا کی راہ میں اپنے کو قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے
اور اصل مقصد میں سب متحد تھے، خلوص سے اُن کے قلوب پُر تھے، اُن کی ہمسری کا کیا کوئی دعویٰ
کر سکتا ہے، اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک یہ ضرورت رہے ..... اگر کوئی ضرورت خرچ
کی فوری پیش آگئی، اور پلے ہے نہیں، اب اگر رقم وقت و موقع پر نہ پہنچی تو سوائے ناکامی کے اور کیا
نتیجہ نکل سکتا ہے، مثلاً ضرورت آج ہے، اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کو تو کیا ضرور ہے کہ فوراً
کامیابی ہو جائے تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کرنا کونسی عقلمندی ہے، تو کام سے
پہلے اس کا انتظام کیا جائے،

"اس سرمایہ سے جو میرے نام ہبہ ہوگا، سامان جمع کروں گا، ساتھ ہی سب کو حسب حیثیت
مذاق انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا، اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ بعد فراغ و کامیابی سب کی
جائداد وغیرہ بجنسہ واپس کر دوں گا"

"دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء اور لیڈروں کے دستخط کرائے کہ وہ مجھ کو
امیر المومنین تسلیم کریں، اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا، ہاں اگر
تسلیم کے بعد پھر کوئی خلاف یا اختلاف کرے، تو امیر کو حق ہے کہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو
دبائے، اور ٹھیک کرے،

"اب سنئے امیر المومنین ہونے کے بعد سب سے اوّل یہ حکم دوں گا کہ دس سال کے لئے سب
خاموش، ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور و غل بند، اور اس دس سال میں انتظام کروں گا مسلمانوں
کے مسلمان بنانے کا اور ان کی اصلاح کا، پھر اس مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا حکم
دوں گا، اور اگر محض کاغذی امیر المومنین بنانا چاہتے ہو، تو نتیجہ یہ ہوگا، کہ آج امیر المومنین
ہوں گا، اور کل کو اسیر الکافرین، آج سردار ہوں گا اور کل کو سرِ دار ہوں گا،

"یہ تقریر سن کر اُن کی سب ذہانت ختم ہوگئی، اور یہی مقصود تھا کہ اُن کو اپنے خیالی منصوبوں کی حقیقت معلوم ہوجائے ورنہ کون امیر المومنین بنتا ہے، اور کون بناتا ہے!

خلاصہ یہ کہ ہر کام اصول سے ہو سکتا ہے، بے اصول تو گھر کا انتظام بھی نہیں ہوتا ملک کا کیا خاک ہوگا............. اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو، لیکن ان باتوں کو لوگ اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر احکام اسلام کو پامال کرکے کوئی کام ہوا بھی تو وہ دین کا کام بہرحال نہ ہوگا .... تحریک خلافت کے زمانہ میں صاف الفاظ میں کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا نہیں کام کا وقت ہے، ایک مولوی صاحب جو ان تحریکات میں نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کر رہے تھے، مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو اس تحریک میں وہ کام کرنے پڑے ہیں کہ اگر علما کو معلوم ہو جائیں تو کفر کا فتوی دیدیں، یہ تو حالت ہے اور دعوی دین کی خدمت کا ہے"

ایک موقع پر ایک صاحب نے کہا کہ پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوتے تھے یعنی حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، حضرت نے کیا خوب فرمایا کہ

"مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوتے تھے، اور یہ بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے، اور پھر آخر تک بیٹھے ہی رہے، اب بتلاؤ کہ اپنے بزرگوں کے متبع ہم ہوئے کہ آپ، اس لئے کہ آپ منسوخ پر عمل کر رہے ہیں، اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے، پھر کچھ نہ بولے، خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے، حالانکہ جن وجوہ و اسباب کی بنا پر ان حضرات نے بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی، وہی اسباب اب بھی موجود ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتری و کمزوری نظر آرہی ہے"

حضرت کی نظر تو ہر طرف جاتی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ

"اور عوام کے بھروسہ پر جب کہ اُن میں دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا

نہایت خطرناک ہے...... خصوصًا اس حالت میں مضر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں، جب کہ دوسروں کے کندھوں پر بندوق چلائی جا رہی ہو، صاف کہتے ہیں کہ بدون برادرانِ وطن کی شرکت کے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسی قوت کے بھروسہ پر جس سے کسی وقت بھی اسلامی خیرخواہی و ہمدردی کی امید نہیں، کام کرنا کہاں تک عقلمندی کہلائی جا سکتی ہے، نہ شرعًا نہ عقلاً ہزارہا واقعات شب و روز مشاہدہ ہو رہے ہیں، کہ وہ کسی طرح اور کسی وقت اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہو سکتے۔"

اور جو اصل چیز ہے کہ مسلمانوں میں دین پیدا ہو، ان کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو، ان کا کوئی امیر ہو، اس کا کہیں نام و نشان نہیں، بس بھیڑ کی چال ہے، کہ جس طرف ایک چلی، سب اسی طرف چل دیتی ہیں، میں بقسم کہتا ہوں اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ دین کے پابند ہو جائیں، آپس کے مناقشات ختم کر دیں، اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں، اور جس کو اپنا خیرخواہ سمجھ کر، بڑا (امیر) بنائیں، اس کے مشوروں پر عمل کریں، سرمو اعراض نہ کریں، تو پھر اُن کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت، نہ کسی سے ڈرنے کی، نہ اُن کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے، ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے،

"ہماری تو ہستی کیا، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) جن کی مقبولیت اور فراست اور عقل تمام دنیا کو تسلیم ہے، انھوں نے بھی ساری عمر یہی کام کئے، مگر اصول اور حدود کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے، کہ اُن کو کامیابیاں ہوئیں، اُن کی نصرت ہوئی، وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت میں غالب آئے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اُن کا طریقۂ کار کیا تھا، ان کا اس جد وجہد سے مقصود کیا تھا، اُن کی نیت کیا تھی، اُن کے اعمال کیسے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیسا کرتے تھے، وہ احکام اسلام پر

کس درجہ عامل تھے، اُن کے قلوب مین اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت و محبت تھی؛ ثمرات پر تو نظر ہے لیکن اسباب ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہئے، کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت معلوم ہو جائے گا، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم اُن کامیابیون اور نُصرتون کے مستحق ہین یا نہین، نرے دعوے اور زبانی باتین ہانکنے سے کہین کام چلا کرتا ہے،

ایسی زبانی باتون اور بے اصول کامون کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موپلون کی قوم کو برباد کرادیا، ان لیڈرون اور ان کے ہم خیال مولویون نے لکچر دیئے، عربی النسل تھے جوش پیدا ہوگیا، بھڑک اُٹھے، پھر جو اُن کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے، پھر ایک لیڈر بھی وہان نظر نہ آیا، نہ کسی نے اُن کی امداد کی، چاہتے ہین کہ ہم تو صدارت کی کرسی پر بیٹھے رہین، اور لوگ اپنی جانین دیتے رہین، یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کامون کا؛

شریعت کے حدود اور اصول سے نکل کر مسلمانون کو کبھی کامیابی نصیب نہین ہوسکتی، اس کا کیسے کامل یقین و ایمان کے ساتھ برملا اعلان فرمایا ہے کہ

کرو اصول کے خلاف نہ کرو حدود شرعیہ کا تحفظ لگاؤ ایڑی چوٹی کا زور، واللہ ثم واللہ ثم واللہ ایک انچ بھی تو آگے نہین جاسکتے، مسلمانون کی فلاح و بہبود تدابیر منصوصہ ہی مین ہے، بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض ماثور دعا کو چھوڑ کر، اور طریق دعا اختیار کرتے ہین، ظاہر ہے کہ اگر یہ طریقہ مقبول اور خدا ورسول کا پسندیدہ ہوتا تو وہ بھی تعلیم کر دیا جاتا، جب نہین کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ نیا طریقہ مقبول و پسندیدہ ہی نہین، اور غیر مقبول مین خیر و برکت کہان چہ جائیکہ اس شخص (گاندھی) کی تعلیمات و تجویزات جو توحید و رسالت کا منکر، اسلام اور مسلمانون کا دشمن، اور رئیس المشرکین والکافرین ہو؛

تحریک خلافت کے زمانہ مین ہجرت کا رزولیوشن پاس کر دیا، ہزارون مسلمانون کو بے خانمان

کرادیا، پھر ملازمتین ترک کرنے کی تعلیم دی گئی، مسلمانون نے نوکریان چھوڑین اور ہندوؤن نے اُن کی جگہ کو پُر کیا، بہت سے اب تک جوتیان چٹخاتے پھرتے ہین، بعض کے خطوط آتے ہین کہ اُس وقت حماقت ہوگئی، اب تک بے روزگاری سے سخت پریشانی ہے"

یہ اس کی مثال ہے، جس کی طرف حضرت نے اوپر قدرت کی لغوی وشرعی تقسیم مین اشارہ فرمایا کہ شرع مین وہ قدرت معتبر ہے کہ مقدور کے کر گذرنے کے بعد جو ضرر لاحق ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ کی بھی ہمت وقدرت ہو، آگے ارشاد ہے کہ

"یہ ہین بے اصول کامون کے انجام، اگر کوئی اصول ہوتا، یا کوئی مرکز ہوتا تو اُن لوگون کو کیون پریشانی ہوتی، اور کیون بددل ہوتے، غرض قدم قدم پر ناکامی وذلت گلو گیر رہی، مگر پھر بھی آنکھین نہین کھلتی ہین، جو سوجھتی ہے انئی سوجھتی ہے، یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہین، اگر مسلمان تنہا اصول کے ماتحت حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کرین، اپنی مالی وجانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلین، پھر کسی کو اختلاف نہ ہوگا، مسلمانون کے جو شرعی مقاصد یا اپنی دینی ودنیوی بہبودی کے مطالبات ہین، مجھ کو اُن سے اختلاف نہین اور نہ کوئی مسلمان اختلاف کرسکتا ہے،

مجھکو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہین، سردار یا امیر کوئی نہین، اختلاف وخلاف کی یہ حالت کہ پارٹی بندیان ہورہی ہین، علماء ایک طرف کو چلے جارہے ہین، لیڈر ایک طرف چلے جارہے ہین، عوام کی یہ حالت کہ جس نے مرضی کے موافق فتوی دیدیا، یا کوئی عالم یا لیڈر ان کے ساتھ ہولیا، تو اس مین تو سب کمالات ہین، اس کو عرش پر پہنچا دینگے اگر کسی نے اُنکی مرضی کے خلاف کوئی بات کی، تو تحت الثری مین بھی اس کو جگہ ملنا مشکل"

ہندوؤن اور کانگریس سے حضرت مجدد ملت علیہ الرحمۃ کو جس درجہ بے اعتباری اور

اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے سے جس درجہ اختلاف ہے، اس کا اندازہ فرمائیے فرماتے ہین :-

"کانگریس کی شرکت جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤن کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانون کو تباہ وبرباد کرنا ہے، اور مسلمانون کو ہندوستان سے نکال دینا (یا پھر ہندو بنا لینا) اس کا خاص منصبی فرض ہے، یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہین، (اور اب ان خیالات کے لوگون کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، ناقل) اور بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانون کو تباہ وبرباد کیا، دینی مدارس ومساجد کو خراب کیا، وہ ساری دنیا کو معلوم ہے"

بات یہ ہے کہ جب سرے سے اُن کا کوئی دین ہی نہین، بلکہ اُلٹے **لادینی** ان کا عین دین ہو تو اُن کو کسی کے بھی دین کے احترام کی کیا وجہ ہوسکتی ہے، اگر کسی سیاسی وتدبیری مصلحت سے کسی وقت کچھ رعایت بھی کی، تو جب اس کے خلاف موقع ومصلحت ہوگی تو جو بھی چاہین گے، اپنی طاقت کے زعم مین کر گذرین گے، ہندوستان اور کانگرس مین بھی جس طرح روز بروز اشتراکیت واشتمالیت کے رجحانات اور ان کی جماعت ترقی کر رہی ہے، یقیناً اس کے دیکھتے ہوے یہان بھی دین ومذہب کو عزیز رکھنے والے ان خطرات سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہین، باقی اس سے قبل اگر صرف آزادی یا سوراج ہی کی طاقت ہندوؤن اور کانگرس کے ہاتھ مین آگئی، اس کی نسبت حضرت کی خانہ جنگی کی پشینگوئی تھی، اس کے آثار آج کتنے قریب[۱] ہین، فرماتے ہین کہ

"یہ سوراج سوراج ہانکتے پھرتے ہین، اگر اس مین خدا نخواستہ کامیابی ہوگئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائے گا، برادرانِ وطن اپنی رکیک حرکتون سے باز نہ آئین گے، مسلمانون مین اشتعال وجوش ہوگا، روزانہ قتال وجدال رہے گا ... حاصل یہ کہ مسلمانون کا کانگریس مین شرکت کرنا"

---

[۱] لکھتے وقت قریب تھے، اور چھپنے سے پہلے ہی کلکتہ اور بمبی وغیرہ کے واقعات نے اس پشینگوئی کو آنکھون کے سامنے کر دیا،

ہندوؤن کے ساتھ مل کر یا اُن کو ملا کر کام کرنا یہ اسلام اور مسلمانون کے لئے نہایت خطرناک بات ہے، وہ مسلمانون کے مذہبی شعائر کو ہندوستان مین باقی چھوڑنا نہین چاہتے، آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہین، کانپور وکشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھون کے سامنے ہین،

دفاتر وغیرہ اور چھوٹی چھوٹی ملازمتون تک کے معاملہ مین اُن کی رکیک حرکات اور تنگ دلیون کا جو حال ہے، وہ سابقہ پڑنے والے مسلمان ہی غریب جانتے ہین، آنحضرت سے بھی لوگ ان حالات کو بیان کرتے تھے، فرماتے ہین کہ

"ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے جو دفتر مین ملازم ہین، کہ ہندوؤن کی بدولت ہر محکمہ و دفتر مین مسلمانون کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیچارے لیڈرون یا اُن کے ہم خیال مولویون کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہین، غرض یہ مسلمانون کی جان و مال و ایمان سب کے دشمن ہین،"

بہرحال مسلمانون کی اصلی راہ تو وہی اپنے دین کو مضبوط کرنا خدا کو راضی کرنا اور جو کچھ بھی کرنا خالص رضائے حق کی نیت اور شریعت کے اصول وحدود کی حفاظت کیساتھ، اس کے بغیر سوراج یا ملکی آزادی کا اُن کے حق مین مفید ہونا دینی ودنیوی دونون اعتبار سے یقیناً مشتبہ ہے لیکن اس کی فکر نہ کانگرسی مسلمانون نے کی، نہ لیگی مسلمانون کو ہے، اور نہ بادب عرض ہے کہ اس کی فکر جمعیۃ العلما کو ہے، دوسری طرف یہ بھی یقینی ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانون کو ہوش مین آنے کی بہت مہلت دی، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غفلت کے لئے واقعات کو مزید انتظار کی اجازت نہ ملے گی، مگر جب بھی اُن کو ہوش آئے، اُن کی دنیا وآخرت دونون کی نجات خدا ہی کی طرف بھاگنے سے ہو سکتی ہے،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر تحریک خلافت مین سب سے آگے اور ہندوؤن کے ساتھ اور کانگرس مین شرکت کے روادار تھے، مگر دین اور دینی شعائر کی حفاظت کے معاملہ مین یہ نارواداری تھی، کہ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہین، کہ حضرت دیوبندی (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کو جو آلہ

بنایا جاتا ہے، تو کیا اُن کے یہ مقاصد تھے، !

"استغفر اللہ حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی کے ایک جلسۂ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا، لیکن حضرت بعض عذروں کی بنا پر تشریف نہ لیجا سکے، اور مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا، اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے، اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف و مداہنت کے ظاہر کردو اس وقت قربانی گاؤ کے بند کرنے پر زور دیا جارہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ (یہ مقاصد شریعت کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذراسی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کرسکتے، خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں، ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی، کرتے رہیں گے"،

اسی سلسلہ میں سلطان صلاح الدین کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

"مولانا (دیوبندی) تو بڑی چیز ہیں، سلاطین اسلام باوجودیکہ دنیادار کہلاتے ہیں، مگر اُن میں بھی جس کے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا، اُنھوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا، اس کی بھی پروا نہیں کی، کہ سلطنت رہے گی یا جائے گی،

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام فتح کیا، تو وزراء نے عرض کیا، کہ یہ نصرانیوں کا ملک ہے، نیا مفتوحہ ہے، اس ملک کے لوگ نہایت سرکش وسخت ہیں، اور اسلامی سیاسیات نرم ہیں، اس لئے ضرورت ہے، کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر کچھ اور قوانین بھی ان پر قابو رکھنے کے لئے نافذ کردیئے جائیں، تو زیادہ مناسب ہوگا، اس پر سلطان نے جو جواب دیا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے،

کہا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے، وہ حکومت وسلطنت کرنے کے لئے، میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب کوششیں کی ہیں، احکام اسلام ہی کو نافذ کروں گا، ملک رہے یا جائے، ایک حکم بھی خلاف اسلام نہ کروں گا، علماء اور لیڈر اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، ان حضرات کی کامیابی کے راز یہ تھے، اور یہاں یہ حال ہو کہ ملک ملنے سے پہلے ہی شریعت مقدسہ کی قطع وبرید

شروع کر دی، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"

یہ الافاضات الیومیہ حصہ اول ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ کے قریباً ۲۳ صفحات (از ص ۷۰ تا ۹۲) کے ایک طویل مکالمہ و ملفوظ کی ضروری تلخیص تھی، جس سے آج کل کی قومیات و سیاسیات سے متعلق حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدید و تحقیق کا بڑی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور جس کا حاصل یہ ہے کہ ان قومی یا سیاسی تحریکات کا نہ تو مقصود ہی دین ہے، اور نہ اُن کے طریقے ہی دینی ہیں، جو کچھ ہے، سب غیروں کا فروں اور مشرکوں کی تعلیم کی بُری بھلی نقالی ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان نہ ان میں کچھ کرنے کے کوئی معنی ہیں، اور نہ یہ شرکت شرعاً جائز ہے، اور نہ ان طریقوں سے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی کامیابی ممکن ہے، یہ تو اس باب میں تجدید کا سلبی یا منفی پہلو تھا، مثبت و ایجابی پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی دنیوی کامیابی کا انحصار اس پر ہے، کہ اُن کا نہ صرف مقصود ہی بالکلیہ دین اور رضائے حق ہو، بلکہ اس مقصود کے حصول کی تدابیر بھی بالکلیہ شریعت کے مقرر فرمودہ اصول و حدود کے تابع ہوں، نیز یہ کہ مسلمان سے مطالبہ بالذات "ایمان و عمل صالح" کا ہے، اور قومی و سیاسی ترقی یا حکومت و سلطنت اس کا ظل ہے، اور ظل کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت، وہ تو اصل کے ساتھ آپ ہی لگا رہتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا اٹل وعدہ ہے، کہ

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ"

یا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رنگ میں یوں کہو کہ حکومت و سلطنت مقصود نہیں موعود ہے"

راقم الحروف کو ایک مدت تک مولانا مودودی کی تحریک قیام حکومت الٰہیہ سے متعلق بہت خلجان رہا، ایک طرف تو اُن کا یہ دعوی اپنی جگہ بالکل درست تھا، کہ حکومت و سیاست کے جتنے موجودہ و رائج الوقت نظریات و نظامات ہیں، وہ خواہ بعض باتوں میں کچھ سطحی و ظاہری مماثلت ہو، لیکن اصولاً و حقیقۃً اسلامی حکومت و سیاست کے نقطۂ نظر کی بالکلیہ نفی و ضد ہے، کیونکہ یہ سارے نظریات و

نظامات حکومت کسی نہ کسی صورت میں انسان پر انسان ہی کی حاکمیت کے حق کو قائم رکھتے ہیں جس کی اسلام سرے سے نفی کرتا ہے[۵۱] اور انسان پر صرف احکم الحاکمین کے حکم و حاکمیت کو جائز رکھتا ہے، لہٰذا ان نظریات و نظامات کے ساتھ مسلمانوں کا تعاون بھی کسی طرح جائز نہیں[۵۲] لیکن دوسری طرف مولانائے موصوف نے حکومتِ الٰہیہ کے براہ راست قیام کی دعوت جو اس طرح دینا شروع فرما دی کہ گویا وہ مقصود بالذات ہے، اور اس کے قیام کے بغیر گویا مسلمان مسلمان ہی نہیں رہ سکتے، اور اس کے لئے ایک جماعت تک بنا ڈالی یہ راہ عمل کسی طرح حلق سے نہیں اترتی تھی،

جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور سوانح میں اس کی کوئی سند نہیں ملتی تھی، کہ انھوں نے اپنی بعثت کا مقصود یا اپنا کلمۂ دعوت براہ راست حکومتِ الٰہیہ کو قرار دیا ہو[۵۳] بلکہ حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ بعض انبیاء قیامت میں ایسے ہوں گے کہ جن کا ایک بھی متبع و امتی نہ ہوگا اور بعض کا صرف ایک ہی ہوگا، ظاہر ہے کہ اس سے نہ تو ایسے انبیاء علیہم السلام کے کمالِ نبوت میں کوئی کمی رہی، اور نہ اس ایک امتی کے کمالِ ایمان میں، پھر یہ اول دن ہی سے براہ راست رائج و قائم الوقت حکومت کو اعلانِ جنگ دینا، اور اس کے مدمقابل خود اپنے لئے حکومت و حاکمیت کا دعویٰ کر دینا تھا، جس کی بدولت ابتدا ہی سے گویا خود اپنی ہی طرف سے بعثت کے اصل مقصود یعنی توحید الٰہ (یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ) کی راہ میں پہاڑ کھڑا کر دینا اور دراصل طرح طرح کے فتنہ و فساد کو دعوت دینا ہوتا، کیونکہ پہلے ہی دن سے یہ سمجھ میں آنا عملاً ناممکن ہے کہ ہماری حکومت کو چھینکر اپنی نہیں بلکہ خدا کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں،

---

۵۱ یہ دعویٰ ہی مطلق صورت میں نہ نصوص شریعت کے مطابق ہے نہ عقل و تجربہ کے، اسلام نے مخلوق سے نفی تو صرف معبودیت، الوہیت، ربوبیت کی کی، نہ کہ مطلق حاکمیت کی عبدالماجد ۵۲ یہ دعویٰ بھی نظر ثانی کا بہت زیادہ محتاج ہے عبدالماجد
۵۳ بلکہ اس کے برعکس بعض انبیا نے تو نظامات باطل سے تعاون کیا ہے، عبدالماجد

باقی یون تو خود توحید کی دعوت کو قبول کر لینے کا لازمی نتیجہ ہی یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جب اور جس درجہ مین ممکن ہو گا اپنے اوپر سے اپنے جیسے انسانون کے حکم و حاکمیت کے جوے کو اتار پھینکے گا[۵] اور حکومت و حاکمیت کا نام لئے بغیر ہی جس دن توحید الٰہ یا لا الٰہ الا اللہ کی اصل دعوت کے گرد اولاً ایمان و عمل صالح سے اور ثانیاً وقت اور حالات کے مقتضیٰ کے بقدر ضرورت جنگ و مقابلہ کے ظاہری اسباب سے مسلح کوئی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو ظاہری حکومت کے سامان بھی نفس حکومت و سلطنت کے لئے نہین بلکہ اسی دعوتِ توحید کی خدمت و اعانت کے لئے، انشاء اللہ تعالیٰ فراہم ہو جائین گے، جیسا کہ خود اسلام کی تاریخ اسی طریق عمل کی شاہد و معلم ہے، اور پھر اس طریقہ سے وجود مین آنے والی حکومت و سلطنت کا بقا و عروج و زوال بھی اس جماعت کے ایمان و عمل صالح کے بقا اور ترقی و تنزل ہی کے ہم قدم ہو گا،

یہ باتین الحمد للہ سب سمجھ مین آتی تھین لیکن کوئی صاف و صریح نص سامنے نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ خلجان ضرور تھا، اور شرح صدر حاصل نہ تھا، اسی دوران مین غالباً اثنائے تلاوت مین اس آیت پر اللہ تعالیٰ نے متوجہ فرمایا، کہ

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ وَلَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا"

بس سارا خلجان کافور ہو گیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اسی وقت اور اسی نادان کے اطمینان قلب کے لئے نازل ہوئی ہے، غرض مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصل کام اور مقصود بالذات سلطنت و حکومت یا آج کل کی اصطلاح مین آزادی و خود مختاری کی فکر مین پڑنا نہین، بلکہ خود اپنے ایمان کو درست کرنا اور اعمال صالحہ کو اختیار کرنا یعنی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبون مین موجودہ قدرت و استطاعت کی حد تک پہلے مسلمانون کو خود اپنے تئین اصول و فروع مین احکامِ الٰہی کا محکوم بنا دینا ہے، پھر انشاء اللہ

---

[۵] صرف اسی حکم و حاکمیت کو جو توحید و طاعت الٰہی کی راہ مین حائل ہو گی، (عبد الماجد)

لیستخلفنّھم فی الارض یا ارضی خلافت وحکومت کا قطعی وعدہ پورا ہونے کے سامان غیب سے ظاہر ہو گئے

ثم الحمد للہ کہ اس کے بعد پھر خوب سمجھ مین آگیا، کہ مسلمانون کی راہِ عمل نہ جلسے اور جلوس ہین، نہ ہڑتال اور احتجاج، نہ ستیہ گرہ، اور مرن برت، نہ آئینی جد وجہد، اور نہ غیر آئینی مقابلہ، نہ رسائل واخبارات، نہ جماعت سازی اور کمیٹی بازی، ان کا صاف سیدھا ہموار، واستوار راستہ بس ایمان وعمل صالح ہے، اور جب اس راستے سے ہم خلافتِ ارضی کے صالح ہو جائین گے، تو اس کا وعدہ بھی قطعاً پورا ہو کر رہے گا، بلکہ ابھی تو جب تک ہمارا مقصود بھی غیرون کی طرح نفس حکومت ہی ہے، حکومت نہ عطا ہونا ہی عین حکمت ورحمت ہے ورنہ بجاے اس کے کہ ہم اس حکومت کو دین کے لئے استعمال کرین (جیسا کہ خود اس آیت ہی کے آخر مین مذکور ہے کہ وہ ہر طرح سے بے خوف و مامون ہو کر اصل مقصود یعنی میری بندگی مین لگ جائین، اور شرک کی آلائش کر اس طرح نکل جائین، کہ کسی شے کو بھی میرا شریک نہ بنائین) اسلئے قوی اندیشہ ہے، کہ ہم دنیا مین زیادہ غرق اور دین سے غافل ہو کر رہا سہا خدا ورسول کا جو کچھ نام زبان پر رہ گیا ہے، اس کو بھی خدانخواستہ چھوڑ بیٹھین، !

بھلا اس باب مین ایسی صاف وصریح نص سے حضرت مجدد وقت کی نظر کیسے محجوب رہ سکتی تھی، سو اب اسی مسلمانون کی ترقی کی بحث کے سلسلے مین خود حضرت کے ہان بھی اسی آیت کے استعمال کو دیکھ کر راقم الحروف کے اطمینان قلب پر مجدد وقت کی مہر توثیق لگ گئی، چنانچہ اس آیت کو نقل فرما کر فرماتے ہین کہ

"اس صاف ارشاد پر بھی نظر نہین، کس قدر صاف طریقہ سے ان عملون (یعنی اعمالِ صالحہ) کا خاصہ بیان فرمایا، اور پھر ترقی کا وعدہ بھی فرمایا ہے جس کے خلاف ہونے کا احتمال بھی نہین، کیا اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر ترقی کی ہو سکتی ہے، (اور سب سے بڑی ترقی آج کل حصول حکومت ہی کو سمجھا جاتا ہے، ناقل) جس کے ناکام ہونے کا بھی وہم نہ ہو، جس مین سو فی صدی کامیابی ہی

کامیابی ہے، خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس کے خلاف نہیں ہوگا، اس لئے اس تدبیر مین کامیابی بالکل یقینی ہے، (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص، ۲۹)

لیکن موجودہ قومیات وسیاسیات کے اکھاڑے مین کود کر خدا تعالیٰ کے اس حتمی وعدہ اور صدقی کامیابی والی تدبیر پر تو کیا نظر رہ سکتی، الٹے ہمارے اچھوا چھون تک کی غفلت ہی نہین، بلکہ جرأت و جسارت بعض دفعہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے، کہ رہے سہے ایمان کا بھی خدا ہی حافظ! ایک وعظ (تعظیم العلم) مین اس کی حضرت نے بڑی ہی عبرتناک مثال بیان فرمائی ہے، جس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، کہ اس حال مین قومی وسیاسی ترقی تو مسلمانون کو کیا نصیب ہوگی، بس اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھین فرماتے ہین، کہ

"بعض علماء سے آج کل کہا گیا کہ عوام بعض امور مین شریعت کی حد سے بہت دور نکل گئے ہین، اس کی روک تھام ہونی چاہئے، تو فرماتے ہین کہ میان جوش وخروش مین ایسا بھی ہو جاتا ہے، کچھ پروا نہین، اس وقت تو کام ہونے دو، پھر بعد مین مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اے صاحبو! آسمان نہین پھٹ جاتا، زمین نہین شق ہو جاتی، جب ایک عالم کی زبان سے ایسے بیہودہ کلمات نکلتے ہین، (ص ۵۵)

اصل یہ ہے کہ وہ زیادہ بے باک تھے، زبان تک پر ایسے بیہودہ کلمات آ گئے، ورنہ عام حال ان قومیات وسیاسیات مین پڑنے والون کا یہی دیکھا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، دل خدا کے خوف اور دین کی عظمت سے بالکل خالی ہو گئے ہین، (نعوذ باللہ من شرور انفسنا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا) آگے پھر اسی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ والی اصل اسلامی ودینی تدبیر پر توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ

"بس ساری تدبیرون کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کر لو، سب کام بن جائین گے، ذرا اس تدبیر کو اختیار کر کے تو دیکھو، اسی مین وعدہ ہے، مال وجاہ، عزت وشوکت سب کے حاصل ہونے کا،

(کیونکہ) اس آیت میں استخلاف فی الارض کا وعدہ ایمان و اعمال صالحہ ہی پہ مرتب فرمایا ہے۔"

لیکن مومن و کافر کی اس دنیاوی حکومت میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے، کافر کا مقصود تو اس حکومت سے خود حکومت اور دنیا ہی ہے، بخلاف اس کے

"مومن کے استخلاف فی الارض کی غایت بھی دین ہی فرمائی ہے، کہ یعبدونني ولا یشرکون بی شیئًا، یعنی یہ استخلاف فی الارض اس لئے ہے تاکہ وہ امن و اطمینان کے ساتھ میری عبادت و بندگی بجالائیں، اور کسی چیز کو بھی میرا شریک و سہیم نہ ٹھہرائیں) اس سے صاف معلوم ہوا کہ استخلاف فی الارض مقصود بالذات نہیں، بلکہ مقصود بالذات ایمان، اعمال صالحہ اور اتباع احکام ہے، اور سلطنت عطا فرمانے کا وعدہ اسی کے استحکام و حفاظت کے لئے ہے"،

تو بھلا یہ خلافت ارضی ایسے لوگوں کو اور ایسی راہوں اور تدبیروں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے، جن میں قدم قدم پر احکام الٰہی کی پیروی کے بجائے ان کی پامالی ہوتی ہو، اور جن کے اختیار کرنے والے مسلّم و متفق علیہ احکام و فرائض تک کی پروا نہیں کرتے، اور یہ مسلمان مولویوں کا حال سُنا تھا آگے مسلمان مسٹروں کے حال و نمونہ کا ایک ملفوظ سے اندازہ فرمائیے،

"اسی (تحریک خلافت) کے زمانے میں ایک علی گڈھ کا طالب علم آیا، جو عصر کے وقت آیا، مگر نماز نہیں پڑھی، اُس نے مجھ سے ترک موالات ہی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا، میں نے کہا کہ پہلے اپنی تو خبر لو، انگریزوں سے ترک موالات اس لئے کیا تھا کہ ترکوں سے لڑے، مگر نماز جو نہیں پڑھی تو خدا سے ترک موالات کیوں کیا؟ شاید اس لئے کہ اس نے انگریزوں کو غلبہ کیوں دیا"!

(الافاضات حصہ اول ص ۳۰)

یہ بھی حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی عملی تجدید و اصلاح ہی کا رنگ تھا کہ "پہلے اپنی خبر لو" (قوا انفسکم واھلیکم نارًا) کے لئے ٹوک تو دیا، ورنہ عام قومی و سیاسی علماء کا تو یہ رنگ دیکھا کہ دن رات قومیات و

سیاسیات مین کام کرنے والے اُن کے سامنے نمازین کھاتے رہین، مگر نرمی یا سختی سے کچھ تفہیم و تنبیہ کیا معنی "تغیر بالقلب" تک کا کوئی اظہار نہین ہوتا، نمازی و بے نمازی سب سے یکسان بشاشت کے ساتھ مجالست و مکالمت و مشاربت و مواکلت سب ہی کچھ جاری رہتی ہے، البتہ لیگ یا کانگریس کو ووٹ دینے نہ دینے پر گرماگرم گفتگو اور ناگواری سب ہی کچھ ظاہر ہوتی ہے!

نماز جیسی دین کی جڑ اور بنیاد کا تو ذکر ہی کیا حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک تو اعمال یا فروع ایمان مین کوتاہی کرنے والون کے ساتھ دوستی و بشاشت کا برتاؤ اقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ تواصی بالصبر کے وعظ مین فرماتے ہین، کہ

"ایسے شخص سے آپ کا دل کیونکر ملتا ہے، جو فروع ایمان مین ناقص ہے، اس سے بے تکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین، کہ جو کوئی تم مین سے امر منکر کو دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹائے، یا زبان سے یا دل سے، پھر یہ کیا غضب ہے، کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھکر نہ ہاتھ سے روکتے ہین، نہ زبان سے نہ دل سے نفرت کیجاتی ہے، بلکہ اعمال مین کوتاہی کرنے والون کے ساتھ وہی دوستی وہی بشاشت"

غرض قومیات و سیاسیات مین حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدید و اصلاح کا لُبِّ لُباب یہ ہے، کہ مسلمانون کی قومی و سیاسی ترقی و کامیابی کا بھی پہلا قدم اللہ و رسول سے موالات ہے، نہ کہ ہندوؤن سے موالات یا انگریزون سے ترک موالات!

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی   کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

ارشاد ہے کہ

"جن مصالح (حکومت و سیاست وغیرہا) کی وجہ سے احکام الٰہیہ کو پامال کر رہے ہو وہ مصالح بھی خود ان احکام ہی کی اتباع پر موقوف ہین، یاد رکھو مسلمانون کو ہرگز اس طرح فلاح نہیں ہو سکتی کہ

وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنا دیں، اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالیں، باقی کفار کی حالت دیکھ کر تم کو دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہیں، (جس کی وجوہ اوپر معلوم ہو چکیں)

اور پھر ایمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر خدا کو ناراض کرکے سلطنت و حکومت سب کچھ مل جائے تب بھی مومن ایسی سلطنت پر لات مار کر "پاخانہ اٹھانا" پسند کرے گا، جیسا پہلے یہ ارشاد مذکور ہو چکا کہ "خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جائے" (تنظیم العلم ص ۶)

ان اقتباسات بالا سے آج کل کی قومیات و سیاسیات کے باب میں حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی جو تجدید و تحقیق ہے، وہ قدرے تفصیل کے ساتھ واضح ہو گئی، نیز اسی سلسلہ میں اجمال کے ساتھ اصلاح کی حقیقی و عملی تجویز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہو کہ کم از کم دس سال کے لئے نام و نہاد قومی و سیاسی تحریکات بالکل بند کرکے ساری جد و جہد اور قوت و طاقت مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں صرف کی جائے، یعنی موجودہ غیر اسلامی ماحول و حکومت میں بھی، زیادہ سے زیادہ شریعت کے جتنے انفرادی و اجتماعی احکام کا اتباع ممکن ہے، مسلمانوں کو ان کا ہر ممکن تدبیر سے متبع بنایا جائے، اور یہ صرف عقائد و عبادات ہی کے احکام نہ ہوں، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت اور اخلاق، غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اصلاح اور کامل اسلام مد نظر ہو، کام صرف کمیت و تکثیر سے نہیں چلا کرتا، کیف و کمال زیادہ ضروری ہے اور الحمد للہ کہ ہر طرف سے لادینی کی فضا اور ناموافق حالات کے محیط ہونے کے باوجود آج بھی شریعت کے احکام و تعلیمات کے بیشتر بلکہ کہنا چاہئے کہ ننانوے فی صد حصہ پر عمل ہمارے اختیار و استطاعت میں ہے، جیسا کہ اصلاحِ انقلاب وغیرہ پر حضرت جامع المجددین کے جامع اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر گفتگو کے سلسلہ میں بار بار عرض کیا جا چکا، باقی اگر اس راہ میں کچھ تھوڑی بہت محنت و مشقت یا مالی و جاہ

ضرور پیش آئے، تو کیا جب ہم دنیا کی فانی عزت وراحت کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کی طلب مین اور دنیا کے مجازی حاکمون کی رضا وخوشنودی کے حصول مین اپنے سارے وجود و وقت کے ساتھ غرق ہین، اور اس راہ مین طرح طرح کی جسم وجان کی مشقتین اُٹھاتے ہین، تو پھر آخرت کی غیر فانی وابدی فلاح وراحت اور خدا ورسول کی رضا وخوشنودی کی خاطر اگر ہم اتنی بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم ہمت نہین رکھتے، تو اپنے ہی گریبان مین سر ڈال کر سوچنا چاہئے، کہ کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہین، ! کیونکہ مسلمان کے معنی اس کے سوا کچھ نہین، جو اپنے نفس اور ساری دنیا کے مقابلہ مین خدا ورسول کی اطاعت ورضا جوئی کا عہد باندھ چکا ہے، اس کے بعد ہم سے اگر ہمارا سب کچھ مانگ لیا جاتا تو بھی کچھ نہ تھا، لیکن دین کی تیسیر سہولت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد ہے، کہ فرمایا جاتا ہے "کہ بس کچھ تھوڑا سا تمھارا جان ومال وغیرہ کا امتحان ہوگا" (لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ الخ)

پھر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی تجدیدی نگاہ مین اس وقت کے حالات اور بالخصوص دین کے باب مین ہماری کمزوری وکم ہمتی پر نظر رکھکر اس تھوڑے سے امتحان کا درجہ بھی یہی ہے، کہ حکومتِ کافرہ تک سے نہ بالکلیہ کسی "ترک موالات" کو ضروری قرار دیا، نہ نوکریان ترک کرنے کو نہ عدالتین چھوڑنے کو نہ جیل جانے کو، نہ گولیان کھانے کو،[۱] البتہ نوکریون مین کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے، کہ اگر کوئی اور صورت معاش کی نہین تو تعلیمات وغیرہ کی ویسی نوکریان کرو، جن مین عدالتی عہدون وغیرہ کی طرح شریعت کے احکام کی صراحۃً مخالفت نہ کرنا پڑے، بلکہ اگر اتفاق سے کسی ایسی ملازمت مین بھی مبتلا ہو، اور کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کرکے اور زیادہ مفاسد مین پڑجاؤگے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل نہین، اس کی پریشانیون مین پڑکر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزہ کے فرائض سے تبدیل ہونے کا ڈر ہو، (کاد الفقر یکون کفراً) تو ایسی صورت مین جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو

---

[۱] یہ سب بجائے خود بالکل درست ہے لیکن ان الحکم الا للہ کی مودودی تشریح وتفسیر کے بالکل منافی (عبد الماجد)

ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے اور استغفار کرتے رہو، ساتھ ہی اس کی پوری کوشش کرتے رہو، کہ جلد از جلد اس سے نجات ہو، خواہ اس کوشش مین زندگی بھر کامیابی نہ ہو، مگر کوشش کا حق ادا ہو، محض کوشش کا نام نہ ہو، اسی طرح اگر دیکھتے ہو کہ کوئی ایسا مالی و جانی مقصد یا ناقابل تحمل ضرر پہنچ رہا ہے جس کے رفع کے لئے عدالتی چارہ جوئی سے چارہ نہین تو اس مین بھی مضائقہ نہین، فقہار نے ایسی صورتون مین رفع ظلم اور حصول حق کے لئے رشوت تک کی اجازت دی ہے، اتنی سہولت و رعایت پر بھی اگر دین و شریعت کی پیروی و اطاعت سے گریز ہے، تو پھر دین کا نام ہی کیون لیتے ہو،

چون بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

آج کل پڑوس مین ایک بڑے عہدہ دار مقیم ہین، یون بیچارے نیک ہین، بہر حال بڑے عہدہ دار ہین، اُن کا تو ذکر ہی کیا اُن کے نوکرون چاکرون سے کبھی نماز اور مسجد کے لئے کہتا ہون جو قریب ہی ہے تو طرح طرح کے بہانے کرتے ہین، پھر کہتا ہون کہ اچھا اگر پانچ روپیہ مہینہ دیا کرون کہ پانچ وقت مسجد جا کر نماز پڑھ لیا کرو تو اقرار کر لیتے ہین کہ ہان صاحب تب تو ضرور جائین گے، سمجھاتا ہون، اور کہتا ہون کہ بھائی جب تمھارے نزدیک مہینہ بھر کی ڈیڑھ سو نمازون کی قیمت پانچ روپیہ یا ایک وقت کی نماز کی قیمت گویا دو پیسہ بھی نہین تو پھر سمجھ لو کہ تم کتنے اور کیسے مسلمان ہو، بیچارے غنیمت ہے شرما جاتے اور بعضے کچھ ہان ہون بھی کر دیتے ہیں مگر اس سے آگے کچھ نہین، ا

غرض آج کی اصطلاح مین یون کہو کہ یہ دس سالہ "منصوبہ بندی" حضرت نے پہلے مسلمانون کی اسی شدید دینی بےحسی و بےپروائی کو دور کرنے کے لئے تجویز فرمائی ہے تاکہ اُن کے اندر دین کی طلب و رغبت اور زندگی کے تمام شعبون مین احکام دین کی اطاعت کا اہتمام از سر نو زندہ ہو، جو ان کی ساری قومیات و سیاسیات کی جڑ ہے، بلکہ یہی اُن کی عین قومیت و سیاست سب کچھ ہے، جب تک یہ جڑ از سر نو ہری نہین ہوتی، نہ صرف دینی بلکہ کسی قسم کے دنیوی ترقی کے ثمرات بھی مسلمانون کو نصیب نہین ہو سکتے، مسلمانون

کی قومی وسیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ دینی ترقی کے تابع ہے، اس پر حضرت کو اتنا اذعان واصرار ہے کہ "تم دنیا ہی کی ترقی کے لئے اور دوسری تدابیر کی طرح بطور ایک تدبیر ہی کے اُس کو ایک دفعہ آزما تو دیکھو" دنیوی ترقی کے پیچھے جان دینے والے مسلمانوں کو اس دنیا طلب دور کے مجدد کی طرف سے جب اس تک کی اجازت ہے، کہ تم دنیا ہی کے لئے دین کو ایک مرتبہ اختیار کر دیکھو تو پھر اس سے زیادہ اتمام حجت کے لئے کیا چاہیئے مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسلمان کسی نہ کسی راہ سے دین کو پکڑ لیں پھر اُس کی ذات میں تو وہ محبوبیت وکشش ہے کہ اس کا ذوق شناس ساری دنیا کی ترقی اور ہفت اقلیم کی سلطنت لے کر بھی دین کے باغ کا ایک تنکا دینا گوارا نہ کرے گا،

گر ز باغِ دل خلالے کم بود
بر دلِ سالک ہزاران غم بود

مسلم لیگ صوبوں کی گروہ بندی کا سراب دیکھ کر دوڑ پڑی کہ بس اب دس سال میں پاکستان حاصل ہوتا ہے، لیکن اس سراب کے قریب جاکر کیا پایا، کاش یہ مسلم لیگ مسلمانوں کے الد الخصام تھپڑوں سے سرمایہ نے اور اسلام کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے اور اُن سے معاملہ کرنے کے بجائے ایک مرتبہ اسلام کے خدا پر صرف دس سال ہی کے لئے بھروسہ اور اُس سے معاملہ کرکے آزما دیکھتی کہ کیا ہوتا ہے![1]

لیکن حضرت کی تجدیدی وایمانی فراست نے اندازہ فرمالیا تھا، کہ مسلمانوں کے اندر اب کسی بڑے مرکز کے گرد خصوصاً دین کے نام سے جمع ہونے کے آثار نہیں، اور نہ ان میں اجتماعی راہ سے کام کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے، شاید اسی لئے اس دس سال کے خیال یا امید کی مرکزیت کی بھی بس اس ایک ذرہ اشارہ سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں ملتی، تبلیغ جیسے خالص دینی کام کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کہ

---

[1] یہاں یہ تصریح ضروری تھی کہ ہر حال میں اور سارے سیاسی اداروں سے مسلم لیگ ہی کی روش حضرتؒ کے مسلک سے اقرب تھی، (عبد الماجد)

"کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے ہی گھر کا راز کھلتا ہے آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے، جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا، ہم نے اپنی حالت سے دوسروں کو دکھلا دیا ہے، کہ ہم میں اجتماع کے ساتھ کام کرنے کی بالکل قابلیت نہیں"۔ (تواصی بالحق ص ۴۲)

بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے اجتماعی کاموں میں کام بہت کم مقصود ہوتا ہے، زیادہ تر نام و نمود کی خواہش، ریا اور نمائش ہی ہوتی ہے،

"کچھ ایسا مذاق بدلا ہوا ہے کہ اظہار و اشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ یہ بہت کام کرتا ہے، اُس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو، فارجوہ تو اس سے امید رکھو، انشاء اللہ کامیاب ہوگا، (ص ۴۳ تواصی بالحق)

یہ اعتدال اجتماعی کاموں میں بالخصوص جب ہی ممکن ہے، کہ کام کے لئے جمع ہونے والوں میں عقل و فہم کے ساتھ دین و اخلاص بھی جمع ہو جس کا آج کل ہم میں قحط اور نفس و نفسانیت کا زور ہے، اس لئے اب حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ امیر و امارت یا کسی بڑے مرکز و مرکزیت کے بجائے انفرادی طریق کار کو زیادہ پسند فرماتے تھے، یا اجتماعی صورت ہو تو وہ بھی مختصر اور آج کل کے اشتہاری و نمائشی طریقوں کے بغیر،

"بس جس سے جتنا ہو سکے اللہ کا نام لے کر شروع کر دے، نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سکریٹری کی بس دو چار پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکیں کام شروع کر دیں، اور کوئی متفق نہ ہو سکے، تو تم اکیلے ہی شروع کر دو، گاؤں والوں کو کلمہ پڑھا دینا، نماز سکھلا دینا تو ایسا کام ہے کہ جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کر سکتا ہے، ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو (ص ۴۳ تواصی بالحق)

اور ہر چند کہ ایک مرکز کا سب کو تابع ہونا بہت اچھا ہے، مگر آج کل دشواری تو یہی ہے کہ مرکز کس کو بنایا جائے....... اس لئے کسی مرکز یا انجمن کے تابع ہو کر کام کرنا آج کل دشوار ہے بس سہل صورت یہ ہو کہ ہر ضلع کے مسلمان باہم مل کر ایک مُبلّغ اپنے لئے مقرر کر لین، جس کی تنخواہ خود دیا کرین، اگر ضرورت کا احساس اور اس کی فکر ہو جائے تو یہ کوئی مشکل کام نہین،..... البتہ اتنی ضرورت پھر بھی ہو گی، کہ مُبلّغ کی تجویز اور راہِ عمل کی تحقیق کے لئے کسی ایک عالم کو مشورہ کے لئے منتخب کر لو، اُسی کے مشورہ سے مبلّغ رکھو، اور اُسی کی راے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کرو"

غرض حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک چونکہ ہمیشہ اور خصوصًا اس وقت سب سے ضروری و مقدم کام تبلیغ ہی ہے یعنی مسلمانون کو مسلمان بنانے کی فکر، قومی و سیاسی ترقی وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو اس کا بھی مسلمانون کے لئے واحد راستہ یہی ہے، کہ وہ اپنے ایمان وعمل ظاہر و باطن مین پورے پورے مسلمان بن جائین، اس لئے دعوت و تبلیغ دین کی عام و خاص انفرادی و اجتماعی تمام ماثور و ممکن صورتون کی طرف کثرت سے مواعظ وغیرہ مین متوجہ فرمایا ہے، جس کی تفصیل اوپر **تعلیم و تبلیغ** کے باب مین گذر چکی، اور اگر مسلمانون کو مسلمان بنانا ہے، اور قومی و سیاسی ترقیان جو کچھ بھی کرنا کرانا ہین مسلمان رہ کر کرنا کرانا ہین، بالفاظ دیگر ہر طرح مسلمان ہی رہ کر جینا مرنا ہے، تو سب سے پہلے سارے مسلمانون کی دینی اصلاح و تجدید کے اسی ہدایت نامہ یا پروگرام کو پکڑنا اور پھیلانا چاہئے، جو حضرت جامع المجددین نے پوری جامعیت کے ساتھ اس باب مین ہماری کامل رہنمائی کے لئے چھوڑا ہے، اور جس کو راقم الحروف نے اوپر **تعلیم و تبلیغ** کے عنوان کے تحت اس طرح پیش کرنے کی سعی کی کہ تمام اجزا بیک نظر سامنے آجائین۔

(باقی)

لغاتِ جدیدہ

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

چلپی عبد اللہ عبد اللہ نام چلپی غالباً لقب یا خاندانی نسبت تھی، شاہجہاں کے زمانہ میں روم[1] سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے[2]

ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصاً صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی، تصوف و حکمت میں کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"از علوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ تمام داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیۂ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ .... در علوم تصوف و حکمت تو الیف رائقہ و تصانیف لائقہ دار (ص۸۳)

ملا سعد اللہ کو جو عالمگیر کے مقربین میں تھے ان سے بڑا تعلق تھا، غالباً انہی کے ذریعہ دربار میں پہونچے، اور فتاویٰ عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا[3]، تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"در چلپی عبد اللہ بترجمۂ آں (فتاویٰ عالمگیری) مامور بود[4]"

عالمگیری کا مترجم کون تھا؟ اس بارہ میں کہ فتاویٰ عالمگیری کا فارسی مترجم کون تھا؟ ارباب تذکرہ کے

---

[1] روم سے مراد ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے، [2] فرحۃ الناظرین ص۸۳ [3] مراۃ العالم قلمی نسخہ ص۲۷۳،

[4] قلمی نسخہ دار المصنفین نقل از نسخہ خدا بخش خان لائبریری، پٹنہ

بیانات مختلف ہیں، تبصرۃ الناظرین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم چلپی عبداللہ تھے جو ترکی سے آئے تھے فرحۃ الناظرین میں صرف اتنا ہے،

(چلپی عبداللہ) در نوشتن فتاوی شامل حال و مامور بود (ص۲۵۰)

بختاور خاں کا بیان ہے کہ فتاوی کے ترجمہ کے لئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے چلپی (صحیح ملا) عبداللہ مقرر ہوئے تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"چلپی عبداللہ خلف ارشد قدوہ فضلائے نامدار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی با چند تلامذہ مترجم نوشتن این کتاب بفارسی مامور ہست (مراۃ العالم ص۲۷۰)

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبداللہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ نہیں، بلکہ چلپی عبداللہ ترکی تھے،

عالمگیر کے دربار میں عبداللہ نام کے دو عالم تھے، ایک ملا عبداللہ اور دوسرے چلپی عبداللہ کے نام سے مشہور تھے، صاحب مراۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبداللہ کو ملا عبداللہ سمجھ کر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاوی کا مترجم قرار دیدیا، اور ان کے نام کے آگے چلپی کی نسبت رہنے دی، حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبدالحکیم کے صاحبزادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علما منسوب ہیں، کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں، ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آتا،

ملا عبداللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ مراۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات درج ہیں، جب کہ ملا عبداللہ سیالکوٹی اس وقت تک دربار شاہی سے منسلک بھی نہ ہوئے تھے، بلکہ اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۸۶ھ میں دربار سے

ان کا تعلق ہوا اور فتاوی عالمگیری کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا[1]، صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۹۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے،

"(مولوی عبد اللہ) ہنوز ملازمت عالی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، قبلۂ عالم نے حسن ابدال سے ان کے نام پیام شوق روانہ فرمایا، کہ جہاں پناہ کے لاہور پہونچنے پر فاضل مذکور اپنے وطن سے روانہ ہو کر اس شہر میں بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں، مولوی عبد اللہ لشکر شاہی کے ورود سے دو تین روز پیشتر ہی لاہور پہنچ گئے تھے، مولوی مذکور چند مرتبہ خدمت شاہی میں حاضر ہو کر صحبت فیض اثر سے بہرہ اندوز ہوئے، بادشاہ علم پرور نے فاضل سیالکوٹی کو خلعت خاص اور دو سو اشرفیاں مادۂ فیل عطا فرما کر ان کو وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی،" (ص۱۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ چلپی عبد اللہ ترکی تھے،

سید علی اکبر سعد اللہ خانی[2] غالباً دلی کے باشندے تھے، عقلی علوم میں انھیں کافی دستگاہ تھی خصوصیت سے علم دانائی (فقہ) میں یکتائے روزگار تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

اکثر فنون دانش ورزیدہ و برغوامض و دقائق علوم آگہی داشت وسیما درفقہ (ص۸۳)

مجبوب الالباب میں ہے،

"دراکثر فنون مہارتے کامل داشت علم فقہ نیک می دانست"

سعد اللہ خان[3] کے خاص ہمنشینوں اور ہم جلیسوں میں تھے، ان کا زیادہ وقت سعد اللہ خاں ہی کے پاس گذرتا، اسی تعلق سے وہ سعد اللہ خانی مشہور ہو گئے تھے، سعد اللہ کے ایک لڑکے لطف اللہ خاں

---

[1] خود مراۃ العالم کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۹۶ھ سے پہلے فتاوی کے ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا،

[2] عالمگیر کے دربار کا بڑا مقبول امیر تھا، مآثر الامراء میں اس کا تذکرہ موجود ہے جملۃ الملک اس کا خطاب تھا،

کی تعلیم و تربیت بھی انہی کی نگرانی میں ہوئی، لطیف اللہ نے آپ کے فیضِ صحبت سے علوم میں اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی،

غالباً سعد اللہ خاں ہی کے واسطے سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی، اور فتاوی کی تالیف میں شریک کئے گئے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"بتالیف فتاویٰ عالمگیری مامور شدہ بعنایت خلیفۂ رحمانی امتیاز داشت،" (ص۴۵)

مآثر عالمگیری نے ۱۰۹۰ھ کے واقعات کی ضمن میں سید علی اکبر قاضی کا ذکر کیا ہے، اگر یہ سید علی اکبر یہی مولف فتاویٰ ہیں تو صاحب مآثر کے بیان کے مطابق وہ لاہور کے قاضی بھی رہ چکے تھے، اور وہیں امیر قوام الدین ناظم لاہور کی سازش سے قتل ہوئے، ان کے قتل کا مقدمہ چلا، اس سلسلہ میں امیر قوام الدین کو لاہور کی نظامت سے برطرف کرکے عدالت شاہی میں لایا گیا، مگر ان کے صاحبزادہ نے قوام الدین کے اعزہ و اقارب کی سفارش سے قصاص معاف کردیا، اور وہ رہا ہوگیا،[۱]

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادے بھی تھے،

سید نظام الدین ٹھٹھوی | شہر ٹھٹھہ (سندھ) اصلی وطن تھا، فقہ میں کافی دستگاہ تھی، اسی علم و دانائی (فقہ) نے انھیں دربار شاہی میں پہونچایا، اور وہاں مختلف مناصب پر مامور رہے، اور دوسرے علماء کے ساتھ انھوں نے بھی فتاویٰ کی تالیف میں حصہ لیا، تذکرہ علمائے ہند کے علاوہ کسی اور تذکرہ میں ان کا حال نہ مل سکا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے،

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ اوفق انام ودر علوم اعلم کرام برآمدہ بجذبۂ طبع گرائیدہ سوی شاہجہاں آباد شتافت ودر تالیف فتاوی عالمگیری بے مشکلات حل کردہ،" (ص۲۴۵)

قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی | آپ شہر ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے، آپ کی زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہوسکے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

---

[۱] مآثر عالمگیری ص۱۳۱،

"در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور مآخذ فقہ پر پوری نظر رکھتے تھے۔

جلال الدین محمد | مچھلی شہر ضلع جون پور کے باشندے تھے، آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی ثناء الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض علماء میں تھے مل جاتا ہے،

آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی خصوصیت سے فقہ و حدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"فاما در فقہ و حدیث بزمان او نظیرش نمیتوان یافت،، (ص ۱۲۱)

درس و تدریس | آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا اور ہزاروں تشنگان علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، مشاہیر جون پور میں ہے،

"مشغلۂ درس و تدریس مادام الحیات مرعی داشت، اکثری فضلاے ایام با و پیوستند و گلہاے فیض فراواں چیدند،" (ص ۱۲۱)

عالمگیر کو جب آپ کے علم و فضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلا کر شاہی دربار کے علما میں شامل کیا،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصۂ اوّل کی تالیف آپ کے سپرد ہوئی، مشاہیر جون پور میں ہے،

از تصنیفات و تالیفاتش فتاویٰ عالمگیریہ حصۂ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمود،، (ص ۱۲۲)

وفات | سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے۔

"قبرش در قصبہ مچھلی شہر جانب جنوب بر سرحد موضع اودیا پور است (ص ۱۳۳)

ملا حامد جونپوری حامد نام، جون پور وطن تھا، عنفوانِ شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلی[1] کی خدمت میں پہونچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے اور بعض کتابیں اسی عہد کے ایک اور صاحب علم دانشمند خاں[2] سے پڑھیں، تکمیل تعلیم کے بعد شاہی دربار کے ان علماء کے زمرہ میں لے لئے گئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا[3]،

شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر سریر آرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور منصب کو برقرار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم و تربیت انہی کے سپرد ہوئی، اور فتاویٰ کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در عہد عالمگیر داخل مؤلفین فتاوی شد، (ص ۲۶۴)

ارباب تذکرہ نے زمانۂ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے[4]،

شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے، علم و فن میں تبحر کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے[5]، دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور ہوئے، فتاویٰ عالمگیری کی

---

[1] منطق میں میر زاہد انہی کی تصنیف ہے [2] وزیر امور ممالک غیر تھے [3] فرحۃ الناظرین تذکرہ علمائے ہند [4] صاحب مشاہیر جونپور نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اسکے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں دلی سے جونپور واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی، انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، جونپور کا ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے، شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شاہزادہ اکبر کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر سے مراد شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے تو یہ ملا حامد دوسرے تھے اور اگر اس سے مراد عالمگیر کا لڑکا اکبر ہے تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن صاحب مشاہیر نے فتاوی کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچ یک نسخہ از تصنیفات شاں شہرتے نہ دارد" (ص ۹۳)

[5] ترجمہ مآثر عالمگیری (ص ۴۲)

کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی، اس کے معاوضہ میں دربار شاہی سے تین روپیہ یومیہ ان کو ملتے تھے، مآثر عالمگیری میں ہے،

"شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے شرفا میں سے تھے، یہ فاضل مؤلفین فتاویٰ عالمگیری میں شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی، (ص ۶۲)

مولانا محمد شفیع | مولانا محمد شفیع اور ان کے خاندان کے تین اور عالموں کے حالات جو فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے زیادہ تر سید طہٰ صاحب کے مضمون "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" سے ماخوذ ہیں،

مولانا محمد شفیع عہد عالمگیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے، عالمگیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، شجرۃ الاصل النورانیہ میں ہے[1]

"مولانا ے ما اشتہار عام دارند پادشاہ عالمگیر رجوع باو داشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند"،

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے، جدی وطن بغداد تھا، ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کرکے غزنی، وہاں سے سرہند پھر دہلی اس کے بعد بہار آئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی، ان کے خاندان کے بعض لوگ اب تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں،

"ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت و سفر و مخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع قدس اللہ سرہم القدسی دریں علاقہ بہار رسیدہ بودند و اصل ایشاں از سرہند بود، چنانچہ ہم بتحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد و بغزنی نزول فرمودند و از آنجا بسرہند و از آنجا بہ دہلی و از آنجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی"[2]

---

[1] یہ کتاب آج سے ساٹھ برس قبل کی تصنیف ہے، اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے، [2] شجرۃ الاصل النورانیہ

سنہ ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی، البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیران محی الدین قلندری کی خدمت میں کی،

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے، مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے،

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق .... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شد"

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی، خاندان والے ان کے سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے، کہ ان کی تاریخ وفات ۱۱ شوال ہے، ملفوظات گنج رشیدی اور سند شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے،

"ملا محمد شفیع ساکن استھوا کہ عمر یک صد و یک سالہ داشتہ اند"

سند شاہی کی عبارت یہ ہے،

"رمضان سنہ ۱۶ جلوس (۱۰۸۴ھ) مکرر بعرض رسید"

آپ کی اولاد میں قاضی بدیع الزمان بڑے پایہ کے عالم تھے،

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں اور ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا، پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو تیس بگھہ اراضی پرگنہ نوکری میں دیدی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے، جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے،

"شرح یادداشت واقعہ درسنہ بست وہشتم شہر رجب ۱۰۸۵ھ جلوس والا موافق ۱۰۸۳ھ

برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل مرحمت

شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضوی خان و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ

میرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلیٰ رسید کہ بموجب فرمان والاشان سعادت لسان مرقوم

تاریخ ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰۸۰ھ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ ... بطریق یومیہ ہر سال

ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بہمراہی شیخ

وجیہ الرب مرحوم در وجہ مدد معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود و تا فی الحال در حکم

علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ، مشارٌ الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، و جمع کثیر وابستہ دارد

امیدوار است کہ حکم جہاں مطاع عالم مطیع صادر شد کہ موازی یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق

زراعت خارج جمع از اوکری سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم واگر

در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند. واقعہ ۲ جمادی الاولیٰ

۱۰۸۵ھ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح بہ خط سیادت و نقاہت پناہ شرافت

و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضوی خان کہ داخل واقعہ نمایند، شرح بخط واقعہ نویس

مطابق واقعہ است. شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب

آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت

دستگاہ شایستۂ انواع عنایات ... سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسد خاں

کہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ ..... رمضان ۱۶ سنہ

جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک کہ

فرمان عالیشان قلمی نمایند، از ربیع اوائل شرح ۱۰۰ یومیہ بموجب فرمان عالیشان بنام محمد شفیع

بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری مقرر بود، بعہدہ دریں ولا از پرگنہ اوکری سرکار وصوبہ بہار مرحمت شد"

ملا وجیہ الرب آپ کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، فرمان شاہی کی اس عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی معنوی کے ساتھ یہ بھی فتاوی کی تالیف میں شریک تھے، اور دربار کی طرف سے انکو بھی وظیفہ ملتا تھا،

"بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود۔"

مولانا محمد فائق | مولانا محمد شفیع کے صاحبزادے قاضی بدیع الزماں کے خسر اور فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے، اس کے عوض میں دربار سے ۲/۱ یومیہ وظیفہ ملتا تھا، پھر بعد میں کچھ زمین جاگیر میں دیدی گئی جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز جمعہ ششم شہر ذیقعدہ ۲۶ جلوس والا موافق ۱۰۹۴ھ مبلغ دو ونیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت از پرگنہ اکل سرکار وصوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم۔"

ملا محمد اکرم | مولانا محمد فائق کے ساتھ یہ بھی فتاوی کی جمع و ترتیب میں شریک تھے اور انکو بھی دربار شاہی سے یومیہ وظیفہ ملتا تھا

"مبلغ دو ونیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا اکرم در وجہ معاش۔۔۔۔ بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری۔"

دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے ۱۱۰۹ھ میں اردوئے معلیٰ کے قاضی ملا عبد اللہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا، مآثر عالمگیری میں ہے،

"قاضی عبد اللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیر باد کہا ان کے بجائے محمد اکرم جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، اردوئے معلیٰ کی خدمت قضا پر حضور پر نور میں طلب فرمائے گئے۔" (ص ۲۸۱)

خاتمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

بعد الحمد والصلوٰۃ، "معارف نمبر ۶ بابت دسمبر سنہ ۴۲ء میں میرے محترم بزرگ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے عنوانِ بالا کے تحت چند سطور سپرد قلم فرما کر بندہ ناچیز کو یاد فرمایا ہے، ؎

اے یاد آمدنت باعثِ آبادی ما

جواباً گذارش ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی، ان اقوام کو جو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لی جائیں، میں اس لئے ناجائز کہہ رہا ہوں کہ اُن کی حیثیت ہندوستان میں متلصص یا اسیر (جاسوس اور قیدی) کی نہیں، بلکہ اُن کی حیثیت مصالح اور مستامن کی ہے جن کے حق میں نفوس اہلِ حرب باتفاق معصوم ہو جاتے ہیں، اور جس کی جان معصوم ہو میرے نزدیک اس کا مال بھی معصوم ہے، اور مالِ معصوم کو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لینا حرام ہے، گو باہمی رضامندی کے ساتھ ہی ہو پس مجھے جناب والا کا یہ مقدمہ مسلم نہیں، کہ

"شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مُباح کر چکی ہے"

اور دوسرا مقدمہ کہ

"حکومت کا قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے"

تنہا بدون پہلے مقدمہ کے کافی نہیں، کیونکہ قانونِ وقت تو طوائف کی اجرت زنا واجرت غنا

کو بھی جائز قرار دیتا ہے، اور اس کے حکام اس کی ڈگریاں بھی دیتے ہیں، مگر کوئی بھی اس کو وجہ جواز قرار نہیں دیسکتا، کیونکہ قانون شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی اور عقد ربا کا گناہ زنا وغنا سے کم نہیں، نہ اس سے حاصل کیا ہوا مال حرمت میں مال زنا سے کچھ کم پس جب تک یہ مقدمہ ثابت نہ ہو، کہ مصالح و مستامن کے حق میں اموال اہل حرب معصوم نہیں، بلکہ مباح ہیں، اس وقت تک اس کو متلصص یا اسیر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جس کے حق میں نہ نفوس اہل حرب معصوم ہیں، نہ اُن کے اموال، بندہ نے اپنے مضمون میں اس مقدمہ پر تفصیل کے ساتھ پوری روشنی ڈال دی ہے کہ جن لوگوں کے نفوس معصوم ہیں، اُن کے اموال بھی معصوم ہونے چاہئیں، قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے اس تلازم کی نفی نہیں ہوتی، علامہ سرخسی کا متامن ومصالح کے حق میں نفوس اہل حرب کو معصوم مان کر اموال کو غیر معصوم ومباح قرار دینا محتاج دلیل ہے، جو اب تک میری نظر سے نہیں گذری مولانا ئے محترم جس وقت بھی اس کی کوئی واضح قطعی دلیل قرآن وحدیث سے پیش فرمادیں گے، اسی وقت ساری نزاع ختم ہو جائے گی اور اگر وہ یہی فرمادیں کہ اُن کے فتوی کا مدار صرف فقہ حنفی کے ایک قول پر ہے، دلائل قرآن وحدیث پر نہیں، تب بھی مجھے کوئی اختلاف نہ ہوگا، گو میرے نزدیک اس باب میں فقہ حنفی کا یہ قول قوی نہیں، بلکہ امام ابو یوسف کا قول قوی ہے، جو ظاہر قرآن وحدیث کے موافق اور جمہور امت کے قول سے مؤید ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

"نزہتہ الارواح" کا مکمل نسخہ

از

جناب حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی، سیالکوٹ

معارف نمبر ۴ جلد ۵۰ مین مولوی عبدالحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ایک تبصرہ کتاب نزہتہ الارواح پر شائع ہوا تھا، پھر معارف نمبر ۶ جلد ۵۰ مین زاد المسافرین اور نزہتہ الارواح پر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے بعنوان دو کمیاب کتابین کے عنوان سے مزید گفتگو کی ہے، اتفاق کی بات ان دونون ارباب ذوق کے پیش نظر کتاب مذکور کے نامکمل نسخے تھے چنانچہ اوّل الذکر فرماتے ہین،

"کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے، تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہین"

پھر ثانی الذکر جناب سید صاحب کا ارشاد ہے:-

میرے لئے رنج دہ بات سب سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے اوراق آخر مین غائب ہین حتی کہ مصنف کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان علام نے نقل فرمایا ہے، وہ بھی اس نسخہ مین باقی نہین، اس نسخہ کے فصل بست و ہشتم کے دو صفحے پورے کر کے لکھا ہے،" چون شیخ بقصد رسید الی قولہ ماندگا نزار (باقی مفقود) ہ"

میرے پاس نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ موجود ہے، اور وہ قلمی کے بجائے مطبوعہ ہے، یہ نسخہ مطبع عزیزی مین طبع ہوا ہے، سنہ طبع مکتوب نہین، کاغذ زرد ہے، خط نہ بہت صاف اور نہ زیادہ خراب، حاشیہ مین مغلق الفاظ اور عربی اشعار کا ترجمہ درج ہے، کتاب مین ۲۸ فصلین ہین، جو ۶۰ صفحات مین ہین، اور اختتام کتاب

کی عبارت وہی ہے جو مولوی عبدالحمید خان صاحب نے محولہ بالا معارف میں نقل کی ہے،

ابتدا عربی خطبہ حمد وصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اور

قال سیدنا ومولانا الشیخ الاجل الیٰ قولہ رکن الحق والدین حسین

بن عالم ابی الحسن الحسینی الخ

کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ خطبہ الحاقی ہے، شاید ان کے کسی تلمیذ نے لکھا ہو،

خطبہ کے بعد یہ نظم ہے،

توفیقش چو دیدم روشن آواز — سخن را ہم بنامش کردم آغاز

بگو اے مرغ زیرک حمد مولیٰ — کہ ہست او را سپاس و منت اولیٰ

جناب سید مقبول صمدنی صاحب نے لکھا ہے کہ فصل بست وہشتم الخ یہ صحیح نہیں ہے، میں نے ان کی منقولہ عبارت کا مقابلہ کتاب سے کیا ہے، تو منقولہ عبارت فصل بست وہفتم کے ڈیڑھ صفحہ کے بعد مجھے ملی جس کے آگے یوں ہے،

"گفت اے کرامت یار ماندگان را دستگیر وا ے لطف ازدست رفتگان، الخ"

اگر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی اگر اپنا پتہ بھیجیں تو بقیہ صفحات ان کو بھیج دوں گا،

سیرت عائشہ رضؓ

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات،

قیمت سے ، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

استفسار و جواب

"پٹھان" اور "مغل" کی وجہ تسمیہ

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق، دریاباد ضلع بارہ بنکی } صدق میں ایک سوال نامہ آیا ہوا ہے:۔ مجھے عرصہ سے مغل اور پٹھان کی تحقیق کی ضرورت تھی بعضوں کا خیال ہے کہ جن مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، اُن کو فتح خان یا فتحان کہتے تھے یہی رفتہ رفتہ پٹھان ہو گیا، بہر حال سوال یہ ہے کہ ان دونوں قوموں کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور ان کا سلسلۂ نسب کیا ہے، ؟" جواب ان کا خواہ معارف ہی میں نکلے، خواہ صدق کے لئے الگ آجائے، بہر حال مجھے اطلاع جلد مل جائے تو بہتر ہے"۔

معارف، گرامی نامہ سے سرفراز ہوا، مدت کے بعد جناب والا نے یاد فرمایا، یاد فرمائی کے لئے شکر گذار ہوں،

لفظ "پٹھان" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال منقول ہیں جن میں سے بعض کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہے، جیسے فرشتہ کا بیان کہ چونکہ افغان پٹنہ میں آکر آباد ہوئے تھے، اس لئے وہ "پٹھان" کہے گئے حالانکہ پٹھانوں کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ پہلے شمالی مغربی ہند کے میدان پنجاب و سندھ میں آکر آباد ہوئے تھے، شمالی مشرقی میدان میں وہ اس کے بہت دنوں کے بعد آئے تھے، اسی طرح مرسلہ سوال نامہ میں پٹھان کی وجہ تسمیہ فتح خان یا فتحان جو بیان کی گئی ہے اس کو بھی اسی قسم کی ایک بے اصل روایت سمجھنا چاہئے،

پٹھانون کو افغان بھی کہا جاتا ہے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پٹھان دراصل وہی ہین، جو افغانستان سے آئے ہین، اس لئے افغان اور پٹھان، دونون ہم معنی لفظ قرار پاتے ہین، اور اسی لئے ہندوستان مین پٹھانون کی حکومت کو افغانی حکومت سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن بعض لوگون نے ان دونون کے مفہوم کے اطلاق مین فرق کیا ہے، اور افغان سے چند مخصوص قبائل دُرّانی وغیرہ کو مراد لیا ہے، اور پٹھان سے ان تمام قبائل کو موسوم کیا ہے، جو پشتو زبان بولتے ہین،

حقیقت یہ ہو کہ اس قوم کو افغان کے نام سے ابتداءً لٹریری طور پر غیر ملکیون نے موسوم کیا، پھر رفتہ رفتہ دُرّانیون، اور بعض دوسرے پٹھان قبائل نے اپنے کو افغان کے نام سے موسوم کرلیا، اور باقی ماندہ دوسرے قبائل غلزئی، آفریدی، بنگش، شیرانی اور استرانی وغیرہ مثل سابق پٹھان کہے جاتے رہے، کیونکہ محققین کے نزدیک اس قسم کی کوئی تقسیم کسی تاریخی یا روایتی بنیاد پر کبھی نہین کی گئی، بلکہ اصلیت کے اعتبار سے ان دونون کا قدیم قومی نام پشتان (Pushtan) یا پکٹھان (Pakhtan) تھا جو مقام پشتانا (Pashtana) یا پکھانا (Pakhtana) کی طرف منسوب تھا، اور یہی قدیم لفظ آگے چل کر تلفظ مین پٹھان بن گیا،

اس لئے ان دونون قسم کے قبائل درانیون اور غلزیون وغیرہ مین افغان، اور پٹھان کے جانے مین جو کچھ فرق ہے، وہ آگے چل کر محض اعتباری طور پر اختیار کیا گیا، ورنہ نسل و وطن یا کسی تاریخی روایت کی بنیاد پر ابتداءً ان مین باہم کوئی امتیاز نہین تھا،

البتہ جب آگے چل کر ان مین بعض کے وطن مین بھی تبدیلی پیدا ہوئی، اور ان مین کے بعض قبائل مغرب سے مشرق کی سمت قندہار وغیرہ کے علاقہ مین آکر آباد ہو گئے، تو اُن کی اور دوسری قومون کی آبادی مخلوط ہوئی، اس وقت انھین ان دوسری قومون سے ممتاز کرنے کے لئے خاص طور پر اُن کے قدیم نام پٹھان سے موسوم کیا گیا، کیونکہ یہ لوگ یہان گندھار (قندھار) مین ہندوستانی نوآبادی سے آکر

ملے تھے، اور انہی ہندوستانیوں سے انھوں نے پشتو زبان سیکھی تھی، کیونکہ یہ زبان بھی پراکرت ہی کی ایک شاخ ہے اور شاید انہی کی نسبت سے پشتو سے موسوم ہوتی ہے، اس طرح یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ افغانستانی جو مغرب سے مشرق کی سمت میں آ گئے، وہ لوگ اگرچہ مغربی افغانستانیوں سے نسل میں تو متحد رہے مگر وطن میں ان سے اختلاف پیدا ہو گیا، اور اب پٹھان کا نام جو ان دونوں گروہوں کا قدیم قومی نام تھا، خاص طور پر ہندوستان اور اس کی سرحد میں اس تو آباد گروہ کے لئے مخصوص ہو گیا، ورنہ قدیم قومیت کے اعتبار سے ہر افغانستانی خواہ وہ مغربی افغانستان کا ہو، یا مشرقی کا، یا ہندوستان کے شمالی میدان میں مغربی حصہ میں آباد ہوا ہو یا مشرقی میں، وہ پٹھان ہے، اور اس لحاظ سے ان میں کا ہر گروہ اس نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے،

معارف بابت ماہ جولائی ۱۹۴۶ء میں ایک استفسار کا جواب "پٹھانوں کی تاریخ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس سے اس سلسلۂ گفتگو میں مزید معلومات مل سکتے ہیں، خصوصاً ایسی فارسی اور اردو کی کتابوں کا پتہ چلے گا، جن میں پٹھانوں کی قومیت، نسل، وطن اور سیاسی کارناموں کا خاص طور پر ذکر آیا ہے، مناسب ہے کہ مزید معلومات کے لئے اس استفسار و جواب کی طرف رجوع کیا جائے،

باقی رہے مغل تو ان کا پٹھانوں سے کوئی تعلق نہیں، امیر تیمور کا شاہی خاندان جس نے ہندوستان میں حکومت کی، نسلاً ترک تھا، وہ یہ لوگ مغل اس لئے کہے گئے، کہ امیر تیمور کا یہ قدیم ترکی قبیلہ دراصل منگول سے وابستہ تھا، اس لئے مغل کے قدیم نسل و وطن کی ساری داستان وہی ہے، جو منگول کے نام سے تاریخوں میں ملتی ہے "منگول" یا "مونگل" کے لغوی معنی "جوانمرد" یا "دہیلی" قوم کے بیان کئے گئے ہیں، یہ قوم دراصل تنگوسی قبیلہ پر مشتمل تھی، تنگوسی ایک قدیم ترکی قبیلہ سائبریا کلاں کے ممتاز قبائل میں سے تھا اسی لفظ مونگل یا منگول سے لفظ مغل بنا ہے، اور ہندوستان میں مغل وہی ہیں، جو یہاں [illegible] مغلیہ خانوادہ سے سلسلہ تعلق رکھتے ہیں، لیکن آج کل ان سرحدی پٹھانوں کو جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کاروبار کرتے ہیں، عوام مغل کہتے ہیں، اس کو امر واقعہ اور تاریخی حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے،

یہ محض ان کا ایک عرفی نام ہے، جس سے اُن کی شہرت ہو گئی ہے،

والسّلام "س"

"تاریخ شمشیر خانی" اور "فیاض القوانین"

جناب عبدالرشید صاحب تبسم
استاذ گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان

"یہاں ایک دوست کے پاس دو قلمی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا، ایک کا نام شمشیر خانی ہے جس میں شاہنامۂ خسروان کے طرز پر ایرانیان قدیم کے حالات ہیں، اور دوسری کا نام فیاض القوانین ہے، جس میں شاہان مغلیہ کے فرامین، خطوط اور دوسری تحریرات ہیں، ان دونوں کتابوں کی تاریخی حیثیت سے مطلع فرمائیں"

معارف:۔ کتاب شمشیر خانی معروف تصنیف ہے، یہ شاہجہانی عہد میں ۱۰۶۳ھ میں تالیف ہوئی، اس کا مصنف توکل بیگ ولد تولک بیگ ہے، وہ شاہزادہ داراشکوہ کے معتمد علیہ لوگوں میں سے تھا، داراشکوہ نے اس کو اپنے کابل کی صوبہ داری کے زمانہ میں "امین و وقائع نویس" کی حیثیت سے غزنی بھیجا تھا، کتاب شمشیر خانی اُس نے اسی زمانہ میں غزنی کے گورنر محمد حیات شمشیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، یہ دراصل شاہنامہ فردوسی کا نثر میں خلاصہ ہے، چونکہ یہ کتاب شمشیر خان کی فرمایش سے تیار ہوئی تھی، اس لئے مصنف نے اس کو "تاریخ دلکشائے شمشیر خانی" سے موسوم کیا، اس کے بعض نسخوں پر اس کا نام "منتخب شاہنامہ" اور بعض پر "خلاصہ شاہنامہ" بھی درج ہے، یہ نسخے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہیں، (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۳۹) بانکی پور اور دوسرے کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے عام طور پر موجود ہیں،

ہمارے کتب خانہ دارالمصنفین میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے، اس کے دیباچہ میں اس کو "تاریخ دلکشائی شمشیر خانی" سے موسوم کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے، "منتخب شاہنامہ" یا "خلاصہ شاہنامہ" کے نام سے جو نسخے ہیں ان کو کسی نے معنی کے اعتبار سے ان ناموں سے موسوم کر دیا ہے، ہمارا نسخہ ایک ہندو کاتب رگھونندن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کو اُس نے ۱۲۲۲ فصلی میں قصبہ پھول پور پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ کے ایک زمیندار

سر نام سنگھ کے لئے لکھا تھا،

فیاض القوانین دراصل تیموری سلاطین امراء اور دوسرے حکمرانوں کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، اس زمانہ میں مکاتیب کے مجموعے انشا کی تعلیم کے لئے تیار کئے جاتے تھے، اس میں شاہجہاں، عالمگیر، جہاں آرا، داراشکوہ، شجاع، مراد بخش، جعفر خان، وزیر اورنگ زیب اور دوسرے حکمران عادل شاہ، قطب شاہ اور جے سنگھ وغیرہ کے خطوط ہیں، جو تین جداگانہ بابوں میں مرتب کئے گئے ہیں، اس کا ایک نسخہ نواب علی حسن خان صاحب مرحوم بھوپال ہاوس لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

چند وفودِ عرب کے بارگاہ نبوی میں پہنچنے کی تاریخ

جناب جلال الدین احمد صاحب جعفری

مطبع انوار احمدی - الہ آباد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ حسب ذیل وفود فتح مکہ سے قبل آئے تھے، یا بعد، اگر قبل آئے تھے تو کس سنہ میں، اس کے دریافت کی اشد ضرورت ہے،

"بنو تمیم کا وفد، بنو سعد کا وفد، اشعرمینی کا وفد، اوس کا وفد، مزینہ، اشجع، جہینہ،

معارف:- وفود کی آمد زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، مگر جن وفود کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے ان میں سے بنو تمیم اور بنو سعد کے علاوہ تمام وفود فتح مکہ سے پہلے آئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- بنو تمیم سنہ ۹ھ فتح مکہ کے بعد آئے، (ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۲) (۲) بنو سعد، ابن ہشام نے اُن کی آمد فتح مکہ کے بعد تبلائی ہے، ابن سعد و صاحب البدایۃ والنہایہ نے سنہ ۵ھ کی تصریح کی ہے، زرقانی نے ابن اسحاق کے قول کو جو ابن ہشام میں ہے ترجیح دیا ہے (۳) مزینہ رجب سنہ ۵ھ میں، (ابن سعد ذکر وفود،) (۴) اشجع خندق کے سال (سنہ ۴ھ) آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۵) جہینہ اس کا تذکرہ صرف ابن سعد نے کیا ہے مگر کسی سنہ کی تعیین نہیں کی ہے، اتنی تصریح ضرور ہے کہ فتح مکہ کے پہلے آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۶) اشعرین، سنہ ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۷) اوس یہ بھی سنہ ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۱-و"

بَابُ التَّقرِیظ وَالانتِقَاد

"ہندوستان مین اقلیتون کا مسئلہ"

از جناب سید عبد الباری صاحب ام اے (عثمانیہ)

حجم ۲۳۰ صفحے ۳۰×۲۰/۱۶ لکھائی چھپائی، اور کاغذ بہتر، قیمت: ۱۲/ پتہ: منیجر نفیس بک ڈپو حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سیاست مین اقلیتون کا مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ رہا ہے، وہ بلاشبہہ انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے، خواہ وہ جن اغراض سے پیدا کیا گیا ہو، اور آج تک اس کے حل نہ ہونے کے جو وجوہ واسباب رہے ہون، مگر اب وہ ایک مجسم اور سنجیدہ حقیقت ہے، اس لئے اس کی پچھلی تاریخ بھی نظرانداز کئے جانے کے لائق نہین، کہ اس کے سمجھنے اور اس کے حل کرنے دونون مین پس منظر کے طور پر اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے وقت کے اس اہم اور سنجیدہ موضوع پر قلم اٹھایا، اور اس مسئلہ اور اس کے متعلقات کو دیانتداری اور متانت سے اس تصنیف مین پیش کیا،

یون تو اقلیتون مین ہندوستان کی چھوٹی بڑی سب اقلیتین داخل ہین، لیکن مصنف نے ان سے مراد صرف مسلمانون اور ان کی فرقہ وارانہ نیابت کو لیا ہے، دوسری اقلیتون کا ذکر کتاب مین ضمنی طور پر آیا ہے، کتاب چند بابون مین تقسیم ہے، پہلے باب مین "مسئلہ اقلیت کا تاریخی پس منظر" دکھایا گیا ہے، کہ مغل فرمانرؤن کے دور مین ہندو اور مسلمان دونون قومون مین رواداری، یگانگی، اور ترقی کی رفتار مین توازن قائم تھا، ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد انگریزی حکومت نے اپنی بقا و استحکام کے لئے اقلیت کے مسئلہ کو پیدا کیا، مسلمانون کو نظرانداز کر کے دونون قومون کے توازن کو بگاڑا، مسلمان خصوصاً انگریزی تعلیم اور معاشی حالت مین پچھڑ گئے

سرکاری ملازمتون مین ان کا تناسب برقرار نہین رہا، پھر اردو ہندی زبان کا تنازع پیدا کیا گیا، اس کے ساتھ ہندو اور مسلمانون مین دو الگ الگ مذہبی، وہابی اور آریہ سماجی تحریکین چلین، اور مصنف کے خیال مین اگرچہ یہ تحریکین برطانوی راج کے خلاف اٹھین لیکن بنیادی غلطیون کی وجہ سے ہندو مسلم اختلافات کا ذریعہ بن گئین" (ص ۲۳) مصنف نے "وہابی" تحریک کے سلسلہ مین دکھایا ہے، کہ

> "ابتداء مین ہندوستان مین وہابی تحریک" فرائضی تحریک" کے نام سے اٹھی، جس کے بانی شریعت اللہ صاحب تھے، اس کا مقصد مسلمانون کے ادنی طبقے خصوصاً مزدورون اور کاشتکارون مین بیداری پیدا کرنا، اور احکام الٰہی سے عوام کو آگاہ کرنا تھا لیکن بعد مین چل کر جب اس تحریک کی باگ ڈور جناب سید احمد بریلوی کے ہاتھ آئی تو یہ تحریک جارحانہ صورت اختیار کرنے لگی، اور تشدد کی وجہ سے جہان یہ تحریک انگریزون سے ٹکرا گئی، وہان ہندوؤن کو بھی غلط فہمی مین مبتلا کر کے خائف کر دیا" (ص ۲۳)

ہندوستان کی "وہابی" تحریک کا مفروضہ رشتہ کسی "فرائضی تحریک" سے بے سند جوڑنا صحیح نہین، یہ صرف دشمن تحریک جیمس او کنلے کے ذہن کی پیداوار ہے، علمی حلقہ مین اس کا یہ نظریہ قبول نہین کیا گیا، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین "فرائضی" پر جو مقالہ ہے، اس مین اس کا ذکر تک نہین آیا ہے، ہندوستان کی وہابی تحریک کا رشتہ اگر جوڑا جا سکتا ہے، تو اس عہد کی نجدی تحریک سے ورنہ دراصل یہ دینی تحریک تجدید و احیاے دین کی ایک مستقل تحریک تھی، توحید خالص کی تبلیغ اور بدعات کا استیصال اس دعوت کے بنیادی اجزاء تھے، اس کے بعد جہاد کا جو علم بلند ہوا وہ ہندوؤن کے خلاف نہ تھا، بلکہ پنجاب مین سکھ حکومت کے ان مظالم کے خلاف تھا، جو وہ وہان برپا کئے ہوئے تھی، وہان مسلمانون کی مسجدین اور عبادتگاہین یکسر محفوظ نہ تھین، اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ سکھ مسلم اختلافات کی بنیاد تو کہا جا سکتا ہے، ہندو مسلم اختلافات کی بنیاد بتانا صحیح نہ ہوگا، اس تحریک کے سلسلہ مین ہندو مسلم اختلاف کا کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی انگریزی حکومت خود مقابلہ مین آ گئی اور اپنی سازشون سے اس تحریک کو ناکام کرنے مین کامیاب ہوئی، پھر سازش کے مقدمات قائم کر کے اس کو ختم کر دیا

بہرحال مصنف نے اسی سلسلہ مین دکھایا ہے کہ جب ایک طبقہ یا فرقہ طاقتور ہوگیا تو اس کی قوت کو بے اثر کرنے کے لئے دوسرے کمزور فرقون کو لاکر کھڑا کر دیا گیا اس طرح سامراج نے مختلف طبقون کے توازن اور کبھی عدم توازن سے اپنی بنیاد مستحکم کی، چنانچہ جب اصلاحات کا دور آیا، تو مسلمانون مین اپنی کمی اور کمزوری کا احساس پیدا ہو چکا تھا اور وہ حکومت کی شہ سے ملک کی قومی تحریک کو شک اور شبہہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے، اُن مین ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی، یا پیدا کی گئی، جو ملک کی عام سیاسی ترقی سے پہلے تحفظات چاہتی تھی، یہانتک کہ اس نے نیابتی ادارات تک کی مخالفت کی، کہ آبادی کے مختلف طبقات کا تعلیمی و معاشی زندگی مین توازن بگڑ چکا ہے اس لئے انتخابات کا اصول ہندوستان کے لئے موزون نہین، جمہوری ادارات کی ترویج کے لئے جس ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان مین اس کا فقدان ہے، لیکن جب ملک کی قومی تحریک مین روز افزون اضافہ ہوتا گیا تو حکومت نے سپر ڈالی، اصلاحات دینے کا اعلان کیا، اور عین اسی زمانہ مین ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کے خلاف، ایک مفاد کو دوسرے مفاد کے خلاف، اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کے خلاف کامیابی کے ساتھ کھڑا کیا گیا، ملک مین فرقہ وارانہ ہنگامے برپا ہوئے، اور پھر جب اصلاحات نافذ ہوئے، حکومت اسی حکمت عملی کو کامیابی سے کام مین لاتی رہی،

مصنف نے ملک مین اصلاحات کے دیئے جانے کے مختلف دورون اور ان زمانون مین اقلیت کے مسائل اور ان کے حل کرنے کی کوششون کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا اندازہ کتاب کے مختلف بابون کے عنوانات سے کیا جا سکتا ہو مثلاً:-

"نیابتی ادارات کی ترویج اور مسئلہ اقلیت مین پیچیدگی" بیسوین صدی کے اوائل مین برطانوی سامراج کو ہندوستان مین خطرہ اور فرقہ واریت کی ابتداء" مسلمانون کے مطالبات اور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات "ہندوؤن اور مسلمانون کا سیاسی اتحاد اور اس کے محرکات، میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء" ۱۹۱۹ء کی اصلاحات اور اقلیتین" فرقہ وارانہ اتحاد کی جد و جہد ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء، فرقہ وارانہ مسائل اور قانون حکومت ہند

۱۹۳۵ء، ہندو مسلم اختلافات کے حقیقی اسباب" اور "مسئلہ اقلیت کی موجودہ صورت حال از ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۶ء" مصنف نے ان عنوانون پر سیر حاصل مباحث درج کئے ہین، اور اصلاحات کے نفاذ کے وقت ملک مین جو سیاسی محرکات کام کرتے رہے، اُن کو بھی نمایان کیا ہے، ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ کے خوشگوار اثرات چند سال تک قائم رہے، اور مختلف سیاسی جماعتون کے جلسے ایک مقام پر ایک ساتھ ہوتے رہے، پھر تحریک خلافت و ترک موالات کے کمزور ہونے کے بعد ملک مین نا اتفاقی کی فضا پیدا ہوئی، فرقہ وارانہ اتحاد کی بار بار ملکی کانفرنسین اور لندن کی گول میز کانفرنسین بھی ان دونون قومون کو متحد نہ کر سکین، یہان تک کہ پنجاب اور بنگال کی مجالس مقننہ مین صرف ایک نشست کے لئے ہندو اور سکھ مندوبین نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر مسلمانون کی مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، اگر یہ پیشکش قبول کر لی جاتی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

آخر مین ہندوستان مین مسئلہ اقلیت کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالی ہو کہ اس کی تاریخ تین دورون مین تقسیم کیجا سکتی ہو، پہلا دور انگریزی حکومت کے آغاز سے اُنیسوین صدی کے اختتام تک ہے جس مین مختلف طبقات کا معاشی و تعلیمی توازن بگڑا، اور مسلمانون مین اس کا احساس پیدا ہوا، دوسرا دور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات سے ۱۹۳۵ء تک رہا، جب کہ جداگانہ نیابت کو دستور مین جگہ ملی، اور مختلف اقلیتون پست اقوام، پارسی، اور اینگلو انڈینس وغیرہ کو اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس ہوا، اس دور میں اکثریت اور مختلف اقلیتون مین باہم کشمکش جاری رہی، تیسرا اہم اور فیصلہ کن دور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۶ء تک کا ہے، جب کہ مسلمانون کی طرف سے اُن کے اقلیت ہونے کے بجائے ایک علحدہ قوم (نیشن) ہونے کا اعلان ہوا، پھر دوسرے طبقون پست اقوام اور مرہٹون نے بھی اپنی جداگانہ قومیت کا اعلان کیا، جداگانہ قومیت کے اعلان سے قوم سے علحدگی یعنی خود ارادیت کا حق اور دوسرون کے اقتدار اعلیٰ مین جانے سے سبکدوشی حاصل ہوتی ہے،

کتاب کے یہ مباحث پہلی شملہ کانفرنس پر ملا کر ختم کر دیئے گئے ہین، ان دنون ملک مین مجلس دستور ساز بیٹھی ہوئی ہے، اور سال دو سال کے اندر یہ مسائل اپنے آخری فیصلہ پر پہنچنے والے ہین اب اگرچہ اکثریت اصولاً نہ صرف صوبون بلکہ منطقون کے حق خود ارادیت کو قبول کر چکی ہے، بااین ہمہ ابھی اقلیتین اکثریت کو خوف و شبہہ کی نظر سے دیکھتی ہین، کہ آزاد ہندوستان مین اُن کے مفاد اور حقوق کی نگہبانی کی کوئی ضمانت نہین ہے، اس لئے اگر مجلس دستور ساز مین ہندوستان کے ہندو اور مسلمان مدبرین سر جوڑ کر بیٹھین، اور کوئی فیصلہ کرکے اٹھنے کا تہیہ کر لین تو دلون کے شکوک و شبہات بھی مجلس کے تیار کئے ہوئے دستور کے پائدار نقشوش سے مٹ سکتے ہین، اور ہندوستان مین اقلیتون کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے،

مصنف نے ان مباحث کے لکھنے مین اس موضوع کی مستند کتابون "مسئلۂ اقلیت" کے، بی، کرشنا، "ہندو مسلم مسائل" "یعنی پرشاد"، "تقسیم ہند" امبیدکر، "معاہدۂ ہند و برطانیہ" سر سلطان، "مسلم ہندوستان" محمد نعمان، اور سرکاری دستاویزات، مختلف کمیشنون کی رپورٹون، مختلف قومی و فرقہ وارانہ جماعتون کی تاریخ، خطبات صدارت، اور مختلف برطانوی مدبرین کی مستند تحریرون سے معلومات اخذ کئے ہیں، اس لئے دراصل اردو مین یہ اس موضوع پر پہلی جامع اور لائق اعتماد تصنیف ہے،

یہ کتاب جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کی سند کے لئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس مین "طالب علمانہ دور" کی بعض نشانیان بھی باقی رہ گئی ہین، تو کوئی تعجب کی بات نہین، مثلاً مدعا کے ظاہر کرنے مین چند ہی سطرون مین ایک ہی بات کا بار بار تکرار جیسے ص ۴۳، ۴۰، ۶ مین، اسی طرح عبارت میں" اگرچہ کہ" یا ایسے ہی بعض الفاظ سے نگاہون کو کھٹک ہوتی ہے لیکن یہ جزئی کوتاہیان طبع ثانی مین مصنف کے قلم سے خود دور ہو جائین گی، امید ہے کہ یہ کتاب ملک کے تعلیم یافتہ طبقون مین مقبول ہوگی، کہ سنجیدہ موضوعون پر ایسی کتابین اردو مین شاذ و نادر نکلتی ہین،

"س"

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کا نظامِ زر، از جناب ڈاکٹر انور اقبال قریشی، حجم ۲۹۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶، لکھائی چھپائی بہتر قیمت سے ر، پتہ :- ادارہ معاشیات، فاطمہ منزل حمایت نگر، حیدرآباد، دکن،

جناب مصنف اپنی تصنیف "اسلام اور سود" کے ذریعہ ملک کے علمی حلقوں میں روشناس ہو چکے ہیں، معاشیات میں "ہندوستان کا نظام زر" ان کی دوسری قابلِ قدر تصنیف ہے، کتاب کا پہلا باب "زر کے چند ضروری معلومات" کے عنوان سے ہے، جس کے مطالعہ سے اس موضوع کے مسائل کے سمجھنے کی راہ کھل جاتی ہے، اس کے بعد ہندوستان میں برطانوی حکومت کے آغاز سے دورِ حاضر تک کے زر کے مسائل جس طریق پر حل کئے گئے، انگلستان یا حکومت ہند کی طرف سے نظام زر کے لئے جو کمیشن بیٹھے، ان میں جو شہادتیں گذریں، اور انھوں نے جو سفارشات کئے، پہلی بڑی لڑائی کے جو اثرات ہندوستان کے سکہ پر پہنچے، اور ہندوستانی سکوں کے انگلستان کے سکوں سے شرح تبادلہ قائم کرنے میں جو منزلیں پیش آتی رہیں، ان کو مختلف بابوں میں تفصیل سے دکھایا ہے، نیز اسی سلسلہ میں ہندوستانی سکوں کے مختلف معیار قرار پانے، اور وقتاً فوقتاً مختلف قیمت کے نوٹ جاری ہونے، پھر ۱۹۳۱ء میں کساد بازاری پھیلنے اور پچھلی بڑی لڑائی کے اثرات ملکی سکہ پر اور اس کے نتائج کو ملک کی معیشت پر دکھایا ہے، مصنف نے ملک میں موجودہ گرانی کا سبب افراطِ زر کو قرار دیا ہے، اور اس کے وجوہ کی ماہرانہ تحلیل کی ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے افراط زر کا سبب نہ زر کی طلب کا بڑھ جانا ہے، نہ پیدائش کی مجموعی مقدار میں اضافہ کا ہونا ہے، اور نہ ایسی صورت پیش آئی، کہ اشیار کی درآمد برآمد پر تجاوز کر گئی ہو، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ ہندوستان نے جنگ کے

زمانہ مین انگلستان کو جو مال دیا، اس کی قیمت اسٹرلنگ کی شکل مین انگلستان مین رکھ لی گئی، اور ہندوستان کا ریزرو بنک قانوناً پابند رہا کہ ان کے ہم قدر نوٹ چھاپ کر ان کو ہندوستان مین گردش مین لے آئے، اس طرح خریداری کا کام انگلستان کا رہا، اور مال مہیا کرنے اور قیمت کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہندوستان ہی کے سر رہی، اس طریق سے جنگ کے تیسرے سال مین نوٹون کی تعداد مین ۵۰ فی صد کا اضافہ ہوا، چوتھے سال ۱۰۵ ہو گیا، اور پانچوین سال مین اس اضافہ کی تعداد ۱۰۲ فی صد تک پہنچ گئی، اس افراط زر سے ملک کی معیشت متاثر ہوئی، اشیار کی قیمتون مین تناسب برقرار نہین رہا، اس مین روز افزون تیزی آتی گئی، یہان تک کہ اشیار کی قیمتین ۲۳۵ یعنی تقریباً ڈھائی گنی بڑھ گئین،

پھر مصنف نے افراط زر اور قیمتون کے تناسب کے بگڑنے سے ملک کے مختلف طبقات کے مختلف انداز مین متاثر ہونے کو دکھایا ہے، کہ سب سے زیادہ خسارہ معین آمدنی والون مثلاً ملازمت پیشہ طبقہ کو اٹھانا پڑا، اُن کی تنخواہون مین جو اضافے ہوئے، یا گرانی الاؤنس ملے، وہ قیمتون کے اضافہ کے مقابلہ مین برائے نام تھے، اسی طرح مزدور طبقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہا، اجرتون اور قیمتون مین مسلسل دوڑ ہوتی رہی، اور اس دوڑ مین اجرتین ہمیشہ بہت پیچھے رہین، البتہ کاروباری طبقہ کو من مانی منفعت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود طبقہ کے ہاتھون مین آگئی،

اس کے بعد مصنف نے افراط زر کے انسداد کی تدبیرون پر تفصیل سے نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلہ مین اپنی ایسی تجویزین پیش کی ہین، جن کو اختیار کرکے افراط زر کا انسداد کیا جا سکتا ہے، اور ملک کو کسی خسارہ مین مبتلا کئے بغیر یہان کی معیشت کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے،

مصنف نے آخر مین ان بین الاقوامی کانفرنسون کی کوششون کا جائزہ لیا ہے جن میں دور حاضر مین بین الاقوامی تجارت اور شرح مبادلہ کے مسائل پر غور کیا گیا ہے، اور اسی سلسلہ مین مختلف ملکون کے منصوبون کا ذکر آیا ہے، اور بین الاقوامی زر کے فنڈ اور بین الاقوامی بنک کی تحریکون کو دکھایا گیا ہے آخری

باب "ہندوستان کے شرح مبادلہ کا مستقبل" کے عنوان سے ہے، جس مین قیاسی طور پر ان صورتون کو پیش کیا ہے جو جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو زر کے سلسلہ مین پیش آنے والی تھین، یہ کتاب فروری ۱۹۴۵ء کی لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد دو سال کے اثنا مین جنگ ختم ہو چکی، ہندوستان کی مرکزی حکومت بدل گئی، اور نئی حکومت نئی حکمت عملی اختیار کر چکی ہے، ضرورت ہے کہ لائق مصنف اپنی ان تجویزون کی روشنی مین جن کو انھون نے آخری باب مین پیش کیا ہے، ہندوستان کے اس دو سالہ دور مین زر کے متعلق حکومت کی حکمت عملی اور اقدامات کا جائزہ ایک مقالہ کی صورت مین لین، اور اس کتاب کے طبع ثانی مین اس کو بطور استدراک بڑھائین کہ کتاب کے مباحث اپنے نتیجہ پر اس صورت مین زیادہ بہتر طریق پر ختم ہون گے، ہم لائق مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، کہ معاشی مسائل عموماً خشک اور روکھے پھیکے ہوتے ہین، اور ان مین بھی زر کا مسئلہ اور بھی زیادہ خشک ہے لیکن اُن کی مساعی سے یہ مسائل اس تصنیف مین عام فہم سلیس اور سادہ زبان اور دلآویز پیرایہ مین قلمبند ہو گئے ہین،

منشور اقوام متحدہ از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون، جامعہ عثمانیہ، حجم ۶۵ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ قیمت :- ۱۲؍ پتہ :- حیدری گشتی کتب خانہ رسالہ عبد اللہ حیدر آباد دکن،

پہلی بڑی لڑائی کے نتیجہ مین مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوئی تھی؛ دوسری بڑی لڑائی کے بعد مجلس اقوام متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن) کی تاسیس عمل مین آئی ہے، اس مجلس مین دنیا کے متضاد عناصر کا چند متحدہ مقاصد کے لئے اجتماع ہو گیا ہے، اور یہ پچھلی مجلس اقوام کے برخلاف اسلحہ سے بھی آراستہ ہو گی، اس لئے اس کی حیثیت اوس سے کسی قدر مختلف ہے، اور ابھی ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی نزاع مین اس کی جو روش رہی اس سے اس کے خوشگوار مستقبل کی ایک ہلکی سی اُمید بندھ سکتی ہے، یون تو اس مجلس کے منشور، قوانین و ضوابط بعض سیاسی رسالون مین اردو مین منتقل ہو چکے ہین، لیکن اس کی سیاسی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کسی غیر معمولی ذمہ دار قلم سے اس کے متن کو اردو کا جامہ پہنایا جائے، جناب ڈاکٹر

محمد حمید اللہ صاحب جو جامعہ عثمانیہ مین قانون بین الاقوام کے استاذ ہین، اس خدمت کے لئے موزون ترین شخصیت ہوسکتے تھے، خوشی کی بات ہے، کہ انھون نے اس ضرورت کو پورا کیا، اور سلیس اردو مین اس کو منتقل کر دیا، موصوف نے منشور کے متن کے ترجمہ سے پہلے چند صفحے مقدمہ کے طور پر لکھے ہین جس مین نظام عالم مین یکجہتی اور انضمام پیدا کرنے کی پچھلی کوششون کا جائزہ لیا گیا ہے، اور مختلف زبانون مین عیسائیت، یورپ اور عالم کے اتحاد کے نام پر جو کوششین ہوئی ہین، ان کو ترتیب سے پیش کیا ہے، عیسائیت کے اتحاد کی کوششون مین اس متحدہ کانفرنس کا ذکر نہین آیا، جو ۱۰۹۲ء مین اٹلی مین ہوئی تھی، اور جس مین اسلامی ممالک کو عیسائی ممالک بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اسی طرح مصنف نے "اتحاد یورپ" کی تحریک کے آغاز کو ۱۶۰۳ء مین دکھایا ہے لیکن اس کا سراغ اس سے بہت پہلے ۴۷۸ ق م مین مل سکتا ہے جب جزیرہ ڈیلوس مین یونان کی بحری ریاستون کے نمایندون نے جمع ہوکر ایتھنز کی صدارت مین ایک انجمن قائم کی، اور ایک دستورالعمل بنایا کہ بحیرۂ ایجین کی حفاظت حکومتِ اسپارٹا سے کی جائے، اور اس مجلس مین شریک ہونے والی ریاستین ایک معین رقم اور جہازون کی ایک معین تعداد حکومت ایتھنز کو دین، پھر آگے چل کر ان اتحادیون کی حیثیت خراج گذار ماتحتون کی سی ہوگئی یہانتک کہ اگر کسی نے حلقۂ اتحاد سے نکلنا چاہا، تو اس کو باغی قرار دیکر سزا دی گئی،

امید ہو کہ اس منشور کے متن کا یہ ذمہ دارانہ اردو ترجمہ اردو کے کتب خانون کے لے خاص طور پر منگایا جائے گا،

تبلیغِ حق: - ترجمہ مولوی محمد علی صاحب مظفری حجم ۱۹۹ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عار،

پتہ:- ادارۂ اشاعتِ اسلامیات، حیدرآباد دکن،

"تبلیغ حق" ایک فارسی رسالہ البلاغ المبین کا اردو ترجمہ ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کی فہرست مین اس

رسالہ کا انتساب راقم سطور کی نظر سے نہین گذرا، اس رسالہ مین توحید کی تلقین و شرک سے اجتناب کی ہدایت کرکے مسلمانون مین رائج بدعات و رسوم کا رد کیا گیا ہے، اور کتاب و سنت کے مطابق صحیح عقائد و اعمال کی طرف دعوت دی گئی ہے، ناشر نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہون، وہ محصول ڈاک بھیج کر ہدیۃً منگا سکتے ہین،

خانہ جنگی، از جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) حجم ۱۰۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی قیمت، ۱۲؎ ، پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی،

شاہجہان کے دور مین داراشکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان جو خانہ جنگی برپا ہوئی تھی، اس کو اس رسالہ مین ڈرامہ کی شکل مین قلمبند کیا گیا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات دکھائے گئے ہین، اس سلسلہ مین شیخ سرمد کا ذکر اس تفصیل سے آیا ہے، کہ بظاہر اس ڈرامہ کا اصل موضوع یہی معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ مین شیخ سرمد اور داراشکوہ کے تعلقات، شیخ سرمد کے سوانح، مقدمۂ قتل، ملا ابوالقاسم کی شیخ سرمد کی حمایت کرنے کی سبق آموز جرأت، ملا ابوالقاسم اور عالمگیر کے مکالمہ اور شیخ سرمد کے قتل گاہ کے مناظر کو خاص طور پر نمایان کیا گیا ہے،

اسلام کے مشہور سپہ سالار (حصہ اول) از جناب عبدالواحد صاحب سندھی حجم ۶۴ صفحے قیمت مجلد ۸؍، پتہ :- بک ڈپو انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی،

مصنف نے اسلام کے مشہور سپہ سالارون کے حالات آسان زبان اور سادہ طرزِ ادا مین بچون کے لئے لکھے ہین، اس سلسلہ کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے جس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سات مشہور صحابۂ کرام کی مجاہدانہ زندگی دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہے، رسالہ بچون کے لئے مفید ہے،

"س"

*

جلد ۵۹ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۷ء عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

استفسار و جواب

شذرات

پچھلے دسمبر کے مہینہ میں آل انڈیا ہسٹری کانگریس کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا جس کی سرزمین مظلوموں کے خون کی ہولی سے اس وقت تک لالہ زار تھی ضرورت تھی کہ اس مناسبت سے اس میں تاریخ کے ایسے مناظر دکھائے جاتے جو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والوں کو باہم ملاتے، اور وہ تاریخ کے آئینہ میں اپنے اسلاف کی صورتیں دیکھ سکتے کہ وہ کیسی شیر و شکر کی زندگی گذار چکے ہیں اور اس دیس میں اچھے پڑوسیوں کی طرح مل جل کر رہ چکے ہیں لیکن افسوس کہ اس اجلاس میں نہ صرف زندگی کے ان اعلیٰ اخلاقی تصورات کو فراموش رکھا گیا، بلکہ ایک سے زیادہ مقررین جن میں اس صوبہ کے وزیر اعظم بھی ہیں، اس موقع پر بھی اسی بدنام عالمگیر کی "ہندوکشی و ستمگری" کے پامال افسانہ کو دہرائے بغیر نہ رہ سکے،

•

ادھر چند سال کے اندر اس افسانہ کی یاد کو تازہ کرنے کا سہرا عالمگیر کے قدیم محسن سر جدو ناتھ سرکار کے سر ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۲ء میں حکومت بنگال کے محکمۂ تعلیم نے تاریخ کی درسی کتابوں کی چھان بین کا ارادہ کیا تھا، اس سلسلہ میں عالمگیر کے دور میں مندروں کے انہدام کی پارینہ داستان بھی زیر بحث آئی تھی، ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم نے اس موضوع کے ماہر سر موصوف کی طرف رجوع کیا تھا، موصوف نے جواب میں محمد ساقی کی مآثر عالمگیری کی ایک عبارت اخذ کرکے دکھایا تھا، کہ عالمگیر نے ۱۶۶۹ء میں ملک کے سب صوبوں میں مندروں کے ڈھانے کا حکم علی الاطلاق بھیجا تھا، حکومت بنگال نے موصوف کے اس مراسلہ کو دار المصنفین میں بھیجا تھا، اور راقم سطور کو اس کا جوابی مراسلہ بھیجنے کا موقع ملا تھا جس میں مآثر عالمگیری سے اس موقع کی پوری عبارت اخذ کرکے دکھایا گیا تھا کہ سر موصوف نے بیچ کی ایک عبارت کو دے کر اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے ورنہ دراصل اس فرمان کا تعلق ٹھٹھہ، ملتان اور خصوصاً بنارس کے چند ایسے مندروں سے ہے جو اس زمانہ میں فتنہ و فساد کا مرکز بنے ہوئے تھے، اور جن میں مسلمان بچوں کو لیجا کر بیدینی کی تعلیم دیجاتی تھی، نہ یہ کہ وہ کوئی علی الاطلاق عالمگیری فرمان تھا، یہ مراسلات مقالہ کی صورت میں معارف ستمبر ۱۹۳۲ء میں شائع کر دیئے گئے تھے،

•

ہسٹری کانگریس کے اجلاس پٹنہ میں ڈاکٹر پرماتما سرن نے اپنا خطبہ دیا ہے جو لیڈر (مورخہ ۵ جنوری ۱۹۴۷ء) میں "ہندوستان کی تاریخ میں عہد وسطیٰ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس میں عالمگیر کی "رجعت پسند تنزل پذیر سیاسی حکمت عملی" اور ہندوؤں کے ساتھ اس کی انتہائی غفلت شعاری کو دل کھول کر بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

"دوسری یہ بات بھی علم مین لے آنی ہو کہ بعض اہل نظم کی طرف سے چند تحقیقین ابھی روشنی مین لائی گئی ہین جن سے معلوم ہوتا ہو کہ چند اہم مراکز جیسے کہ بنارس کے مندر تھے، ہندوون کی طرف سے مفسدانہ سازشون کے اڈون کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے جن کے خلاف شہنشاہ نے اشتعال مین عملی اقدام کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت مین پیش کیا جاتا ہے،

لیکن یہ بات فراموش نہین کی جاسکتی کہ ان مندرون کے بے رحمانہ انہدام کی کوئی توجیہ مشکل سے کی جاسکتی ہو جن کو شہنشاہ نے شاہزادگی ہی کے زمانہ مین ڈھایا تھا، اور اسی طرح مختلف قسم کے تعزیری اقدامات وہ ہندوون کے خلاف کرتا رہا، اور پھر کیا یہ سوال نہین کیا جاسکتا کہ یہ ضروری اور قرین دانشمندی تھا کہ آدمیون کے ایک گروہ کو عصیان کی سزا ان مقدس ماثر پر اتاری جائے جو پوری ملک کی ایک عظیم اکثریت کی عقیدت وارادت گاہ تھے، کیا ہندوون کے مذہبی احساسات کو مجروح کئے بغیر ان بدطینت مجرمین کو کسی اور طرح قبضہ مین نہین لایا جاسکتا تھا"

خوشی کی بات ہو کہ اس تحریر مین سرجدو ناتھ سرکار کے اس دعوی سے تو رجوع کر لیا گیا جو انھون نے ۱۹۳۰ء کے اس فرمان کو پوری ملک مندرون کے انہدام کے لئے حکم عمومی کے طور پر قرار دیدیا تھا، پھر اگر عظیم اکثریت کے افراد ان عمارتون کی تقدیس کو برقرار رکھنا چاہتے تو ان مجرمون کو اجازت نہ دیتے کہ وہ ان کو مفاسد کا مرکز بنائین، ایسے موقع پر اس زمانہ مین جس کی بھی حکومت ہوتی وہ ایسے مرکزون کو اس زمانہ کی عام روش کے مطابق برباد کرنے کی کوشش کرتا، اس معاملہ مین عالمگیر کے پیش رو حکمرانون اور عالمگیر کے طرز عمل مین کوئی فرق نہ تھا، کہ عالمگیر کو خاص طور پر مطعون کیا جائے،

عالمگیر کی شاہزادگی کے زمانہ کے انہدامون کو ایک سے زیادہ مرتبہ نمایان کیا جاچکا ہو مگر نکتہ چین یہ نہین سوچتے کہ اگر یہ کسی مذہب حکومت کے لئے داغ ہو تو ان کے ممدوح شاہجہان کا دامن داغدار ہوتا ہو، عالمگیر نے شاہزادگی کے زمانہ مین گجرات کے مندر ڈھائے تھے، ان مین سومناتھ کی تحلیل کیجا چکی ہو اس کی تہ مین کوئی نہ کوئی بغاوت شورش اور سرکشی پائی گئی ہو، آخر دکن کی واضح مثال بھی تو موجود ہو، عالمگیر نے وہان ۲۵ سال حکمرانی کی، دکن قدیم ہند کی تہذیب کلچر اور تعمیر کا گہوارہ ہو، اگر تعصب کی وہ آگ جس کی تپش ہمارے زمانہ کے مورخین ابتک محسوس کرتے ہین عالمگیر کے دل مین واقعی سلگتی ہوتی تو آج دکن مین قدیم ہندو تہذیب وتمدن کے ماثر کا نشان باقی نہ رہتا، وہان کی ساری پرانی عبادتگاہین جو آج ہندو تعمیر کی جان سمجھی جاتی ہین صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتین لیکن معلوم ہو کہ عالمگیر نے دکن کے ۲۵ سالہ دور حکومت مین کبھی کسی مندر کو ہاتھ نہین لگایا، رعایا پرامن رہی تو بھی امن سے حکومت کرتا، معارف کے مذکورۂ بالا مقالہ مین ان امور کی تفصیل بیان کی گئی ہو،

اس صوبہ مین جہان ہسٹری کانگریس کا تازہ اجلاس منعقد ہوا، دور سے آئے ہوئے مورخین صوبہ کے ایک عظیم الشان معبد

میں ہندو مسلم یکجہتی اتحاد کو درخشاں کرنے والے ایک انمول موتی کی زیارت بھی کرسکتے تھے جو اسی بدنام عالمگیر کے ہاتھوں ودیعت کیا گیا ہے اور جس کو بڑھ گیا منڈپ کا پجاری بہت عقیدت کے ساتھ سینے سے لگائے ہوا ہے اس میں ایشانی معبد کی سند جاگیر جو لاکھوں لاکھ کی مالیت ہے اور جس سے آج لاکھوں لاکھ جاتری فائدہ اٹھا رہے ہیں، اسی عالمگیر کے ہاتھوں کی رہین منت ہے، اس کا ذکر معارف کے اس مقالہ میں بھی آیا ہے۔

بہرحال خوشی کی بات ہے کہ عالمگیر کے کارناموں کو گھٹا ٹوپ اندھیاری میں چھپانے کی ہزاروں کوششوں کے باوجود حقیقت کی کرن کہیں کہیں چمکنے لگی ہے، دور حاضر کے مورخین کے خیالات کی رو میں اس روشنی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دینے لگی ہے، اور جب تعصبوں کی یاد کا زمانہ گذر جائے تو تاریکیوں کے پردے پورے طور پر چاک ہو جائیں، ڈاکٹر پرتما سرن موصوف نے ان عیب جوئیوں اور نکتہ چینیوں کے باوجود اس مقالہ کے آخر میں کچھ اعترافات بھی کئے ہیں، وہ ستایش کے مستحق ہیں، فرماتے ہیں:-

"دور حاضر میں یہ دکھانے کی کوششیں کی گئی ہیں کہ اورنگ زیب ہندوؤں کے حق میں نہایت اعتدال پسند تھا، ایسے فرامین کی ایک خاصی تعداد منظر عام پر لائی گئی ہے جس میں عالمگیر نے برہمنوں کو عطیے دیئے، اور مندروں پر جاگیریں وقف کی ہیں... قدیم یورپی اور ان کا اتباع کرنے والے ہندوستانی مورخین کے وہ نقوش و تاثرات ناپسندیدہ ہیں جو انھوں نے اورنگ زیب کے عہد حکومت کے متعلق پیدا کئے ہیں، اورنگ زیب کی تاریخ پر (ان فرامین کی اشاعت سے) جو روشنی پڑتی ہے اس سے یقینی طور پر نہ صرف ان یورپی مورخین کے پیدا کردہ تاثرات کی اصلاح ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ عالمگیر لوگوں کے ساتھ اپنے زمانہ کے طرز عمل اور نظم و نسق میں ایک شریف اور دوسروں کا پاس و لحاظ رکھنے والا انسان تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق جو غلط نظریے لوگوں میں پھیل گئے ہیں ان کی تصحیح کی بڑی ضرورت ہے، تاکہ مختلف تاریخی پہلوؤں اور ملت کے کارناموں کے متعلق صحیح فیصلے کئے جاسکیں اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو پھیلائی گئی ہیں، اور ہماری قومی ترقی کو جو نقصان پہنچانے والی ہیں"

فاضل مقرر کی یہ آرزو دراصل اس وقت پوری ہو سکتی ہے، جب غیروں کی مرتب کی ہوئی تاریخ کے پھیلائے ہوئے اس تخیل کو ذہن سے مٹا دیا جائے، کہ مسلم قوم باہر سے آئی ہوئی ہے، اگر باہر سے آنا ہی غیریت ہے تو اس میں سامی اور آریہ ان دونوں نسلوں کا حال یکساں ہے، آریوں کا آخری قافلہ ہندوستان میں تقریباً سنہ [illegible] ق م میں آیا تھا، اس طرح ہندوؤں کے آخری اور مسلمانوں کے پہلے قافلہ کی آمد کے زمانہ میں صرف ایک ہزار برس یا کچھ بالا کا فرق رہتا ہے، جو قوموں کی تاریخ کے لئے کوئی بڑی مدت نہیں،

مقالات

مجددِ ملت

اور

قومیات وسیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

(۳)

باقی آج کل کی خالص قومیات وسیاسیات کے بارے، میں خاص ہندوستان کے حالات کو پیش نظر رکھکر حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے اور دوسرون کے مسلک کو ایک دلچسپ تمثیل کے ذریعہ واضح فرمایا ہے، اس ع

گفتہ آید درحدیث دیگران

کو بھی ضرور سُن لین،

"تین رفیق سفر کر رہے ہین، کسی مقام پر پہنچکر دیکھا کہ عین راستہ پر ایک شیر کو تین چار بھیڑیے لپٹ رہے ہین، اور راستہ بند ہے، اُن کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہین، البتہ سامنے اینٹین، پتھر پڑے ہین، تینون مین اختلاف رائے ہوا، اور رائے سے عمل مین اختلاف ہوا، ایک کی رائے ہوئی کہ شیر کی امداد کرنا مناسب ہے، اگر یہ غالب آگیا تو طبعًا احسان سے متاثر ہوکر مزاحمت نہ کرے گا، اور مین اطمینان سے اپنے راستہ پر چلا جاؤن گا، یہ خیال کرکے اینٹون سے بھیڑیون کو مارنا شروع کیا، دوسرے کی رائے ہوئی، کہ شیر اکیلا بھیڑیئے متعدد، غالبًا غلبہ انھی کو ہوگا،

لہذا اگر اُن کی نصرت کی تو یہ طبعًا احسان سے متاثر ہو کر مزاحمت نہ کرین گے، اور مین امن و امان کے ساتھ نکل جاؤن گا، یہ خیال کرکے اُس نے اینٹون سے شیر کو مارنا شروع کیا،

تیسرے کی راے یہ ہوئی کہ اینٹین نہ شیر کی مدافعت کے لئے کافی ہین، اور نہ بھیڑیون کی، ایسی حالت مین اگر منصور مغلوب ہوگیا، تو غیر منصور کو خواہ مخواہ چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، اور اگر غالب بھی ہوگیا اتب بھی جانور کا کیا اعتبار کہ احسان کی رعایت کرے، بلکہ موقع پاکر وہ بھی طبعًا مزاحمت کریگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک اپنے پاس قابلِ اطمینان سامانِ مدافعت نہ ہو کسی کی نصرت نہ کی جائے، بس جس طرح ممکن ہو، اپنی حفاظت کی کوشش کی جائے، پھر خواہ غلبہ کسی کو ہو، ممکن ہے کہ ہمارے عدم تعرض کے سبب وہ بھی تعرض نہ کرے، اور کیا بھی تو اس کا افسوس تو نہ ہوگا، کہ ہم نے خواہ مخواہ خود چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، یہ دونون سے علحدہ ہو کر اپنی حفاظت مین مصروف ہوگیا، اور جس طرح بن پڑا ان کی زد سے سکون و سکوت کے ساتھ نکل گیا، اور دوسرے راستہ سے چکر کاٹ کر اُسی راستہ پر جا پڑا،

"یہ تین جدا جدا طریقے ہین جن کو ان تین شخصون نے اپنے لئے اختیار کیا، اگر ان لوگون نے قوانین عقلیہ کی مخالفت کی، اور نیت بھی کسی کی فاسد نہ ہو، تو کسی شخص پر کوئی ملامت نہین ہوسکتی، اور اگر کسی شخص کو اس کے مجوزہ طریق کا مضر ہونا صحیح دلیل سے بتا دیا جائے، اور اُس کے پاس کوئی معقول جواب بھی نہ ہو، اور پھر بھی وہ اس پر مصر رہے تو وہ ضرور مستحق ملامت ہوگا"

ظاہر ہے کہ جس طرح درندہ درندہ ہی ہے خواہ وہ شیر ہو یا بھیڑیا، طبعًا اس سے درندگی ہی کا اندیشہ ہے اسی طرح مسلمانون کو بھی کافرون سے خواہ وہ کالے ہون یا گورے، طبعًا ہمیشہ عداوت ہی کا اندیشہ رکھنا چاہئے، اور اگر اُن کے مقابلہ و مدافعت کی طاقت نہ ہو، تو اسلم راہ تا بہ امکان اُن سے علحدہ رہکر اپنی حفاظت کا انتظام کرنا ہے، اور مسلمانون کے لئے بہ حیثیت مسلمان اپنی حفاظت کے ظاہری

اسباب و تدابیر سے مقدم انتظام یہ ہے کہ پورا پورا مسلمان بننے کی فکر و سعی ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و نصرت حاصل ہو، بس یہی مجدد وقت علیہ الرحمہ کا سیاستِ وقت کے متعلق اصل مسلک ہے، کہ

"مسلمانون کو نہ انگریزون کی بغل مین گھسنا چاہئے، نہ ہندوؤن کی"

اور اسی لئے حضرت کانگرس کی شرکت کے شدت سے مخالف ہین، اور ایک فتوے مین شرح سیر کبیر کی عبارت نقل کرکے فرماتے ہین، کہ

"کفار کے ساتھ ایسے معاملات مین شرکت کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے تابع ہون، اور اگر وہ ہمارے تابع نہ ہون خواہ متبوع ہون، یا دونون برابر ہون، تو شرکت جائز نہین جس کی وجہ بھی اسی (مذکورۂ بالا) روایت ہی مین مذکور ہے، کہ شرکت مین اندیشہ یہ ہے کہ جب مجموعی قوت سے اُن کا مقابل مغلوب ہوجائے، پھر وہ اپنی قوت سے مسلمانون کو مغلوب کرسکتے ہین،.... اب اگر مسلمان اسی غیر مسلم طالب آزادی جماعت (کانگریس) کے ساتھ شریک ہوجائین، تو یقیناً وہ مسلمانون کے تابع نہین ہین، بلکہ یا تو متبوع ہون گے، اور مسلمان اُن کے تابع اور غالب یہی ہے، اور یا دونون برابر ہون گے، تو گو یہ احتمال بہت ضعیف ہے لیکن اگر ایسا ہو بھی تب بھی جوازِ شرکت کی جو شرط تھی، کہ مسلمان متبوع ہون، وہ مفقود ہے، اس لئے جواز بھی مفقود ہے، اور جو وجہ عدم جواز شرکت کی روایت مذکورہ مین بیان کی گئی ہے، کہ مسلمانون سے کام نکال کر پھر خود مسلمانون پر غالب آنے کی کوشش کرین، یہان اس کا خطرہ یقینی ہے، (اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۰۲)

پھر کانگریس یا ہندوؤن کے ساتھ تعاون و شرکت کی قوت سے انگریزون کے نکل جانے کے بعد سوال ہے، کہ کیا صورت ہوگی؟ دو ہی صورتین ہین، یا تو ہندوؤن کا کامل تسلط ہو یا اغلب یہ ہے کہ مسلمانون اور غیر مسلمون ہندوؤن وغیرہ کی مرکب حکومت بنے، اس کی نسبت اصول و مسئلہ

کی رو سے ارشاد ہے کہ یا تو کفار کی جگہ کفار مسلط ہوں یا مرکب کا فرد مسلم تو مجموعہ تابع احسن کے ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے، اور وہ اخلاء الارض عن الفساد ہے، اور قاعدہ ہے کہ الشئی اذا خلا عن الغایۃ انتفی" (اشرف السوانح سوم ص ۱۰۰)

راقم الحروف کے نزدیک حضرت علیہ الرحمۃ کی اس تنقیح بالا کے تحت سب سے زیادہ قابل توجہ مسلم لیگ کا **دو قومی** نظریہ و دعویٰ ہے، اصطلاحی مناقشوں یا عالمانہ و فلسفیانہ موشگافیوں سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے، تو مومن و مسلم اور کافر و مشرک اگر دو قومیں نہیں تو پھر دنیا میں کون اور کہاں دو قومیں ہوں گی، شرک و توحید یا کفر و اسلام سے بڑھکر اور کونسی دو چیزیں دو انسانوں کو جدا کرکے اُن کے ظاہر و باطن اعمال و عقائد میں تخالف و تضاد پیدا کر سکتی ہیں، کیا دو دشمن مسلمان بھی اپنی نظر و فکر، بود و ماند اخلاق و عادات، معاشرت و معاملات میں وہ بعد المشرقین محسوس کر سکتے ہیں، جو ایک کافر اور ایک مسلمان ایک ہی گھر میں رہنے والے دو سگے بھائی محسوس کریں گے ![1]

لہذا کسی وقتی مصلحت کے تحت کسی وقتی مقصد کے حصول کے لئے کسی خاص عمل و معاملہ کی حد تک وقتی اتحاد وہ بھی بصورت معاہدہ یہ تو جائز بلکہ کسی وقت واجب بھی ہو سکتا ہے لیکن وحدت قومی (نیشنلزم) کے تصور کے ساتھ مسلمانوں کا کانگریس یا کسی ایسی جماعت کے ساتھ کوئی مستقل و حقیقی اتحاد و ادغام جس میں اکثریت و غلبہ یا مساوات کا درجہ بھی کفار و مشرکین کو حاصل ہو، اور مسلمانوں کو مغلوب و تابع یا کفار و مشرکین کی مساوات کے ساتھ رہنا پڑے تو یہ دنیا میں نہ صرف اُن کی دینی وحدت اور اُن کے دینی مقام امامت و متبوعیت کے قطعاً منافی ہوگا، بلکہ نفس اُن کے دین کے لئے مہلک ہوگا، خصوصاً موجودہ مسلمانوں کا دینی انتشار و اضمحلال جس درجہ کو پہنچ گیا ہے، اس میں تو خدانخواستہ اگر یہ کانگریس میں مدغم ہو جائیں، تو اُن پر ہندوؤں کی صورت و سیرت کا رنگ اس سے زیادہ سرعت و شدت کے ساتھ چڑھے گا، جتنا انگریزوں

---

[1] جزاہ اللہ اس پیراگراف میں مولف سلمہ نے حضرت کی تعلیمات کا عطر کھینچ کر رکھدیا ہے۔ (عبدالماجد)

کا چڑھا اور یہ نری قیاسی بات نہین، بلکہ ۳۵ئہ کی کانگرسی حکومت کے چند روزہ ہی دور مین عوام و خواص، تعلیم یافتہ و ناتعلیم یافتہ ہر طبقہ کے مسلمانون مین ایسی مسخ شدہ صورتین اور مثالین مشاہدہ مین آئین، کہ خدا گواہ ہے، رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے، کہ یا اللہ ان مسلمانون کو آخر کیا ہوگیا ہے، کہ اپنی صورت تک کو اتنا ذلیل سمجھتے ہین، کہ انگریزون کی حکومت آئی، تو اُن کی صورت بنالی، اور اب چار دن سے ہندوؤن کا برائے نام کچھ حکومت مین دخل و غلبہ ہوا، تو اُن کی شکل بنانے لگے، اور وہ بڑا نادان اور انسان کی معمولی نفسیات سے بھی جاہل ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ صورت، سیرت پر مؤثر نہین ہوتی، یا ظاہر باطن کا آئینہ نہین ہوتا، ایسی حالت مین مسلم لیگ سے مسلمانون کے لپٹے رہنے مین کم از کم اتنا نفع تو یقینی ہو کہ اب نہ رخصت ہونے والے انگریزون کی صورت بنانے کی ترغیب ہوگی، اور نہ کانگریس یا ہندوؤن کے مقابلہ و رقابت کی وجہ سے ہندوؤن کی صورت بنادین گے، کفار و مشرکین سے کسی بہانہ سے بھی طبیعت کا بعد دین کا ایک بڑا وقایہ و محافظ ہے، ایسے ہی جیسے بُری صحبت سے بعد، اور ایمان کے لئے کفر و شرک سے بڑھکر بُری صحبت کونسی ہوسکتی ہے،

بہرحال اسی قسم کے اسباب و وجوہ کی بنا پر حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ نے کانگریس سے قطعی بیزاری اور بدرجۂ تنزل و بامید اصلاح لیگ مین شرکت کا مسلمانون کو بطور اھون البلیتین شرح صدر کے ساتھ فتویٰ دیا،

"اس مین تو کوئی شک نہین کہ فعناً حاضرین مسلمانون کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے کی سخت ضرورت ہے، اور اُن کے تمام منافع و مصالح کی حفاظت اور تمام مضار و مفاسد سے صیانت اس تنظیم پر موقوف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم والعمل ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کے موافق ہو، سو اگر اس وقت ملک مین اس صفت کی کوئی منظم جماعت موجود ہوتی، یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب

واضح تھا، لیکن موجودہ حالت مین افسوس اور نہایت افسوس ہے، کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب توقع، اس لئے بجز اس کے چارہ نہین، کہ موجودہ جماعتون ہی مین سے کسی مین داخل ہون، اور اُس مین قواعد شرعیہ کی رُو سے جو نقص ہو، اس کی اصلاح کرین، اور اگر ان مین ایک کی اصلاح آسان ہو، اور دوسری کی دشوار تو بقاعدہ عقلیہ و نقلیہ من ابتلی ببلیتین فلیتخیر اھونھما اس مین داخل ہو جائین جس کی اصلاح آسان ہو، ...... مسلم لیگ خالص کلمہ گویون کی جماعت ہے، اور کانگرس مین عنصر غالب غیر مسلمون کا ہے، اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اُس شخص کے جو اسلام کو حق نہیں جانتا، ظاہر ہے، کہ سہل ہے، ......

...... پس اس اصل کی بناء پر شرح صدر کے ساتھ میری یہ راے قائم ہوتی ہے، کہ مسلمانون کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ مین داخل ہو جانا چاہئے، پھر ان مین جو اہلِ قوت و اہلِ اثر مین اُن کو اپنی قوت و اثر سے اُس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، اور جو اہلِ قوت نہین وہ اہلِ قوت کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کر کے تقاضے کے ساتھ اصلاح مطلوب کی درخواست کرتے رہین،

یہ تو خلاصہ ہوا اپنے انتظام کا، باقی دوسرون کے ساتھ معاملہ تو اس انتظام کے بعد اگر کانگرس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد "وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" اس سے اصول شرعیہ کے موافق تیقظ و تدبر کے ساتھ اہلِ تجربہ و اہلِ علم و اہلِ فہم کے مشورہ سے صلح رکھین، مگر اپنی تنظیم کو اس وقت بھی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رکھین،

لہ اور ان کا متقی نہ ہونا...... مانع نصرت نہین ہو سکتا، اس کی متفق علیہ .... نظیر ترکی سلطنت ہے، کہ وہ بھی متقی نہ تھے، مگر صرف اس بنا پر کہ مخالفین اسلام کی مدافعت کرتے تھے، تمام اہلِ حق علما و مشائخ نے (جن مین ہمارے اکابر بھی ہین بلکہ پیش پیش رہے ہین) ہر موقعہ پر اُن کی نصرت کو دینی فریضہ سمجھا،

اس کو کمزور نہ ہونے دین، اور نہ کانگریس مین مدغم کرین، کہ شرع و تجربہ دونون کے اعتبار سے نہایت مضر ہے،

اور اگر بالفرض مسلم لیگ کی اصلاح سے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منظمہ صاحب قوت واثر تیار ہو جائے، تو اس صورت مین مسلم لیگ اور وہ دونون اتحاد واشتراک کے ساتھ کام کرین، تاکہ مسلمانون مین افتراق وتشتت نہ ہو، اور ان سب حالات مین قولاً وفعلاً و مالاً وتقریراً وتحریراً، موافق ومخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھین، جیسا کہ ارشاد ہے، قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن وغیرھا من الآیات،

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ از خود نہ کسی سے آویزش کی ضرورت اور نہ آمیزش کی، رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام مین لگے رہین، اور اس کی شرط یہ ہے کہ ہر کام مین اس کا پورا لحاظ رکھین کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پائے، یہی حیات مسلم کا اصل الاصول ہے، اور اس استقلال واستقامت کے ساتھ ہی دعا وابتہال کو اصل وظیفہ وتدبیر سمجھین، اور پھر نصرت حق کے منتظر رہین"

حزم واحتیاط تو حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کا خاص حصہ تھا، اس لئے اس فتوی کے آخر مین ایک نوٹ کا بھی اضافہ فرما دیا گیا ہے، کہ

یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائین، تو حکم بھی بدل جائیگا"

(افادات اشرفیہ مرتبہ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی ص ۱، تا ص ۵)

موجودہ حالات مین بھی ان شریک ہونے والون کا کام مسلم لیگ کے لئے صرف الکشن لڑنا لڑانا، جلسے کرنا، جلوس نکالنا، نعرے لگانا نہین، بلکہ اہل قوت و اہل اثر وغیر اہل قوت وغیر اہل اثر غرض ہر طبقہ کے شریک ہونے والون کا اصل ومقدم کام یہ ہے کہ دینی نقطۂ نظر سے لیگ کی اصلاح مین لگے رہین،

اس کی اہمیت کی بنا پر اس فتوے کے ایک اور ضمیمہ مین تاکید فرمائی گئی کہ

"جس جماعت مین داخل ہون اس کی اصلاح کی کوشش کرین، اور اُس مین مُنکر پر نکیر کرنا بھی آگیا، (یعنی خلاف دین باتون پر روک ٹوک کرنا) اصلاح اس تفصیل سے کیجائے کہ اہلِ قوت اپنی قوت سے اور غیر اہلِ قوت اُن اہلِ قوت کو آمادہ کرنے سے اور علمار سے علمی وعملی امداد حاصل کرنے سے کام لین، (افاداتِ اشرفیہ ص ۷۰)

اس لئے خوب سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ حضرت علیہ الرحمۃ کے خادمون یا غیر خادمون مین حضرت کے فتوے اور حضرت کا نام لے کر لیگ مین شرکت فرماتے ہین، اور پھر اپنی استطاعت بھر اس کی دینی اصلاح کا حق نہین ادا فرماتے، نہ اس کی خلاف شریعت باتون پر روک ٹوک فرماتے ہین، تو اُن کی شرکت کچھ ویسی ہی طفلانہ اور نادانی کی ہے، جیسے بعض بچون کو دیکھا کہ روزہ تو نہین رکھتے، مگر سحر کے وقت کھڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھتے ہین، اور سب سے پہلے کھا لینا چاہتے ہین، دینی نقطۂ نظر سے لیگ مین ایسی شرکت دراصل بے روزہ کا سحر وافطا ہے!!

اسی ضمیمہ مین حضرت نے اسی غایت حزم واحتیاط سے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی ایک شرط اور لگائی ہے، کہ

"یہ شرط ضرور ہے کہ اس تعاون مین جو اختلاط ہو، وہ دین کے لئے مضر نہ ہو، اور اُس کی اسلم صورت یہ ہے کہ عوام الناس ایسے لوگون سے مذہبی گفتگو نہ کرین، نہ سنین، یہ کام علمار پر چھوڑ دین،"

جس کی صورت یہی ہے کہ لیگ کے ایسے لیڈر جو دین کے عالم ومحقق نہین، وہ اپنے جلسون وغیرہ مین عوام کے اوپر کسی مسئلہ ومعاملہ پر دینی اعتبار سے ہرگز کوئی گفتگو نہ فرمائین، مگر اس کی احتیاط کون کرتا کراتا ہے، بلکہ آج کل کے لیڈرون کا تو یہ بڑا مرض ہے، کہ وہ قرآن وحدیث کا انگریزی اردو کچھ الٹا سیدھا ترجمہ پڑھکر دین کے محقق ومفتی بن جاتے ہین، اور بے باکانہ اپنی تحریرون اور تقریرون مین قرآن

حدیث کو پیش کرتے، اور اُن سے مجتہدانہ استنباط فرماتے ہین، جس کی بدولت خود ان کے اور اُن کی تحریرون اور تقریرون کے پڑھنے سننے والے عوام الناس کے ہاتھون مین دین جس طرح بازیچۂ اطفال اور اتباع ہوا اور اعجاب کل ذی رائے برائیہ کا آلہ بن گیا ہے، وہ دین کے حق مین ایک بڑا مہلک فتنہ ہے، جو قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ کی راہ سے داخل ہوگیا ہے،

اور اگر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق اس فتنہ کا اس طرح سد باب نہ کیا گیا، کہ خالص قومی و سیاسی لیڈر خود دین کے مفتی بننے کے بجائے اس کام کو علمار محققین اور اُن کے مشورے کے تابع کر دین تو مسلمانون کے رہے سہے دین کا بھی خدا ہی حافظ ہے، اس لئے لیگ مین شرکت فرمانے والے حضرات علمار کا دینی فریضہ ہے، کہ خود اکابر وا صاغر لیگ کی دینی اصلاح سے بھی پہلے اسی فتنہ کو آگے بڑھنے سے روکین،

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مذکورۂ بالا ضمنی ہدایت پر قناعت نہین فرمائی، بلکہ بعض شبہات کے دور فرمانے کے سلسلے مین اس کی پوری محققانہ ومجتہدانہ تفصیل فرمائی ہے، جو ملخصاً عرض ہے،

"سیاسیات کے دو حصے ہین، ایک ان کے احکام شرعیہ، یہ شریعت کا جزء ہے، اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہین، چنانچہ ابوابِ فقہ مین کتاب السیر ایک مستقل ومبسوط جزء ہے، جس کی درس وتدریس پر دوام والتزام ہے، اور دوسرا حصہ سیاسیات کی تدابیر تجربیہ ہین، جو ہر زمانہ مین حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل سے بدلتی رہتی ہین، یہ حصہ شریعت کا نہ جزء ہے، اور نہ علمار کا اس مین ماہر ہونا ضروری ہے،

لیکن اس حصہ کے شریعت کے جزء نہ ہونے کے یہ معنی نہین، کہ یہ شریعت سے مستغنی ہو، اور اس کے استعمال کرنے والون کو علمائے شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہین، کوئی واقعہ کوئی عمل، کوئی تجویز، اور کوئی رائے دنیا مین ایسی نہین، کہ جس کے جواز وعدم جواز کو

شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، گو وہ شریعت کا جزو نہ ہو، تو جزو نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہین آتا، جیسے فن طب مین سیاست بدنیہ یعنی اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہین، تو علمائے شرائع کا نہ ان تدابیر مین ماہر ہونا لازم ہے، اور نہ یہ عدم مہارت اُن کے حق مین نقص ہے، البتہ ان تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق اُن کا فرض منصبی ہے، (مثلاً یہ کہ فلان مرض کی فلان دوا یا تدبیر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز)

اسی طرح سیاسیات مدنیہ یعنی نظام ملکی کے ساتھ معاملہ کرنا لازم ہے، اور طریق عمل مین دونون جماعتون کے فرائض کو اس طرح جمع کیا جائے، کہ پہلی جماعت سے تدابیر کی تحقیق کرین، اور دوسری سے احکام شرعیہ کی، اسی طرح جہان نظام مذکور فرض ہو جائے تو دوسری جماعت بھی پہلی جماعت سے تدابیر دریافت کرے، اور بشرط جواز شرعی اُن پر عمل کرے، اور پہلی جماعت دوسری سے ان تدابیر کے شرعی جواز و عدم جواز کی تحقیق کرکے ثبوت جواز کے بعد عمل کرے،

"البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے، جیسا کہ اس وقت غالب ہے، تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہین، ورنہ مجان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کر دین گے، بلکہ وہ خود اپنے مین سے ایسی جماعت بنائین، جو علماً و عملاً سیاست و شریعت کی جامع ہو، اور یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہین، بلکہ سیاست بدنیہ، بلکہ تجارت و زراعت وغیرہ جتنے فرائض کفایہ ہین، سب کا یہی حکم ہے"،

حضرت مجدد وقت کی سیاسی تجدید کی رو سے اس وقت یہ جماعت جمعیۃ العلماء ہی کی ہو سکتی تھی، بشرطیکہ وہ اپنے کو کانگریس مین شریک اور عملاً مدغم نہ کر دیتی، جو حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک بصورت موجودہ

کسی طرح جائز نہین، اور جس کی اس درجہ مین دراصل کوئی ناگزیر صورت بھی نہ تھی، کہ اس کے ارکان و اکابر کانگرس مین کوئی عہدہ قبول فرماتے، یا اُس کے سیاسی پروگرام کی طابق النعل بالنعل اتباع کرتے اس لئے کہ کانگرس، قومیت کا زبان سے خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن عملاً وہ ایک ہندو جماعت ہوا اور ہندو ہی رہے گی، اور اس لئے جمعیۃ کی طرح اس مین شرکت کرنے والی علما رکی کسی جماعت کے متعلق (اس کی احتیاط کے باوجود) آسانی سے باور کیا، اور کرایا جاسکتا ہے، خصوصاً عام مسلمانون کو کہ وہ جماعت عام مسلمانون کے خلاف ہندوؤن کے ساتھ شریک اور اُن کا آلۂ کار بن گئی ہے،

ایسے مواقع تہمت سے دور رہنے کی مصلحت سے بھی، اور اصولاً بھی جمعیۃ العلمار کا اصل مقام کانگرس اور موجودہ لیگ (جب تک کہ وہ اپنی سیاسی تدبیرین شرعی جواز و عدم جواز کے تابع نہ ہو جائے) دونون سے بلند و جدا رہنے ہی کا تھا، البتہ لیگ بہرحال بُرے بھلے کلمہ گو مسلمانون کی جماعت ہے، اس لئے اس کی دینی اعتبار سے اصلاح کی طرف دلسوزی کے ساتھ ہر ممکن طریق و تدبیر سے زیادہ توجہ فرمانا چاہئے تھا، تو عام مسلمان بھی قدرتہً یہی محسوس کرتے، کہ جمعیۃ العلمار مسلمانون یا مسلم لیگ کی مخالف نہین ہے، بلکہ خیرخواہانہ اس کی دینی اصلاح کی ساعی ہے،

گو راقم ہذا کے چھوٹے مُنہ کے لئے یہ بڑی بات ہے، تاہم ایک قلبی تقاضے کی بات ہے، اس لئے عرض ہے، کہ کاش اب بھی جمعیۃ العلمار کے اکابر اس پر غور فرمائین، خصوصاً جب کہ بظاہر اب ہندوستان کی آزادی اور انگریزون سے کچھ دیر یا سویر کلو خلاصی یقینی نظر آرہی ہے، تو جمعیۃ کی شرکت و عدم شرکت یا تائید و عدم تائید سے کوئی معتدبہ فرق اس مین قطعاً واقع نہین ہو سکتا، اور جمعیۃ کا اصل مقصد کانگرس کا ساتھ دینے سے انگریزون سے نجات ہی حاصل کرنا ہو سکتا تھا،

نیز اس صورت مین حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے نسبت یا عقیدت کا دعویٰ رکھنے والے علمار کا بھی فرض ہوگا، کہ وہ حضرت کی اس مذکورۂ بالا مجددانہ ہدایت و ارشاد کے بموجب جمعیۃ العلمار مین شامل

ہو جائیں[1] کہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہلِ سیاست کی ایسی نہ ہو کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے جیسا اس وقت غالب ہے...... تو علماء خود اپنے مین ایسی جماعت بنائین، اس لئے کہ لیگ بہرحال نہ اس وقت ایسی جماعت ہے، اور نہ مستقبل قریب مین ہونے کی توقع ہے، **جو علما سے احکام شریعت پوچھ پوچھکر عمل کرے،**

باقی اگر لیگ آج ہی ہمت باندھ کر ایسی جماعت بنجائے تو پھر علماء کو سرے سے ایسی سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت نہین، اور اس باب مین اُن کا فرض منصبی صرف یہ رہ جائے گا، کہ لیگ کی پیش کردہ سیاسی تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق فرمادیا کرین، اور اپنا اصل وقت **نیابتِ نبوت** کے اصل فرض منصبی یعنی مسلمانون اور غیر مسلمانون کی دینی اصلاح و تبلیغ مین صرف فرمائین، اس فرض مین غفلت وکوتاہی نہ ہوئی ہوتی، تو آج اگر جمعیۃ العلماء کسی عارضی و وقتی مصلحت کی بنا پر بالکلیہ بھی کانگرس اور ہندوؤن کے ساتھ شریک ہو جاتی، تو عام مسلمانون کو ہرگز کسی بے اعتمادی و بدظنی کا موقع نہ ہوتا، اور نہ وہ اس طرح علماء کا دامن چھوڑ بھاگتے،

حضرت کے کسی عزیز نے بھی کچھ ایسی ہی باتین تحریر کی تھین جن کی توثیق فرما کر بلفظہ حضرت نے اپنے اسی مضمون بالا مین نقل فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے علماء کا سیاسی جماعت سے علٰحدہ رہنا اولیٰ ہے، کیونکہ اس وقت

"عام سیاسی لیڈر ملکی مصالح کو دین پر مقدم رکھتے ہین، اور مصلحت و مذہب مین تعارض ہوتا ہے، تو مذہب مین بعید سے بعید تاویل کرنے مین دریغ نہین کرتے، چنانچہ (سیاست مین شریک ہونے والے) علماء بھی اس مین مبتلا ہوتے ہین، اور ان کی تاویل چونکہ برنگ دین

---

[1] لیکن جمعیۃ علماے اسلام کلکتہ حضرتؒ کے اجل خلفاء و رفقا کے ساتھ انھی مقاصد کو لے کر تو وجود میں آچکی ہے، (عبدالماجد)

ہوتی ہے، اس لئے وہ عام مسلمانوں کو زیادہ غلطی مین مبتلا کرتی ہے، لہذا اس وقت طریق کار مفید یہ ہو سکتا ہے، کہ سیاسی جماعت علحدہ ہو، اور مذہبی علحدہ، اور مذہبی جماعت اپنا تبلیغ کا اصل کام اس طرح انجام دے کہ مسلمانون کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے، کہ وہ شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے،

اور چونکہ موجودہ زمانہ مین سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھکر عمل کرنے کی عادی نہین اس لئے علماء کے ذمہ تھا، کہ خود اُس جماعت کے پاس پہنچتے، اور احسن طریق سے تبلیغ کرتے مگر افسوس کہ علماء مسلمانون کی مخالف جماعت مین داخل ہو کر مسلم جماعت کے لیڈرون کا مقابلہ کرتے ہین، جس سے ان لیڈرون کو بھی علماء کے مقابلہ کی جرأت ہوگئی، اگر علماء اپنا اصل کام تبلیغ ہی رکھتے، جو اصل سیاست تھی، کہ مسلمانون کو سچا مسلمان بنا دیا جائے تو آج جس وقار و عظمت کے کھونے کی علماء شکایت فرماتے ہیں، اس میں چار چاند لگ جاتے، اور تبلیغ دین کا ثواب آخرت مزید بران، ...... موجودہ طرز مین لیڈرون کو مقابلہ کا موقع دینے سے علماء کی عظمت و وقعت مسلمانون کے دلون سے نکلی جارہی ہے، جو مسلمانون کے دین کو ہمیشہ کے لئے مضر ہو رہی ہے، بخلاف اس کے اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈرون کو سنبھالتے، تو اس طرز مین شرعی طریقہ پر ہندوستان مین مسلمانون کے حقوق کی محافظت بھی ہوتی، اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی، (افادات اشرفیہ ص ۹۴)

خود حضرت علیہ الرحمہ کو آخر وقت تک اصلی فکر لیگ اور اکابر لیگ کو دین کی تبلیغ اور دینی اصلاح ہی کی رہی، وفات سے تین مہینے قبل لیگ کی طرف سے ایک دعوت نامہ کے جواب مین خود تشریف لے جانے کی معذوری کے ساتھ تحریر فرمایا کہ

"اپنی دو کتابون کا پتہ دیتا ہون جو انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلون کے لئے پیام عمل ہے،

ایک حیاۃ المسلمین شخصی اصلاح کے لئے اور دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے، ان کے مضامین اپنے موضوع میں رنگین نہیں لیکن سنگین ہیں، وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار میں، ورنہ بدون عمل یہ سب کوشش اس کا مصداق ہو گی، کہ نشستند و گفتند و برخاستند۔ ...... اگر یہاں مل گئیں، تو دونوں کتابیں ہدیۃً روانہ کروں گا، ورنہ دہلی میں تلاش کی جائیں، پھر حیوٰۃ المسلمین مل گئی اور روانہ بھی فرمادی،

گو یہ بالکل واضح ہے کہ حضرت کا آخر وقت تک رجحان (خواہ بطور راہون البلیتین) رہا لیگ ہی کی جانب، لیکن مندرجۂ بالا فتوے میں حضرت نے جو بنظر احتیاط یہ قید بڑھادی تھی، کہ "یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالت بدل جائے، تو حکم بھی بدل جائے گا"

اسی احتیاط نے اب لیگ کے عملِ اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وغیرہ کی خانہ جنگی میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی کے واقعات کے بعد ایک پیشینگوئی کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے کہ اوپر یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے، کہ اسلامی باقاعدہ جہاد و قتال کے تمام شرائط جب تک جمع نہ ہوں، اُس وقت حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس طرح کی خونریزی کو دعوت دینا تو درکنار، صریح مظلومیت کی حالت میں بھی صبر کے سوا جیل جانے تک کے مروجہ طریقے قطعاً ناجائز اور خودکشی کے مرادف ہیں، ایسی صورت میں لیگ سے تو امید نہ تھی، کہ وہ حضرت کے حکم وارشاد سے اپنی اس تجویز کو بدلتی، البتہ حضرت ہی شرکت لیگ کی تائید و ترجیح کے فتوے کو غالباً عدم جواز سے بدل دیتے، لہذا حضرت کے مسلک یا خود حضرت سے عقیدت رکھنے والے علماء جو لیگ میں شریک ہیں ان کو اس کی طرف پہلے پوری قوت سے لیگ کو توجہ دلا کر پھر خود اپنے تعلق کا فیصلہ فرمانا چاہئے[۱]

---

[۱] اس مضمون کی اشاعت سے پہلے لیگ نے بھی عارضی حکومت میں شرکت قبول کر لی ہے، اس لئے سردست اس "عمل اقدام" کی باقاعدہ تجویز کو تو عمل میں لانے کی غالباً ضرورت نہ ہو گی، لیکن بے قاعدہ نوا کھالی وغیرہ میں جو کچھ ہوا ہے اس کی روک تھام سب کاموں پر مقدم ہے، اور آیندہ کے لئے اس کے سدباب کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، (عبدالماجد)

فتوی مین اس مذکورۂ بالا احتیاط کے علاوہ لیگ کے اجلاس پٹنہ (۱۳۵۷ھ) کے موقع پر حضرت نے ایک خاص وفد کی معرفت لیگ کو جو پیام روانہ فرمایا تھا کہ "مایوس ہونے تک اپنی طرف سے ان دونون دعوتون کو یعنی عامۂ مسلمین کو لیگ کی طرف اور لیگ کو احکام دین کی طرف ترک نہ کیا جائیگا" اس کا منشا یہی تھا کہ لیگ کی سعی تو پوری اور ہر طرح کی جائے، لیکن آخر ہر سعی کی ایک حد ہوتی ہے، اور مایوسی کے بعد لازمًا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے،

اس پیام مین حضرت علیہ الرحمۃ نے عام احکام دین کے ساتھ دو باتون کے تقدم و اہتمام پر خصوصیت سے متوجہ فرمایا تھا، ایک نماز دوسرے اسلامی وضع وہیئت و لباس" مگر اس آٹھ سال کے طویل عرصہ مین لیگ نے ان دو باتون کی طرف بھی اصولًا یا عملًا اتنی توجہ تک نہین کی کرائی جتنی کانگرس مین کھدر پوشی کی طرف ہے، ایسی حالت مین سیاسی تدابیر وغیرہ مین عام احکام دین کی اتباع کی کب اور کیا امید ہوسکتی ہے، تاہم احقر کے نزدیک حضرت علیہ الرحمہ کے مسلک احتیاط کا تقاضا ہے، کہ علماء اور غیر علماء دونون مین جو حضرات دین کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہین، اور ساتھ ہی کچھ قوت و اثر رکھتے ہین، وہ اپنی پوری طاقت سے لیگ کو اس پر کم از کم ایک دفعہ اتمام حجت کے لئے متنبہ فرماکر اور کم و بیش ایک سال کی کوئی مقررہ مدت اس سے طے فرماکر ایک موقع اور دین، اور اس مدت مین اگر ان دو باتون پر بھی کوئی معتد بہ عمل نہ ہو، تو پھر حضرت سے عقیدت و نسبت کا دعوی رکھنے والون کو ضرور سوچنا چاہئے، کہ کیا مایوسی کے لئے حضرت کی مراد کوئی نامتناہی مدت تھی،

اس سلسلہ مین حضرت مجدد نے اس غلط فہمی کو بھی دور فرمایا، کہ دین کے علماء کا سیاست کی تدابیر و تجربات مین ماہر ہونا نہ لازم ہے، نہ کوئی نقص، جب خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا سلاطین ہونا نہ ضروری ہے، نہ اُن کے کمالات دین و نبوت مین، اس سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے، تو پھر علمائے دین کا کیا ذکر، فرماتے ہین کہ

"ہر چند کہ یہ بدیہی و جلی ہے، اور خفی بھی ہوتا، تب بھی طبی مثال سے تنبہ کے بعد جلی ہو گیا، مگر
تبرعاً بعض آیات سے زیادہ منور کئے دیتا ہون، سورۂ بقر کی آیات الم تر الی الملاء من
بنی اسرائیل من بعد موسیٰ الیٰ قومہ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان
اللہ مبتلیکم بنھر کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہو کہ (حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد قوم جالوت
کے ظالمانہ تسلط سے تنگ آکر) بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے عرض کیا کہ ہمارے لئے
ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، جس کے ساتھ ہم مل کر قوم جالوت سے جہاد کرین، انھون نے فرمایا
کہ اچھا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، جو اس بات پر نص ہے، کہ
بنی اسرائیل نے باوجود ان مین ایک نبی موجود ہونے کے ان سے یہ نہین کہا کہ آپ ہمارے قائد
بنجائیے، بلکہ ایک مستقل بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی، سو اگر وہ نبی کافی سمجھے جاتے تو
ایسی درخواست کیون کی جاتی، یا اگر یہ درخواست غلط تھی، تو اُن کے نبی یا پھر اللہ تعالیٰ
نے اس پر تنبیہ کیون نہین فرمائی، بلکہ درخواست کو بلا نکیر قبول فرمالیا، اس سے صاف معلوم
ہوا کہ خود سری کے لئے بھی سیاست مین تجربہ و مناسبت لازم نہین تا بہ دیگران چہ رسد،
اگر یہ شبہہ ہو کہ بعض کے نزدیک طالوت بھی نبی تھے، تو ہمارا مدعا اس پر موقوف نہین، بلکہ
ایک نبی کے موجود ہونے پر اُن سے یہ کام نہ لینا، اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ
نبوت کے لئے کمال سیاست لازم نہین، (اور نہ اس کمال کا عدم کوئی نقص ہے) اس کی وجہ
یہ ہے کہ کمال اور نقص متناقض نہین، بلکہ متضاد ہین، کہ دونون کا رفع اور درمیان مین واسطہ کا
ہونا جائز ہے، چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے، مگر اس کا عدم بھی نقص نہین، ورنہ بجز حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع انبیاء کا نقص لازم آئے گا، نعوذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست مین بھی ماہریت غزوۂ احزاب مین خندق کی تدبیر

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی،..... قصۂ تابیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وَاَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ ایسے ہی تجربات پر محمول ہے، اور راز اس کا یہ ہے، کہ ایسے تجارب و تدابیر بذاتِ خود دنیوی امور ہیں، گو مباح ہوں کسی عارض سے دین ہو جاتے ہیں، اس لئے اُن کا نہ جاننا کسی درجہ میں بھی کمال مقصود کے منافی نہیں"، (افادات ص ۹۳)

جماعتِ اسلامی کے حضرات بھی اس پر غور فرما سکتے ہیں، جو حکومت و سیاست پر اس طرح اور اتنا زور دیتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے بغیر انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلمان مسلمان رہ ہی نہیں سکتے، اور اس لئے سیاست کو مستقل دعوت کی صورت دیدی ہے،

بہرحال علمار کو یہ نہ خیال فرمانا چاہئے، کہ سیاسی تدابیر و تجربات کا علم و مہارت اُن کے عالم دین ہونے کا کوئی لازمی جزء ہے، یا مروجہ سیاسیات کانگرس و لیگ وغیرہ کسی نہ کسی میں عملاً شریک ہونا اُن کا ہر صورت میں دینی فریضہ ہے، بلکہ اُن کا اصل دینی فریضہ مسلمان عوام و خواص سب کو صرف احکامِ دین پہنچا دینا ہے، البتہ مسلمان عوام و خواص سب کا یہ دینی فریضہ ہے، اور اسی میں اُن کے لئے دین و دنیا کی فلاح ہے کہ وہ اپنی سیاسی یا غیر سیاسی زندگی میں کوئی قدم بھی دینی اعتبار سے علمار کے فتوے اور اُن سے مشورے کے بغیر نہ اٹھائیں، اور علمار کو اپنے تابع بنانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ مسائلِ دین میں خود کو بالکلیہ اُن کے تابع رکھیں، نہ کہ اُلٹے اُن کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کریں، مسلمانوں کے نظامِ حیات کی صحت اور اُن کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے لئے یہ امر اس درجہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدید دین کا اہم جزء ہے، کہ مواعظ و ملفوظات میں بار بار اور طرح طرح اس پر متنبہ و متوجہ فرمایا ہے، تواصی بالحق نام کے وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علمار کو اول تو آگے کرتے نہیں، اور اگر کریں بھی تو اس طرح جیسے بہلوان کا بیل امام ہوتا ہے، کہ آگے تو وہ رہے، مگر بہلوان کے اشارہ پر چلتا رہے"

اسی طرح علما بھی جھنڈا لے کر آگے رہین، مگر کنکھیون سے مقتدیون کے اشارے کو دیکھتے رہین

کہ ان کی مرضی کیا ہے، جیسے امام نماز مین بھولتا ہے، تو مقتدیون کو تاکتا ہے"

مطلب یہ کہ علما اس زمانہ کی رفتار کے موافق سیاسی امور مین دخل بھی دین اور لیڈرون کی

خوشامد بھی کرتے رہین، ان کی رائے کا اتباع بھی کرتے رہین، کہ جہان ان کی زبان سے کوئی

کلمہ نکلے، فوراً ہدایہ وغیرہ سے اس کا فتوی نکالدین، اور جب ان کی رائے بدلے، تو ہدایہ ہی سے

پھر اس کے خلاف بھی نکالدین، سو یاد رکھو، جو عالم حقانی ہوگا، وہ دین کے معاملے مین کسی کی

رعایت ہرگز نہ کرے گا، اور نہ کسی کی موافقت و مخالفت کی پروا کرے گا، وہ خدا کی رضا کے

سامنے تمام دنیا پر لات مارتے ہین، سارا عالم بھی اُن کے خلاف ہو جائے، تب بھی شریعت سے

سرمو تجاوز نہ کرین گے، چاہے اس مین خود اُن کی عزت ہو یا ذلت"

مرض پر اس طرح تنبیہ کے بعد آگے اصلاحی وتجدیدی مشورہ ہے کہ مسلمانون کی دین و دنیا کی خیر

اسی مین ہے کہ علما کا اتباع کرین، البتہ وہ علما واقعی علما ہون،

"صاحبو! اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو علما کا اتباع کرو ان کو متبوع بناؤ، تابع نہ بناؤ، ہان

ان مین انتخاب کر لو، جو قابل ہون، ان کا اتباع نہ کرو، کیونکہ محض کتابین پڑھ لینے سے آدمی

عالم نہین ہو جاتا، علم دوسری ہی چیز ہے، جیسے طب کی کتابین پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہین بن جاتا، بلکہ

جس کو ملکۂ علاج حاصل ہو جائے، وہی طبیب ہوتا ہے، اسی طرح حدیث و قرآن و فقہ کی کتابین

پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہین ہوتی، محض الفاظ یاد ہو جاتے ہین، حقیقت علم حاصل ہونے

کے لئے کتابون کے سوا ایک اور چیز کی ضرورت ہے،

نہ کتابون سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگون کی نظر سے پیدا

یعنی محبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے جس سے آج کل کے اکثر علمار کورے ہیں، الا ماشار اللہ،

یعنی وہی کہ طبیب محض کتابوں سے نہیں بلکہ کسی ماہر و تجربہ کار طبیب کے مطب میں بیٹھکر اور اس کی صحبت و تربیت سے طبیب بنتا ہے، اسی سلسلہ میں ایک اس غلط فہمی کی بھی اصلاح و ازالہ فرمایا گیا ہے کہ علماء دنیا و سیاست کے معاملات کو نہیں سمجھتے، اس لئے اُن کو ان معاملات میں دنیا داروں اور لیڈروں ہی کا اتباع کرنا چاہئے، ارشاد ہے کہ

"دنیا داروں کا یہ خیال کہ علمار کو دنیا کی خبر ہی نہیں، اس کو ہم زیادہ جانتے ہیں، اس لئے دنیوی معاملات و سیاسیات میں ہمارا اتباع کرنا چاہئے، میں کہتا ہوں کہ ان معاملات میں علمار کس جزر کو نہیں جانتے، آیا اُس جزر کو نہیں جانتے، جو محض دنیا ہے یعنی واقعات تو اُن کے واسطے فخر ہے، مولانا فرماتے ہیں،

تا بدانی ہر کرا یزدان بخواند　　　از ہمہ کارے جہان بیکار ماند

اور اگر یہ کہو کہ ان معاملات میں جو جزو دین کا ہے یعنی ان واقعات کے احکام وہ علمار نہیں جانتے تو یہ بالکل غلط ہے، درسرا سے اگر کپڑا بنانا یا جوتا سینا نہیں جانتا تو یہ اس کا نقص نہیں، بلکہ فخر ہے، اس کا اصلی کام پیشوں وغیرہ کے متعلق ملکی و سیاسی قوانین جاننا اور احکام دینا ہے [۱]

اسی طرح علمار کو دنیا کے کام کرنا تو نہیں آتے، لیکن احکام ہر کام کے معلوم ہیں، تم اپنے معاملات کو اُن کے سامنے پیش کرو، پھر دیکھو وہ فتوی دیتے ہیں یا نہیں بس جو علمار احکام کے جاننے والے اور بے غرض ہوں، اُن کو مقتدا بناؤ، تابع نہ بناؤ،

صاحبو! سیاست کو بھی وہی لوگ زیادہ جانتے ہیں، جن کو تم دنیا سے بے خبر و تاریک خیال

---

[۱] یہ اقتباسات سب تو اصی بالحق سے ماخوذ ہیں، کہیں کہیں اختصار یا توضیح کے مدنظر کچھ لفظی قلیل تصرف کے ساتھ، از ص ۲۶ تا ۲۹،

کہتے ہو، کیونکہ وہ شریعت کو تم سے زیادہ جانتے ہین، اور شریعت نے سیاست کے اصول بھی سب سے بہتر بتلائے ہین"

غرض کہ مسلمانون کے لئے دنیوی وسیاسی معاملات مین بھی خیر و فلاح کی صورت یہی ہے کہ وہ ان کے متعلق شریعت کے احکام کو بے غرض علماے حقانی سے معلوم کرتے، اور ان کا اتباع کرتے رہین،

لیکن اس بدقسمتی کو کیا کیجئے، کہ ایسے علماے حقانی رہ کتنے گئے ہین، اگر ایک طرف دنیا دار مسلمانون یا سیاسی لیڈرون کو خوشامدی علما، یا بہلوان کے بیلون کی تلاش رہتی ہے، تو دوسری طرف ملتے بھی تو زیادہ ایسے ہی ہین، جن کی بدولت اسلام اور مسلمانون دونون کی رسوائی کے ایسے ایسے شرمناک واقعات پیش آتے رہتے ہین، کہ بس حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زبان سے یہی کہنے کو جی چاہتا ہے، کہ آسمان کیون نہین پھٹ جاتا اور زمین کیون نہین شق ہو جاتی!

آج کل کا ایک بالکل تازہ منظر ملاحظہ ہو، کہ یوپی کی کونسل مین زمینداری کے ختم کرنے کا قانون کانگرسی حکومت کی طرف سے پیش ہے، اور ہمارے ایک عالم ماشاء اللہ خود حکومت مین شریک ہین، اور ایک دوسرے عالم لیگ کی طرف سے مخالف صف مین تشریف فرما ہین، شریعت مین زمینداری (یعنی زمین خرید کر اس کو لگان پر اٹھانا) گناہ ہے، نہ حرام، بلکہ ایسے زمیندار یا مالک زمین سے بلا اس کی رضامندی کے اس حقوق ملکیت سلب کر لینا البتہ ناجائز ہوگا،

یہ دوسرے لیگی عالم مشاہیر علماے حقانی کے ایک بڑے مشہور گھرانے کے ہونہار چشم وچراغ ہین لیکن شریعت سے زیادہ لیگ کی اتباع مین حکومت کی تجویز کے مخالف ہین یعنی یہ نہین کہ جس چیز کو شریعت نے حلال و جائز ٹھرایا ہے، اس کو ناجائز قرار دینے والون کی ہر حال مین غیر مشروط مخالفت کرین، بلکہ اس کے بجائے اس انتقام پر راضی ہین، کہ اچھا اگر زمینداری کو ختم کرتے ہو تو ہم تمھاری تائید کرین گے، مگر اس شرط سے کہ ساتھ ہی مہاجنی وسرمایہ داری کو بھی ختم کر دو!

اس علم و اقرار کے باوجود کہ زمینداری کی حمایت ہمارے لئے باعثِ شرم نہیں، کیونکہ زمینداری شرعًا ممنوع نہیں، اور نہ مذہب نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، پھر خدا جانے کس منطق سے اس شرعی جواز کو "عدم جواز" میں تبدیل کر دینے کی تائید محض مسلم لیگ کی ترمیم و شرط سے جائز ہو گئی، جو یہ ارشاد ہوا کہ جب مسلم لیگ کی ترمیم میں تنسیخ زمینداری کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو ہماری اس ترمیم کو حکومت کیوں نہیں منظور کرتی اور زمینداروں کے ساتھ سرمایہ داروں، سود خواروں، مہاجنوں اور بنیوں کو کیوں نہیں ختم کرتی ہے،

(روزنامہ تنویر ۱۹ اگست ۱۹۴۷ء)

نیز سود خوری و مہاجنی کے ساتھ نفس سرمایہ داری سے عداوت بھی آخر اسلامی شریعت کی کس دفعہ کی رو سے ہے؟ اگر کوئی شخص تجارت یا صنعت و حرفت وغیرہ کے جائز شرعی ذرائع سے ارب پتی بھی ہو جائے، اور زکوٰۃ وغیرہ کے شرعی واجبات و حقوق بھی پورے پورے ادا کرتا رہے، تو کیا اس کی یہ سرمایہ داری حرام ہے، بس وہی کہ بہلوان لیڈر کا اشارہ جدھر ہو جائے، !

لیکن علم و تفقہ کے کمال کا بڑا مظاہرہ اس مسئلہ میں دوسرے شریک حکومت "مولانا" نے فرمایا جو جمعیۃ العلماء کے نمائندے ہیں، اور ایک دینی عربی مدرسہ کی خدمت کو خیرباد فرما کر ابھی ابھی سیاسی خدمات کے صلہ میں حکومت کی ذرا گراں قدر کرسی پر بٹھا دیئے گئے ہیں، بس رحمان ہی ان کو شیطان کے شر سے "محفوظ رکھے"، انھوں نے تو بے خوف و خطر زمینداری کی سرے سے حرمت ہی کا فتویٰ صادر فرما دیا، کہ حکومت کا فرض ہے کہ اس نظام (زمینداری) کو قطعًا منسوخ کر دے" اور استدلال میں یہ عالمانہ تفقہ ملاحظہ ہو، کہ یہ زمینداری آئین شریعت کے نہیں، بلکہ آئین قدرت کے خلاف ہے، جس طرح سورج کی کرنوں کا کوئی ٹھیکہ دار نہیں ہو سکتا، جس طرح ہوا کسی خاص جماعت کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتی، جس طرح پانی پر کسی خاص طبقہ کو قبضہ نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح زمین جو قدرت کا ایک فیاضانہ عطیہ ہے، جو تمام جانداروں کی ضروریات زندگی کے لئے ہے، کسی جماعت یا شخص کو حق نہیں پہنچتا، کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ

زمین پر قبضہ کرکے دوسرے انسانوں کو ضروریات کی آسایش و آرام سے محروم کردے"

سبحان اللہ کیا تحقیق انیق ہے. با ائمہ مجتہدین سے لے کر اس وقت تک ساڑھے تیرہ سو سال مین سلف و خلف کے بڑے چھوٹے فقہا، مین بھلا کیون کسی کو یہ تفقہ فی الدین میسر ہوا ہوگا، کہ زمین کی ملکیت کو آفتاب کی کرنون کی ٹھیکہ داری کے حکم مین داخل فرمایا ہو، نعوذ باللہ من شرور انفسنا! پھر ان مولینا کے صیغہ کا بھی یہ معاملہ نہ تھا کہ ایسی مجتہدانہ تقریر فرمانا فرض منصبی ہوتا،

بس ان سارے مفاسد کا منشاء و سرچشمہ وہی خشت اول کی کجی ہے کہ حکومت و سیاست کے عصری تصورات کو مسلمانون نے بھی بالذات مطلوب و مقصود بنا لیا ہے، جو اسلامی تصور کی رو سے مسلمانون کی ترقی نہین بلکہ ان کی اسلامی زندگی کی موت ہے اور حضرت مجدد العصر علیہ الرحمہ کی اس باب مین بھی اصلاح و تجدید کا مرکزی نقطہ وہی ہے، کہ مسلمانون کا مقصود بالذات ہر شعبۂ حیات کی طرح حکومت و سیاست سے بھی بالکلیہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہونا چاہئے، جس کا راستہ ایمان و عمل صالح ہے، یعنی اپنی استطاعت بھر ناموافق سے ناموافق حالات[لہ] محکومی مین بھی انفرادی و اجتماعی زندگی مین شریعت کے احکام و حدود کا اتباع، ہماری ساری فکر و تدبیر بالذات اپنے ایمان اور اعمال ہی کی تصحیح و تکمیل مین صرف ہو، باقی حکومت جس کا قرآنی اصطلاح مین استخلاف فی الارض نام ہے، وہ ایمان و عمل صالح پر حق تعالیٰ کی طرف سے موعود ہے، استخلاف فی الارض کے معنی ہی یہ ہین، کہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے اس کی زمین پر اسی کے احکام کا نافذ کرنا تو جن لوگون نے خود اپنے اوپر ان احکام کو نافذ کیا ہو، اُن سے خدا کی زمین اور دوسرون پر نافذ کرنے کی کیا توقع کیجا سکتی ہے، اور وہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے متوقع کس منہ سے ہو سکتے ہین؟

لہ حضرتؒ کا اصل مسلک و مذاق سیاسیات کے باب مین سمجھنے کے لئے بہتر ہوگا کہ اُن کے خلیفۂ خاص اور مسترشد با اختصاص مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کا رسالہ مسائل سیاسیہ ضرور ملاحظہ کر لیا جائے، (عبد الماجد)

بلکہ مخلص لہ الدین" مومن کی اصل شان تو یہ ہے کہ اس کا مقصود ایمان و عمل صالح سے بھی یہ موعود استخلاف نہیں ہوتا، اس کی نظر میں یہ بھی شرک ہے، اس کا مقصود تو خالص خدا اور رسول کی رضا ہی، اس رضا کے ساتھ اگر اس کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے، تو خدا کی ناراضی کے مقابلہ میں اس کو گوارا کرے گا، اور ہفت اقلیم کی بادشاہت پر بھی لات مارے گا، ! مومن مخلص کا مقصود و مطلوب صرف حق تعالیٰ ہیں باقی سب ان کی نظر میں چھوٹے بڑے بُت ہی ہیں،

پرسی کہ کرا خواہی از خیل بتان جامی

من از تو ترا خواہم غیر از تو مرا خواہم

لُبِ لباب

قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ کے باب میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدیداتِ دین کا لُبِ لباب تفصیلاتِ بالا کے پیش نظر یہ نکلا کہ

۱۔ مسلمانوں کے قومی و باطنی مزاج یا مَا فِی اَنفُسِہِم کا قیاس غیر مسلم اقوام پر قیاس مع الفارق ہی، مسلمانوں کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ ان کی دینی ترقی کے تابع یعنی اس پر موقوف ہے کہ یہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر قدم پر احکامِ دین کے اتباع کا پورا پورا التزام رکھیں،

۲۔ لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر فرد یا ہر جماعت دینی احکام کے ساتھ دنیوی یا قومی و سیاسی تدابیر و تجربات کی بھی ماہر و جامع ہو، بلکہ عام طور پر یہ جامعیت نہ ہوتی ہے، اور نہ مطلوب ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ جو افراد یا جماعات احکامِ دین کی ماہر و محقق نہیں، وہ امورِ دنیا میں جو تدابیر اختیار کریں، اُن کا شرعی حکم پہلے علمائے دین سے معلوم کر لیں،

۳۔ اور عام حالات میں محققین دین اور مدبرین دنیا کی جماعتوں کا الگ الگ ہونا جائز، بلکہ اکثر

صورتوں میں اسلم وانسب ہے جیسا کہ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الخ اور انتم اعلم بامور دنیاکم وغیرہ نصوص سے ظاہر ہے،

۴- ہاں اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہوجائیں، کہ امورِ دنیا کو انجام دینے والی جماعتیں "داعی الی الخیر" جماعت کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پروا نہ کریں، اور تدابیر دنیا میں احکام دین معلوم کرکے جواز و عدم جواز پر کاربند نہ ہوں تو بطور فرض کفایہ واجب ہوگا، کہ احکام دین کے ساتھ ساتھ علماء کی ایک جماعت امور دنیا کی بھی ماہر و جامع ہو، جس میں صرف سیاسیات ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ معاشیات وغیرہ حسب ضرورت وحسب موقع تمام معاملاتِ دنیا داخل ہیں،

۵- اب ہندوستان کے خاص موجودہ حالات کے لحاظ سے اس وقت امور سیاسیہ کی دو بڑی جماعتیں موجود ہیں، کانگرس اور مسلم لیگ، لیکن کانگرس خالص مسلمانوں کی جماعت نہ ہے اور نہ ہوسکتی ہے اور نہ اس سے خالص اسلامی احکام کے تحت خالص مسلمانوں کے سیاسی حقوق ومنافع کی حفاظت ونگرانی کی توقع یا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، اس لئے کانگرس مسلمانوں کے لئے امورِ سیاسیہ کے انصرام کی کوئی مستقل جماعت نہ ہے اور نہ ہوسکتی ہے،

۶- بلاشبہ کسی تیسری طاقت کے مقابلہ میں جو ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی یکساں دشمن ہو، اس کے رفع شر کے لئے غیر مسلموں کی کسی جماعت کے ساتھ کوئی وقتی و عارضی عہد و پیمان یا اتحاد عمل کیا جاسکتا ہے، وہ بھی احکام شریعت کے شرائط وحدود کے اندر رہکر، اور عارضی ضرورت کی صرف عارضی مدت تک، ان شرائط میں ایک بڑی شرط یہ ہے کہ اس غیر مسلم جماعت میں مسلمانوں کی حیثیت مغلوب و تابع کی نہ ہو، بلکہ غالب و متبوع کی،

۷- اور کانگرس میں مسلمانوں کی ادغامی شرکت کی نہ موجودہ صورت ایسی ہے، نہ آیندہ اس کا کوئی عملی امکان ہے، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک کانگرس کی تنظیم میں مدغم ہوکر داخل یا

شریک ہونا تو مسلمانون کے لئے قطعاً ناجائز اور دین و دنیا دونون کے لئے سراسر زیان و ضرر ہے،

۸۔ لہذا کانگرس کے ساتھ کسی عارضی یا وقتی اتحاد عمل کے لئے بھی ضروری ہے، کہ مسلمانون کی کوئی بالکل مستقل و جداگانہ سیاسی تنظیم ہو، جو کانگرس کی تنظیم کے ساتھ مساویانہ طاقت کی حیثیت سے کوئی معاہدہ مشترک دشمن کے مقابلہ یا مسلمانون کے کسی اور مشترک مفاد کے لئے کرسکتی ہو،

۹۔ بصورت موجودہ ایسی جماعت ظاہر ہے، کہ صرف مسلم لیگ ہے، اس لئے اس کے نقائص کے باوجود کانگرس کے مقابلہ مین اس کی شرکت کو مسلمانون کے حق مین حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ نے اہون واسلم تجویز فرمایا ہے،

۱۰۔ مگر چونکہ مسلم لیگ اب تک اپنی تدابیر سیاسیہ مین اصولاً یا عملاً احکام دینیہ کی تابع نہین، اس لئے اس مین شرکت کی شرط حضرت نے یہ قرار دی ہے، کہ اہل قوت و اثر اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح مین برابر ساعی رہین، اور غیر اہل قوت برابر اہل قوت سے اس کا تقاضا و مطالبہ کرتے رہین، اور علماء خاص طور پر اکابر لیگ کو احکام دین کے اتباع کی دعوت و تبلیغ فرماتے رہین،

۱۱۔ پھر بھی اگر لیگ کی اصلاح مین کامیابی نہ ہو، یا مستقبل قریب مین متوقع نہ ہو، تو حضرت کی ہدایت و ارشاد کے مطابق اس کے سوا چارہ نہین، کہ خود علماء ہی کی کوئی ایسی جماعت ہو، جو محقق دین ہونے کے ساتھ مدبر سیاست بھی ہو، یا بنے اور بطور فرض کفایہ کے امور سیاسیہ مین بھی مسلمانون کی رہنمائی کا فرض کم از کم اس وقت تک انجام دے، جب تک یا تو لیگ اپنے کو احکام دین کی تابع نہ بنائے، یا کوئی اور ایسی ہی خالص امور سیاسیہ کی ماہر مسلمانون کی تنظیم نہ قائم ہو جائے، جو احکام دین کی تابع ہو،

۱۲۔ فی الحال علماء کی ایسی جماعت جمعیۃ العلماء ہی ہو سکتی ہے، لیکن اس کو پہلے ہر طرح اس کی سعی کر لینی چاہئے، کہ لیگ اتباع احکام کی شرط کو قبول کرلے، یا مستقبل قریب مین قبول کر لینے کی امید ہو جائے، جب اس سے مایوسی غالب ہو جائے تو پھر وہ اس فرض کفایہ کا بوجھ تمام و کمال اپنے ہی دوش پر لے،

۱۳۔ حالات مین کسی ایسی ہی تبدیلی رونما ہونے کے احتمال سے حضرت علیہ الرحمہ نے خود شرکت لیگ کے فتوے مین یہ قید لگا دی تھی کہ یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائین تو حکم بھی بدل جائے گا؛

اور راقم ہذا کے نزدیک تو لیگ کی جارحانہ کارروائی یا عمل اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وبمبئی وغیرہ مین ہزارون بے گناہ مسلمانون کا جو خون بہا ہے، اس مین کسی طرح بھی حضرت شرکت کی اجازت نہ فرماتے، کیونکہ یہ حضرت کی تحقیق کی روسے خودکشی کے مرادف ہے،

۱۴۔ ہر نوع جمعیۃ العلما کے لئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مسلک کی روسے پہلے تو ہر حال مین یہ ضروری ہو گا کہ وہ کانگرس کے ساتھ اپنے ادغامی واتباعی تعلق کو قطعاً منقطع فرمائے، بلکہ اب چونکہ کانگرس مین شرکت کا جو بڑا مقصد ہو سکتا تھا، (یعنی انگریزون سے آزادی) وہ اب اس کی عدم شرکت سے بھی انشاء اللہ مؤخر نہین ہو سکتا، اس لئے مسلمانون کی دینی و دنیوی مصلحت کی بنا پر کانگرس سے انقطاع کا اعلان بہر تقدیر اولیٰ واسلم ہے،[1]

اس کے بعد مسلم لیگ سے مایوسی کی صورت مین اس کو اپنے ساتھ اچھے نہ کچھ جدید سیاسیات کے زیادہ ماہر جدید انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانون کو ضرور شریک رکھنا چاہئے جو سیاسیات حاضرہ کے گہرے قومی و بین الاقوامی حالات و تجربات اور مسائل و نظریات سے پوری طرح امداد کرتے رہین،

۱۵۔ لیکن عام حضرات علمار اور سا کا بر جمعیۃ العلمار کی خدمت مین سب سے اہم واقدام امر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اصول و مسلک کے تحت یہی عرض کرنے کا ہے، کہ سیاسیات مین ان کی خاص اپنی کوئی دینی تنظیم و جماعت خواہ کامیاب ہو یا نہ ہو، مگر وہ انفرادی و اجتماعی طور پر مسلمان عوام و خواص مین تبلیغ دین؛ اور ان کو پورا پورا

---

[1] کانگرس نے خود جمعیۃ العلمار یا قوم پرور مسلمانون سے عارضی حکومت مین جتنی پروا کی وہ خود جمعیۃ کے تازہ شکایتی رزولیوشن سے واضح ہے،

مسلمان بنانے کی سعی و فکر کے ساتھ اپنی اصلی فرض منصبی سے کسی حال اور کسی آن غفلت نہ فرمائین،

اگر حضرت کے ایما کے موافق دس سال تک ہر طرف سے یکسو ہوکر مسلمانون کو مسلمان بنانے مین صرف کر دیئے جائین، تو پھر انشاء اللہ علما کو نہ کانگرس کا منہ دیکھنا پڑے گا، نہ لیگ کا، نہ ہندوؤن کا نہ انگریزون کا،

آخر مین ایک مسئلہ کا حل رہ جاتا ہے، جو اہمیت کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ رکھتا ہے، لیگ کا راہ راست پر آنا یا لانا یا احکام شرع کے تابع کسی دوسری تنظیم کا قائم کرنا کرانا یا خود علما و جمعیۃ العلماء کا ضرورت وقت کے تقاضے سے بطور فرض کفایہ سیاسی مسائل و معاملات مین مہارت حاصل کرکے مسلمانون کی رہنمائی کرنا، یہ سب ایسی چیزین ہین، جو انفرادی حیثیت سے افراد کی استطاعت و اختیار سے باہر ہین، مثلاً راقم احقر زیادہ سے زیادہ اس قسم کے معروضات تحریراً یا تقریراً پیش کر دے سکتا یا اپنی بساط بھر کچھ دوڑ دھوپ کر لے سکتا ہے لیکن حسب مقصد و مطابق شریعت علماء یا غیر علماء کی کسی کارگر تنظیم و جماعت کا قائم ہو جانا اُس کے قبضۂ قدرت مین بہرحال نہین،

تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی جامع مجددیت نے اس بنیادی سوال کو تشنہ بالکل نہین چھوڑا، اور صفحاتِ بالا مین خوب اور مکرر سکرر اپنے مواقع پر واضح کر دیا گیا ہے، کہ دینی سیاست یا حکومت و سلطنت کی اہمیت دین و شریعت مین کماحقہ مسلم ہونے کے باوجود ایسی ہرگز نہین، کہ اس کے بغیر افراد کے لئے اپنی اختیاری سعی و طاقت سے کمال دین کا کوئی بلند سے بلند مقام حاصل کرنا ناممکن یا خارج از استطاعت و وسعت ہو،

دینی و اسلامی حکومت یا خلافت تو الگ رہی اگر خدانخواستہ کسی وقت ساری خدائی خدا کی منکر و کافر ہو جائے، اور صرف ایک مومن رہ جائے، تو وہ بھی صالحین شہداء و صدیقین کے اونچے سے اونچے درجۂ قرب و قبول تک رسائی پا سکتا ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات تک مین اس سے ذرہ برابر

کوئی نقص وخلل نہین واقع ہوسکتا، کہ آغاز نبوت سے انجام تک ساری دنیا اُن کی منکر و کافر ہی رہے،
حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بھی کسی قسم کی تکلیف مالایطاق بالکل نہین، اور قرب وقبول کا مدار تمامتر اس
پر ہے، کہ آدمی موافق و ناموافق جیسے حالات مین بھی ہو، اپنی استطاعت واختیار بھر حق تعالیٰ کی رضا جوئی
اور اس کے احکام کی بجاآوری مین کوتاہی وکم ہمتی کو راہ نہ دے، اس کے بعد اگر اس کو کسی نے زنجیرون مین
اس طرح جکڑ دیا ہے، کہ وضو یا تیمم کرنا کیا معنی جسم وجوارح کو جنبش تک نہین دے سکتا ہو تو اس سے اسکی آنکھون
کے اشارون کی نماز کے کمال وقبول مین رتی برابر کمی نہین واقع ہوسکتی[۱]،

اختیاری وغیر اختیاری کا یہ مسئلہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ساری تجدیدات وتعلیمات کا ایک بڑا
سنگِ اساس ہے، جس سے شریعت وطریقت کے بے شمار لانجل عقدے حل فرمائے گئے ہین،

یہی نہین کہ حکومت وسیاست پر قرب وقبول کا قطعًا انحصار نہین، بلکہ اگر حکومت وسلطنت کو خدا
کی ناراضی کی راہون سے حاصل یا ناراضی کی راہون مین استعمال کیا جائے، تو خدا کی ایسی ناراضی کے ساتھ
ہفت اقلیم کا تاجدار یا فرعون ہو کر مرنے کے بجائے مومن کے لئے اپنے اختیار بھر رضا جوئی کے ساتھ پاخانہ
اٹھا کر مر جانا کہین بہتر اور عین مطلوب ہوگا،

بلکہ عہد نبوت سے جتنا بُعد ہوتا جا رہا ہے، دورِ دجل وفتن وشر ور کی روایات پر نظر ایمان رکھنے والون
کو کھلی آنکھون نظر آرہا ہے، کہ موجودہ دور اور اس کی قومیات وسیاسیات بالخصوص اس درجہ دجالیت اور فتنون
سے بھر گئی ہین، کہ بہت ہی شاذ اور بہت ہی غیر معمولی ایمانی قوت وعزیمت رکھنے والے افراد ان مین پڑکر اپنے
ایمان وعمل صالح کو خیریت وسلامتی کے ساتھ ساحل حیات تک پہنچا سکتے ہون، باقی عام مسلمانون کو اگر ایمان
وآخرت کچھ عزیز ہے، تو ان کے لئے تو بس ع

"اگر خواہی سلامت برکنار است"

---

[۱] یہ سارا پیراگراف حضرتؒ کے مسلک کا بہترین ترجمان ہے، (عبد الماجد)

یعنی تابمقدور وہی اصحاب کہف کی نوعیت کی کہفی زندگی، جیسا کہ مختلف روایات مین مختلف طرح سورۂ کہف کی تلاوت کو فتنۂ دجل اور دجالیت سے حفاظت کا ذریعہ فرمایا گیا ہے، باقی حدیثون مین دورِ فتن و شرور کے جو آثار و علائم بیان فرمائے گئے ہین، اور جن کی کثرت و شدت آج کسی ایمانی نگاہ سے مخفی نہین اُن سے حفاظت کے لئے صحاح وغیرہ کی روایات مین گوناگون عنوانات سے یہی ہدایات ملتی ہین، کہ ایسے زمانے مین عمومی یا قومی و سیاسی معاملات سے دور رہکر بس اپنے دین و ایمان کی خیر مناتے رہو، مثلاً

"جب دیکھو کہ لوگون مین عہد شکنی و خیانت اور آپس مین آویزش و عداوت پھیل گئی ہے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بس گھر مین پڑے رہو، زبان بند رکھو، اور امر عامہ (پبلک یا قومی کامون) سے دور رہکر خاص اپنی ذات یا اپنے دین کی حفاظت مین لگے رہو"

"اسی طرح ہے کہ جب دیکھو کہ لوگ اپنے نفس و ہوا کی پیروی مین پڑ گئے ہین، اور دنیا کو دین پر ترجیح دیتے مین لگے ہین، اور کتاب و سنت کو چھوڑ کر ہر شخص صاحب رائے بن بیٹھا ہے، تو عوام کے معاملات سے الگ ہو کر اپنی خبر رکھو، کیونکہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جس مین صبر کے سوا چارہ نہ ہوگا، اور صبر کرنا بھی انگارے کو ہاتھ مین پکڑنا ہوگا،

ایمان کا یہ حال ہوگا کہ آدمی صبح مسلمان ہوگا، اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا، اور صبح کا فر، ایسے زمانہ مین سونے والا مسلمان جاگنے والے سے بہتر ہوگا، اور بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے، ایسے وقت مین اپنی کمانون اور تلوارون کو ناکارہ کر ڈالنا، اور اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹون مین سے بہتر کی راہ اختیار کرو جس نے اپنے قاتل بھائی سے کہا تھا، کہ اگر تم مجھکو قتل کرنے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے، تو مین تم کو قتل کرنے کے لئے ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤن گا"

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے، کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ نمازیں مردہ ہو جائیں گی، مکانات بڑے بڑے عالیشان بنائے جائیں گے قسم اور لعنت کا زور ہوگا، زنا اور رشوت کی گرم بازاری ہوگی، آخرت دنیا کے بدلے فروخت کی جائے گی، جب یہ حالات دیکھنا تو نجات کی راہ یہ ہوگی، کہ گھر میں فرش یا بوریے کی طرح چمٹ کر پڑ جانا، زبان اور ہاتھ نہ ہلانا،

"ان فتنوں کے زمانے میں جو شخص یکسو ہوکر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگا رہ سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گویا ہجرت کرکے میرے پاس چلا آیا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے، کہ "اصحاب کہف بیک ہجرت کہ در وقت استیلائے فتنہ اندیشان بوجود آمدہ بود بدرجۂ علیا رسیدند"

"ایک اور بڑے ایمان و عبرت کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر نرغہ کے لئے دشمن اس طرح دعوت دیں گے، جیسے کاسۂ طعام کے گرد لوگوں کو پکار پکار کر جمع کیا جاتا ہو، کسی نے عرض کیا، یا رسول (اللہ کیا) اس نرغہ کا باعث ہماری قلت تعداد ہوگی، فرمایا نہیں، تعداد تو بہت ہوگی، مگر خس و خاشاک کی سی حالت ہوگی، کہ تمہارے اندر نہ قوت و شجاعت ہوگی، اور نہ دشمنوں کے دل میں تمہاری ہیبت و عظمت ہوگی، عرض کیا گیا کہ ہماری اس کمزوری کی وجہ کیا ہوگی، فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت[1]"

دشمنوں کے قلب سے مسلمانوں کا وزن جس طرح نکلتا جا رہا ہے، اس کا خود سیاسیات ہی میں تازہ اندازہ اس سبق آموز سلوک سے ہو سکتا ہے، جو کانگرس کے مقابلہ میں وفد وزارت اور وائسرائے نے مسلم لیگ سے نہیں، دراصل سارے مسلمانوں کے ساتھ کیا، اور یہ کاسۂ طعام کی طرف دعوت کیا

---

[1] یہ اقتباسات تلخیصاً آثار القیامہ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم سے ماخوذ ہیں، فصل ۱،

اُسی روسی **دعوت الی البطن** کا کوئی اشارہ ہے (؟) جس کی جانب اس وقت کے سب سے بڑے سیاسی منڈل (کانگرس) کے سب سے بڑے دیوتا (جواہر لال) نے عارضی حکومت (انیٹرم گورنمنٹ) کی زمام ہاتھ مین لیتے ہی پکارا کہ ہمارا **انتہائی مقصد** چار سو ملین انسانون کو کھانا کپڑا وغیرہ (یعنی وہی کاسۂ طعام کی دنیوی ضروریات) فراہم کرنا ہے، (پانیر ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء)

بھلا جس سیاست کا **انتہائی مقصد** بر ملا "زیستن برائے خوردن" ہو، اور جو اس "زیستن و خوردن" کی حیوانی زندگی سے آگے کسی انسانی مستقبل سے بالکل اندھی بہری ہو، تو وہ مسلمان ایسی کور و کر رہنمائی کا دامن مستقلاً کیسے تھام سکتا ہے، جس کا انتہائی مقصد اس دنیوی زیستن و خوردن کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور جس نظامِ سیاست مین اس مابعد کی زندگی کا سرے سے کوئی تصور داخل نہ ہو، اس مین آخر کوئی مسلمان کیسے داخل رہ سکتا ہے، اور مسلمان مسلمان رہ کر ایسے نظامِ سیاست (کانگرس) کا زیادہ سے زیادہ صرف اس دشمن دین کے اخراج تک ساتھ دے سکتا ہے جس نے "زیستن برائے خوردن" کا سبق رٹایا ہے،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ ہے کہ مذکورۂ بالا روایات و نصوص کی رو سے شرور و فتن کے عموم و شیوع کے زمانے مین نجات و سلامتی کی راہ یہی ہے، کہ جہان تک بن پڑے قومیات و سیاسیات وغیرہ متعدی و عمومی خدمات سے دامن کش رہے[1] یا اپنے دین و ایمان کی خیریت و حفاظت کے ساتھ دین کی اگر کچھ متعدی خدمات کی بھی اہلیت و ہمت ہو، تو اس کی اسلم صورت یہی ہے کہ رائج الوقت طریقون سے دور رہ کر جو کچھ اور جہان تک اپنی ذات سے تحریراً و تقریراً یا عملاً تبلیغ و اصلاح وغیرہ کی کوئی خدمت ہو سکے اس کو انجام دے، مگر اس مین بھی قدم پھونک پھونک کر رکھے، ورنہ کسی گوشۂ عافیت ہی مین گم رہے،

---

[1] اس بارہ مین صحابۂ کرام تک کے مذاق مختلف رہے ہین، چند نے بیشک خلوت گزینی ہی کو ترجیح دی ہے لیکن اکثر نے نصوص قطعیہ و احکام محکمات کے ماتحت اپنی اپنی بصیرت کے موافق جہاد و عملی اصلاح ہی کی راہین اختیار فرمائین اور خلافتِ عثمانی اور خلافتِ مرتضوی کے زمانہ کے شرور و فتن کچھ آج کل کے شرور و فتن سے کم نہ تھے (عبد الماجد)

بہت سے محدثین و محققین نے تجدید دین کی اس مشہور حدیث کو ابواب فتن ہی کے ذیل میں درج فرمایا

ہو کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا، اس لئے کہ دین

کی تجدید یا یاد دہانی کی ضرورت ایسے دینی فتنوں کے زمانے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے، اور زمانۂ نبوت سے

جتنا بعد ہوتا جاتا ہے، اتنے ہی یہ فتنے ہمہ گیر ہوتے جاتے ہیں، اور اب تو شاید ہی دین کا کوئی گوشہ ان

کی گرفت سے باہر رہ گیا ہو، اس لئے حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی بعثت مبارکہ سے نہ صرف

پوری جامعیت کے ساتھ دین کے تمام علمی و عملی اجزا کی تجدید فرمائی گئی، بلکہ شرور و فتن کی ایسی ہمہ گیر و بے

پناہ بارش کے دوران میں خود اپنے دین کی پناہ کے لئے عزلت و خلوت کے ساتھ ساتھ تجدید دین کی جامع

و کامل متعدی خدمات کا جو نمونہ حضرت مجدد وقت نے اپنی زندگی میں چھوڑا ہے، وہ بجائے خود شرور و

فتن کی روایات بالا کی روشنی میں ہر طبقہ کے خادمانِ دین کے لئے بڑا جامع و کامل اسوہ ہے،

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اور جن حضرات نے حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی کچھ معتد بہ سعادت حاصل کی ہے، یا

حضرت کی کتابوں کا گہرا مطالعہ فرمایا ہے، وہ جانتے ہیں کہ حضرت کا خاص رنگ و مذاق خلوت و خدمت کی

جامعیت ہی کا تھا، الحمد للہ کہ اس زندگی کے پہچاننے والے حضرت کے اکابر مجازین یا خلفاء کا بھی یہی مذاق ہو

کہ اپنے اپنے گوشوں میں معتکف افرادِ امت کے دین کو تازہ و زندہ فرماتے رہے ہیں، خود حضرت علیہ الرحمہ

تو آخر حیات میں ۲۰ سال سے زائد خانقاہ امدادیہ اور آستانۂ اشرفیہ میں اس طرح معتکف رہے کہ سفر تک

بالکلیہ ترک فرما دیا تھا، بلکہ اس کی دعا فرمائی تھی کہ کوئی ایسا عذر لاحق ہو جائے جو زیادہ تکلف بھی نہ ہو،

اور سفر سے معذوری ہو جائے ؛ چنانچہ آنت اترنے کا ایسا ہی عذر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا کہ کھانسی

وغیرہ کی معمولی حرکت سے بھی اکثر اتر آتی تھی، اور پھر پردے میں لیٹ کر کپڑا ہٹا کر آنت چڑھانا اور کمانی لگانا

پڑتی تھی، اس عذر کا اعلان فرما کر پھر دوبارہ متعلقات کے سلسلہ کے علاوہ کوئی سفر نہیں فرمایا، بلکہ کسی دوسرے محلہ تک بھی تشریف نہیں لے گئے، (اشرف السوانح ص ۷۸ حصہ اول)

جابجا خلوت پسندی کے اس مذاق کی ترجیح کا ایما بھی فرمایا ہے، شروع ہی کی روایات کے پیش نظر کسی صاحب علم نے جن کی نظران روایات پر تھی، اپنا حال عرض کیا، کہ

"خاص بات یہ ہے جو روز بروز مرکوز خاطر ہوتی چلی جاتی ہے کہ آج کل کسی مناقشہ میں خواہ دینی ہو یا دنیوی خواہ اپنی ذات سے متعلق ہو، یا اور کسی سے مطلق دخل دینے کو جی نہیں چاہتا، ہر وقت علیك بخاصة نفسك کا ایک نشہ سا رہتا ہے، کیونکہ دیکھتا ہوں کہ الشح مطاع اور ھوی متبع اور اعجاب کل ذی رای برائه اور دنیا موثرہ کی گھٹا چاروں طرف محیط ہو رہی ہے، اس وقت یہی جی چاہتا ہے، کہ کسی طرح اپنا ایمان سلامت لے جائیں، کاش غنم متبع بھا شعف الجبال میسر آجائے، یا ایمان کے ساتھ بطن الارض میں جگہ مل جائے، بار بار لیتنی شجرة تعضد کا خیال آتا ہے، اور یوں تمنا ہوتی ہے، کہ کوئی مجھ کو نہ جانے، اور نہ میں کسی کو جانوں، اور اسی طرح جان جان آفرین کو سپرد کردوں مگر کیا کروں ہم نابکاروں کو جھگڑوں سے پوری رہائی نہیں ملتی۔"

اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ "رہائی کی محبت بھی بحکم رہائی ہے، اور یہ مذاق خاص اس ناکارہ کا بھی ہے[۵۱] گو اب تک کم ہمتی سے یہ نہیں ہوا، مگر اب کچھ اس کے اسباب نظر آتے ہیں، خدا کرے اس میں کوئی غائلہ نہ ہو[۵۲]" اسی طرح ایک جگہ مسائل مثنوی (تکشف ص ۳۰۷) میں خلوت وجلوت کی تحقیق میں ارشاد ہے کہ

---

۵۱ مولانا کا مذاق خاص اپنی ذات کے لئے جو کچھ بھی ہو، بہرحال وہ مسلم لیگ میں شرکت اپنے متوسلین و متبعین کے لئے پسند فرماتے تھے، اور لیگ کی ہر کامیابی سے خوش ہوتے تھے، (عبد الماجد) ۵۲ تبویب تربیۃ السالک حصہ ۲۲)

"قول فیصل باب خلوت مین یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسرون سے ہو، نہ دوسرون کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے متعلق ہو، اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے خصوصًا ایام فتن وشرور مین"،

غرض خلوت تامہ اگر میسر نہ ہو تو ایسے ایام شرور و فتن مین دوسرا درجہ یہی ہو سکتا ہے کہ جہانتک ہو سکے تعلقات مین تقلیل سے کام لیا جائے، تاکہ ان شرور و فتن سے بقدر استطاعت دین کی حفاظت ہو سکے، بعض مقامات پر انہی روایات فتن کے ضمن مین خلوت گزینی کی حضرت نے اور بھی زیادہ تصریح وتاکید فرمائی ہے، افسوس غلبۂ نسیان کی وجہ سے یاد نہین آرہے ہین،

باقی تجدیدی واصلاحی گوناگون فرائض وخدمات کے ساتھ ساتھ عزلت اور تقلیل تعلقات کے ضدین کو جمع فرماکر خود اپنی زندگی مین حضرت جامع المجددین نے جس طرح دکھلادیا، وہ بجائے خود تجدیدی جامعیت کی مستقل کرامت ہے،

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سیرۃ عائشہ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب وفضائل واخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات، آخر مین علامہ سیوطی کی عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ بھی ہے، قیمت :- ہے؍

ضخامت :- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

ہندوستان مین علمِ حدیث

(بسلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابو یحیی امام خان صاحب نوشہروی

عرصہ ہوا معارف مین[1] یہ سلسلۃ الذہب بعنوان "ہندوستان مین علم حدیث" حضرت جامع العلوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی زید مجدہٗ نے بامید اجرا ثبت فرمایا تھا، ہندوستان بھر کے اصحابِ نظر نے اس پر جو کچھ لکھا وہ تمام ملا کر بھی اس فردِ یگانہ کے برابر نہ اتر سکا، اور ابھی تک معارف کے لبون پر کسی حریف مردافگن عشق کے لئے یہ صدا مکرر باقی ہے،

اب وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان مین لکھنے والون کی کمی نہین، مگر تحقیق علوم کے بجائے تبلیغ مسلک اور مسائل جزئیہ پر ارمان نکلتے ہین، افسوس کہ اس ترک حنیفیت کی وجہ سے اصل علم ہی دامانِ خیالِ یار کی طرح چھوٹا جا رہا ہے، وانّ الرزیۃ کل الرزیۃ،

اور جن حلقون مین ایسی جنبہ داری کے بغیر یہ ذوق نظر آتا ہے ان مین نہ تحقیق خالص ہے، نہ فکرِ صحیح، بلکہ اپنے مستشرق شیوخ کی پیروی تک انکی منتہا ہے، ایسے اربابِ نظر کا ماخذ امہات کتب نہین، بلکہ ترجمات ہین، جن پر یون دادِ سخن لٹتی ہے، کہ گویا اکتشاف فرمایا جا رہا ہے، اور حال یہ ہے، کہ قدم قدم پہ ٹھوکرین ہین،

---

[1] جلد ۲۲ (بابت ماہ اکتوبر و نومبر و دسمبر ۱۹۲۸ء)

یون مری فردِ عمل وقفِ مئے و مے خانہ ہو

کوئی سجدہ ہے تو وہ بھی لغزشِ مستانہ ہو

ایک طبقہ ان معصومین قانتین کا ہے، جو علوم سے آگاہ ہین، اور مسائل علمیہ پر لکھنا چاہتے ہین، مگر زبان قلم بمنزلۂ ولایکاد یبین ہے، اُس زبان مین کم مایگی کی وجہ سے جس مین اپنا مافی الضمیر ادا کرنا ہے، ورنہ "ہندوستان مین علم حدیث" پر خامہ فرسائی کے لئے یہی بوریا نشین تھے، ثمّ اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا منھم ظالم لنفسہٖ و منھم مقتصد و منھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذلک ھو الفضل الکبیر۔

کل کا واقعہ ہے کہ دولتِ خداداد بھوپال میں تدریساً و تصنیفاً بزمِ تحدیث گونج رہی ہے، انہی بوریا نشینون مین سے ایک درویش صفت مردِ مومن (امیرالملک نواب والاجاہ سید صدیق حسن خانؒ) کی وجہ سے یہ رنگا رنگ بزم آرائیان اُسی کے جذب توجہ کا کرشمہ ہین، آیئے ذرا دیر مل بیٹھین، اور

حکایت قد آن یار دلنواز کنیم

باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اللہ رے اثر توجہ! ملک بھر کے فضلاء جمع ہین، مگر سب امیرالملک کے ہم مسلک ہی نہین ہین، بلکہ ممتاز اماثل مولانا علی عباس چریاکوٹی احناف کے سرخیل ہین، فضلاے گوپامئو کے ذمہ شعراے فارسی کی حرف و حکایت ہے، روزِ روشن کا پردہ صبا[1] گوپامئوی کے ہاتھون اٹھتا ہے، یہ اس مضمون نُہ دارالمصنفین صدیقی کی دوسری کتاب ہے، اس مین ۲۴۴۱ شعرا کا تذکرہ ہے، شمع انجمن، صبح گلشن، نگارستان سخن، اور اختر تابان، اول الذکر کے ساتھ ملا کر خمسۂ صدیقی کہہ لیجئے۔ آخرالذکر صرف شاعرات پر ہے[2]

---

[1] مظفر حسین صبا (مؤلف روزِ روشن) [2] روزِ روشن ص ۲۶۶۔

شعرا میں یوسف ہیں[۱] شیخ احمد شیروانی کے صاحبزادہ رفعت[۲] ہیں، سہسوانی اہلِ سخن میں سے اعجاز[۳] وجمیل[۴] ونکہت[۵] ہیں، ذوقی[۶] کاکوروی ہیں، زہری[۷] ہیں، شہیر[۸] ہیں، اعظم[۹] ہیں، ان کا وطن خیرآباد اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد ہیں، نوش[۱۰] (گنج منوہرلال) ہیں،

بزمِ مشاعرہ ہر مہینے منعقد ہوتی ہے، ایک مشاعرہ کی طرح

ع در رہ یار نشستیم کہ نتوان برخاست

تھی، صبحِ گلشن میں اس کا نظارہ دیکھئے،

"شبِ موعود بروقت معہود کمر خدمت بر میان جان بستند وبحضوری محفلِ صفا منزل سرمایۂ سعادت اندوختند وبرزانوے ادب نشستند وچشم بر تحریک شفاہ برکت اکتناہ دوختند طبع دراک ادا فہم بدا واشتیاق منتظر آن رسید وباین غزل کرامت نشان جنید

جذبۂ شوق گر از جانبِ کنعان برخاست   بوے پیراہنِ یوسف ز گریبان برخاست

یہ وہی بوریانشین میرمشاعرہ ہیں، مقطع میں فرماتے ہیں:-

اے خوشا حال کہ نوّاب من از شہرتِ شعر   ہمہ در ہند نشست وز صفاہان برخاست

دوسرے شاعر کی گوہرافشانی سنئے،

دگر آن سلسلۂ موز لفِ پریشان برخاست   دوستان مژدہ کہ تقوی شد وایمان برخاست

---

[۱] مولوی محمد یوسف علی گوپامئوی والد گرامی صاحب ممدوح [۲] نام محمد عباس صبحِ گلشن ص ۱۵۳، [۳] محمد عبدالعزیز، صبحِ گلشن ص ۲۲۲، [۴] سید جمیل احمد: صبحِ گلشن ص ۲۲۴، [۵] نکہت شاکر حسین: [۶] مولوی محی الدین خان ذوقی کاکوروی صبحِ گلشن ص ۲۲۴ [۷] منشی محمد جعفر زہری، صبحِ گلشن ص ۵۵۳ [۸] خان محمد خان صاحب شہیر: صبحِ گلشن ص ۵۵۰ [۹] مولوی محمد اعظم حسین اعظم فرزند مولوی لطف حسین خیرآبادی: صبحِ گلشن ص ۵۵۳ [۱۰] صبحِ گلشن، ص ۵۴۹،

یہ نواب زادہ ہیں (فرزند مبین) سید نور الحسن خان کلیم، مقطع سُنیے،

ماچہ گوئیم کہ چون رفت زکوے تو کلیم قصہ کوتاہ بصد حسرت وارمان برخاست

تیسرے شاعر کے سامنے شمع آتی ہے،

فتنہ شد شور و از ان چہرۂ تابان برخاست پردہ شد شرم و ز رخسارۂ جانان برخاست

یہ افتخار الشعراء حافظ خان محمد خان شہیر ہیں، مقطع ملاحظہ ہو،

نغمہ از غزل و زمزمۂ مدح شہیر ہمہ از محفل صدیق حسن خان برخاست

چوتھے شاعر مولوی محمد احسن ہیں، ۲ غزلیں پڑھیں، ایک کا مطلع ہے،

عرق آلودہ چون آن آفتِ دوران برخاست فتنہ از ہر طرف مردم جنباں برخاست

اور مقطع ہے:۔

لبِ ہر زخم منش گفت دعا ہا احسن چارہ سازم چو بسامانِ نمکدان برخاست

۵۔ مولوی محمد یوسف گوپامئوی کا ایک شعر یہ ہے،

۵۔ نیست این زلفِ پریشان برخ فرفروغ دود از مشعل خورشید درخشان برخاست

۶۔ رفعت کا سر نیاز جھکتا ہے:۔

ترک خونخوار بکف تیغ سر افشان برخاست خوب شد بار سر از دوش عزیزان برخاست

زھری مقطع میں کہتا ہے:۔

روح عرفی بپذیرفتنش آمد در پیش زھری چون سوے شیراز غزلخوان برخاست

اعظم کا ایک شعر سنئے،

اعتبار عجب آورد سپہر نیلی

ہست دروسے کہ زآہِ دلِ سوزان برخاست

ایک رنگین نوا کا ترانہ ہے :

تازآغوش سن شیفتہ جانان برخاست دل زپہلو بدر افتاد زتن جان برخاست

یہ کنج منوہر لال نوش تھے، ان کا ایک اور شعر ہے :

ماتمت باد خرد انقش محبت بنشست فرصتت باد جنون! ابر بہاران برخاست

ایک سخن گو فرماتے ہیں :۔

تو وآن غمزے کہ در فکر متاع دین است من وآن دل کہ چو گبر از سر ایمان برخاست

یہ ارشاد احمد محوی پھلتی تھے۔

شاعر محسن[1] ہیں :۔

بین کہ از کوے تو عاشق بچہ عنوان برخاست خلق نالان بدم خنجر بران برخاست

محسن کے مقطع کی تزئین ملاحظہ ہو،

محسن این ابر گہربار کہ بینی گردیست کز در دولت صدیق حسن خان برخاست

یہ رام پور کے ایک نوجوان ہیں، عبد الجبار خان نام اور جامی تخلص، انھوں نے ۱۲۰۰ عدد پورے کر دیئے،

لذت ذبح چون دریافت رگ گردن ما قاتل ما ز سر نعش پشیمان برخاست

فلاکت زدہ ہیں یہ شعر اسی تاثر کا نتیجہ ہے،

صبح امید وطن بے رخ جانان شامیست عاقبت حضرت یعقوب ز کنعان برخاست

میر مشاعرہ کی نگہ التفات کے منتظر ہیں، شعر عرض ہوا،

حبذا جذبۂ آن شوق کہ حامی ز وطن جانب حضرت صدیق حسن خان برخاست

---

[1] منشی افتخار احمد محسن، صبح گلشن ص ۵۵۵،

صبا کی محشر خرامی دیکھئے،

الحذر اے فلک از من کہ ترا خواہد سوخت　　　آہ جان سوز گر از دل شرر افشان برخاست

نظفر حسین گوپاموی (مؤلف روز روشن) یہی صبا ہیں، ان کا ۱۳ واں مقام ہے،

بزم اٹھنے کو ہے اعظم (سید محمد اعظم حسین بن سید محمد زکی) نے اس پر ہی تو فرمایا،

چرخ از جور بیارام! کہ جانان برخاست　　　فتنہ درگوشہ نشین! کافت دوران برخاست

شب سراسیمہ نشینم بخیال زلفش　　　چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[۱]

اس مشاعرہ میں ۱۴ حضرات نے اپنا اپنا کلام سنایا، اللہ رے جامعیت صدیق الحسن!

ہر کہ بنشست بہ پہلوے تو شادان بنشست

چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[۲]

مجلس علما، کا منظر | علماے اہلحدیث میں جس کی قسمت نے یاوری کی، وہ نورتن صدیقی میں شامل ہوا، یہی برادران میں سے شیخ حسن محدث (م ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء) اور شیخ زین العابدین تھے اول الذکر امیر الملک کے استاد بھی ہیں، اور دوسرے صاحب قاضی مملکت (بھوپال) ان کی رحلت کے بعد یہ عہدہ شیخ محمد علی مچھلی شہری (م ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۱ء) کو تفویض ہوا، یہ ایک واسطہ سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں، ان میں شیخ عبدالحق بنارسی (م ۱۲۲۸ھ ۱۸۵۱ء) ہندوستان کے علماے شہیر سے ہیں، علوم حدیث پر ۲۵ کتابیں لکھیں، ان میں النعمۃ السابقۃ فی تخریج حجۃ اللہ البالغۃ[۳] ہے، یہ سب قلمی ہیں، ابھی تک ایک بھی نہیں چھپی، شیخ کے ورثا، کے پاس ہیں، مولانا شمس الحق صاحب عون المعبود (م ۱۳۲۹ھ ۱۹۱۱ء) نے بہت کوشش کی، مطبع انصاری (دہلی) عروج پر تھا، مگر ان کے اخلاف نے قاضی صاحب کے بیضات میں سے ایک کتاب بھی نہ دی،

---

[۱] مستفاد از (تذکرہ) صبح گلشن ص ۵۴۹ تا ۵۵۲ [۲] تذکرے صبح گلشن ص ۵۰۵ از غزل نواب صاحب
[۳] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۳۷۹،

قاضی محمد مچھلی شہری کا تقرر | والیہ بھوپال حضرت علیا جناب نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ ریاست کے تمام امور اپنے لائق اور فرزانہ شوہر نواب والاجاہ علیہ الرحمۃ کے مشورہ سے سرانجام دیتی تھین، قاضی القضاۃ مولانا زین العابدین انتقال فرما چکے تھے، حضرت نواب صاحب متلاشی تھے، کہ اسی تردد مین آپ نے حضرت عبداللہ صاحب غزنوی کو خواب مین دیکھا، وہ ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہین کہ ان کو مقرر کردو، ان کا نام محمد ہے بیدار ہوئے، تو حلیہ اور نام دونون ذہن مین محفوظ رہ گئے، اتفاق سے قاضی صاحب بھوپال پہنچے، نواب صاحب سے ملنے گئے، تو انھون نے دیکھتے ہی فرمایا، بس یہی صورت تھی، نام پوچھا تو وہی پایا جس کی بشارت خواب مین ہوئی تھی، عہدۂ قضاۃ پیش کیا، یہ ۱۵ رجمادی الاخری ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء کا واقعہ ہے،

حضرت والاجاہ ان کی بہت قدر افزائی فرماتے تھے، ایک مرتبہ نواب صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے علم حدیث کی بہت خدمت کی، مگر عربی زبان مین بلوغ المرام کی شرح محدثین کے طرز پر نہ لکھی، چند روز بعد والاجاہ نے فتح العلام شرح بلوغ المرام لکھ کر چوبدار کے ہاتھون قاضی صاحب کے پاس بھیج دی، انھون نے کھول کر دیکھا تو دل کی پژمردہ کلی کھل گئی،

۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء مین جب حضرت والاجاہ نوابی سے معزول کر دیئے گئے، اور قوائے سلطنت مین اضمحلال آنا شروع ہوا، تو یہ نزاکت دیکھ کر قاضی صاحب نے استعفا پیش کر دیا، اس موقع پر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ[۵۲] نے ایک لاکھ روپیہ قاضی صاحب کی خدمت مین بطور رخصتانہ پیش کیا"[۵۳]

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری | مولانا سلامت اللہ جیراجپوری (م ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء) اکابر اہل الحدیث سے ہین،

---

[۵۱] مشہور عامل بالحدیث من غیر تقلید مہاجر از غزنی و مقیم امرتسر (م ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء) (مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کے جد بزرگوار) سلسلۂ ہندوستان مین علم حدیث پر آپ کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے، فصل من مذکور

[۵۲] م ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء

[۵۳] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۷۶ تا ۳۰۷

سے ہیں اکتب درسیہ کا زیادہ حصہ مفتی صاحب فرنگی محلی سے پڑھا، پھر دہلی جا کر حضرت میاں صاحب سے حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد نہایت انہماک کے ساتھ توحید کی اشاعت اور تبلیغ کرنے لگے، ....

ایک زمانہ تک بنارس میں قیام رہا، اور وہاں علوم حدیث و تفسیر کی کتابوں کا درس دیتے رہے، پھر نواب صدیق حسن خان صاحب نے آپ کو بھوپال میں بلایا، اور مدرسہ و تفسیر کا مہتمم مقرر کر دیا، شاہ جہان بیگم والیہ بھوپال آپ کا بہت احترام کرتی تھیں، اُن کے عہد میں بھوپال کے واعظ شہر آپ ہی تھے، کوئی عالم مسجد جامع میں آپ کی اجازت کے بغیر وعظ نہیں کہہ سکتا تھا، اس کے معاوضہ کے لئے بیگم صاحبہ موصوفہ نے کئی بار کہا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا،

آپ کے تلامذہ اساتذہ بنتے گئے، مثلاً مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، آخر عمر میں مولانا سلامت اللہ کا منصب ریاست بھوپال کی طرف سے مقرر ہو گیا تھا، وہیں جسد عنصری سے روح کا انفصال ہوا[1]،

مولانا محمد بشیر سہسوانی | تیسرے اہلِ حدیث عالم مولوی محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) ہیں، وہ سربرآوردگان روزگار میں تھے، سرکار عالیہ اور جناب والاجاہ حضرت نواب صاحب نے بارادت دلی آپ کا اعزاز واحترام کیا، اور مدرس ریاست کی افسری کا عہدہ تفویض ہوا، یہ ۵ ر محرم ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کا واقعہ ہے،

بھوپال کے زمانہ قیام میں حدیث و تفسیر کا درس جاری تھا، اور مسائل مستفتی بہا پر مجتہدانہ انداز سے فتاویٰ لکھے جاتے تھے، اعزا واقارب پر الطاف کریمانہ کی بارش رکھتے تھے، الغرض جس طرح آگرہ سے اس علم کی مہک بھوپال تک پہنچی تھی، اسی طرح بھوپال سے یہ مشام جان تمام اکناف ہند میں پھیل گئی،

موصوف کے زمانہ قیام (بھوپال) میں حضرت نواب صاحب اور مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی کا وہ مشہور تاریخی (تحریری) مناظرہ شروع ہو گیا تھا جس میں طرفین نے متعدد رسائل لکھے[2]، اسی اثنار

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند ج اص ۲۰۰ تا ۳۰۲ [2] مولانا ان کتابوں پر اپنا نام ثبت فرماتے تھے مگر نواب صاحب و سر دن گا

مین مولانا لکھنوی نے ابراز الغی مین کہیں یہ خیال ظاہر فرمایا، کہ نواب صاحب کے پردہ مین مولانا بشیر لکھتے ہین[۵۱]

اس پر مولانا موصوف نے بسعی کمال علامہ معترض کے اس الزام کو رفع کیا، اور سہردو اصحاب کی صلح

سے گویا قران السعدین کرانے کی سعادت حاصل کی،

بھوپال مین حقوق راعی ورعایا پر بڑی خوبی سے ترغیب و ترہیب فرماتے تھے، اور احکام الٰہی

کے سامنے کسی کے شخصی احترام کو خاطر مین نہ لاتے تھے،

الغرض اسی طرح حضرت نواب صاحب کے سایۂ الطاف و اکرام مین ۱۲ سال گذارے، کہ

خلد آشیان نے ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء کو رحلت فرمائی، جس سے اہل علم کے حلقہ مین عام مایوسی پیدا ہونے لگی، اس

مولانا موصوف بھی دل برداشتہ ہوگئے، مگر حضرت علیا نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نے انھین بھوپال

سے کسی طرح جانے نہ دیا،[۵۲]

والاجاہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر کے لائق ہے کہ ایک مرتبہ والاجاہ شہ نشین پر رونق فرما تھے

اور حاشیہ مین حضرات علماے عظام کے ساتھ مولانا محمد بشیر بھی تشریف فرما تھے، کوئی رسالہ مکمل کرکے

لائے تھے، اور اس کو والاجاہ کی خدمت مین پیش کیا تھا، والاجاہ نے ملاحظہ کے بعد فرمایا، مولوی

صاحب! ایک التجا ہے، مولانا نے کہا ارشاد! فرمایا، یہ رسالہ مجھے اس قدر پسند آیا ہے، کہ جس کی وجہ

سے جناب تھوڑی دیر کے لئے میری جگہ شہ نشین پر تشریف فرمائیے، مین آپ کی جگہ پر بیٹھون، مولوی صاحب

نے فرمایا، سرکار! ہم لوگ آپ کے نمک خوار اور ممنون احسانات ہین، یہ جرأت کیونکر ہو سکتی ہے،

فرمایا! یہ میری درخواست ہے، ضرور قبول فرمائیے، تعمیل ارشاد ہوئی، نواب والاجاہ شہ نشین

سے ہٹ کر حاشیہ مین آ بیٹھے، اور مولانا شہ نشین پر جلوہ بار ہوئے، اور اس دن کی نشست اسی طور پر رہی[۵۳]

---

۵۱ شاید مولانا کا یہ خیال مناظرانہ کتب پر نہ تھا، بلکہ کتب عمات پر تھا ۵۲ تراجم علماے حدیث ہند جلد ا ص ۲۵۱ و ۲۵۲

۵۳ یہ واقعہ راقم السطور سے مولانا احمد اللہ مرحوم شیخ الحدیث دار الحدیث رحمانیہ دہلی نے بیان فرمایا،

مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی علماء اہل حدیث میں سے جو حضرات بھوپال میں قیام نہ فرما سکے، ان میں ایک مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی (م ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۳ء) ہیں، یہ بھی علماء فحول میں سے تھے،

علی گڈہ میں مولانا شاہ عبد الجلیل شہید علیہ الرحمۃ اکابر علماء میں سے گذرے ہیں، علوم ظاہر کے ساتھ فیوض باطن سے بھی متمتع تھے، معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فقہ میں شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض تھے، اور خلافت حضرت سید احمد بریلوی نے عطا فرمائی تھی، جامع مسجد علی گڈہ کی امامت تفویض تھی، کہ اس وقت کے معیار کے مطابق یہ سب سے بڑا منصب تھا، اس پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی علم برداری نصیب ہوئی، میدان وغا میں اترے، جہاد کیا، یہ جنگ سونہال کے باغ (جو پختہ سڑک آگرہ کو گئی ہے) پر ہوئی، جس میں فائز بہ شہادت ہوئے، مسلمانان علی گڈہ نے آپ کی نعش مبارک آپ کے دوسرے ہمراہیوں کی لاشوں کے ساتھ جامع مسجد میں دفن کی، یہ حظیرہ (القدس) جامع مسجد کے شمالی دروازہ سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے، سال شہادت ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء ہے،

صاحب ترجمہ (مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم) آپ ہی کے خلف الصدق تھے[۱]، اور اپنے پدر بزرگوار سے علوم وراثت میں پائے، اور علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، اُن کے تبحر علمی کی دھوم بھوپال پہنچی، تو نواب صاحب نے قاضی شہر کا عہدہ پیش کیا، مگر موصوف کو اپنے تدیم کرمفرما نواب محمد خان (چھتاری) کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اس کے کچھ دنوں کے بعد نواب صاحب آگرہ تشریف لے گئے، تو مولانا موصوف ملنے کے لئے گئے، حاضری میں قدرے تعویق ہوئی تھی، اس لئے معذرت کے طور پر کہا

"قدمبوسی کا تو غیر معمولی اشتیاق تھا، مگر درمیان کی احتیاط سے قدرے تاخیر ہو گئی"

نواب صاحب نے فرمایا:-

"بر درویش را دربان نباید"

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۲۳ (بضمن ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب علی گڑھی)

مولانا نے جواباً فرمایا :-

"بباید تا سگ دنیا نیاید"

اس پہلی ملاقات کا حضرت خلد آشیان پر خوشگوار اثر پڑا اس کے بعد نواب صاحب سے شرف مکاتبت حاصل رہا، اپنی تصانیف دربار عالی میں پیش کیں اور خلد آشیان نے ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحیات جاری فرما دیا،[51]

حفاظ صحاح | حضرت والاجاہ نے جس طرح قرآن پاک حفظ کیا جاتا ہے ، اسی طرح کتب احادیث صحاح ستہ و مشکوٰۃ بشمول بلوغ المرام کے حفظ کا اعلان فرمایا، ہر ایک کتاب پر انعامی رقم کی تعیین فرمائی ، راقم الحروف کو اس سلسلہ کے دو حضرات سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، ایک مولوی حافظ عبدالوہاب نابینا دہلوی[52] (م ۱۳۵۱ھ) اور دوسرے مولوی عبدالتواب غزنوی علی گڑھی[53] میں، جو بحمد اللہ بقید حیات موجود ہیں، ان دونوں کے مواعظ میں راقم نے سرد حدیث کا ایسا سماں دیکھا کہ :- ع

جو دل میں نہاں ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

نمنهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك

امام شوکانی اور نواب والاجاہ مرحوم | یہ نواب والاجاہ مرحوم کی ریاست کے فیضان کا ذکر تھا، خود نواب والاجاہ نسباً سید الحسینی تھے ، مسلک اہلحدیث میں غیر تقلید تھا ، اور ان محاسن کی وجہ سے ہند و عجم کے تمام اہلحدیث کے سرخیل ہیں ، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں امام شوکانی (محمد بن علی ابن محمد بن عبداللہ (م ۱۲۵۵ھ) کے معرف ہونے کا فخر موصوف ہی کو حاصل ہے، کہ جو کچھ ملا، اسی

---

[51] تراجم علمائے حدیث ہند ج اص ۲۲۸، [52] تراجم علمائے حدیث (بضمن ترجمہ علمائے دہلی) جلد اص ۱۰۰،
[53] تراجم علمائے حدیث ہند ج اص ۲۳۳، بضمن ترجمہ علمائے علی گڈھ

کی نسبت، اجازہ وطرز استدلال وخزائنِ کتب کے مطالعہ سے ملا، امام شوکانی کے ترجمہ کے ضمن مین فرماتے ہین :-

"واز محاسن اتفاقات آنست کہ درحال تحریر این کتاب در ماہ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء شبے کہ صبح آن تاریخ ششم از ماہ مذکور بود، حضرت ایشان را در خواب دیدم وشرح منتقی را در حالتے کہ کتاب در دست من است بر ایشان قرآت کردم وبلا واسطہ اجازت حاصل نمودم وتا دیر گاہ سخن درمیان رفت"

وہکذا پیش ازین بدو سہ سال در منام دیدم کہ ایشان تشریف آوردہ اند وبر مؤلفات من تحسین نمودہ وعزیزے دیگر درخواب دیدہ کہ دختران ایشان بخانۂ من از زمینِ قدوم آوردہ اند تعبیر رفت" !

"کہ مراد بآمدن ایشان ..... درمولفات محرر سطور در ہر پیرایۂ عربی وعجمی وشیوع یافتن آن بتوسط این عاجز در امصار وبلدان دور ونزدیک شرقاً وغرباً ویمناً وشمالاً ولله الحمد"

اسی نسبت نے اُن کی زبانِ قلم سے قاضی شوکانی کا فسانہ اطرافِ عالم مین سنایا،

رسید مژدہ کہ آمد بہار وسبزہ دمید وظیفہ گر برسد مصرفش گلست ونبید

شیخ کے تذکرہ مین فرماتے ہین،

"ومصنفات مطولات ومختصرات تالیف نمود اسماے بعضے ازان در اتحاف وابجد العلوم وجز آن در ترجمۂ شریفش نوشتہ ایم ازان جملہ شرح منتقی ست در ہشت مجلد کہ درین نزدیکی ۱۲۹۰ء ہجری بہذل ہمت رئیسۂ معظمہ صاحب قران تاج ہند نواب شاہجہان بیگم والیۂ حوزۂ بھوپال محمیہ در مصر قاہرہ بمطبع بولاق ہزار نسخہ ازان بصرف بست وپنج ہزار مبلغ

۱؎ تاج المکلل من جواہر مآثر الآخر والاول للنواب ص ۳۱۰،

(۲۵- ہزار) مطبوع شدہ"

"در ہامش آن عون الباری لحل ادلۃ البخاری ست از ادنیٰ تلامذہ او یعنی این جانی فانی عفا اللہ عنہ"

"واز ان جملہ تفسیر فتح القدیر وسیل جرار وبل الغمام است و ہمہ مؤلفاتش مقبول ومرغوب فیہا ومعشوق علماے سنت است در بدر طالع بذکر بعض مصنفات وحقائق آن پرداختہ و نام ارشاد الفحول در اصول فقہ بردہ وگفتہ وہو الآن فی عملہ اعانہ اللہ علی تمامہ ثم تم بعد ذلک فی مجلد واین کتاب را مختصر یست از کاتب حروف حصول المامول نام کہ اولا در ہند وثانیاً در قسطنطنیہ طبع شدہ وبجمیع اقطار عرض پریدہ وسرمایۂ اہل اتباع گردیدہ"

"بعدہ گفتہ وقد جمع من رسائلہ ثلثہ مجلدات کبار ثم لحق بعد ذلک قدر مجلد وسمی المجمع الفتح الربانی فی فتاوی محمد الشوکانی وجمیع ذلک رسائل مستقلۃ وابحاث مطولۃ و واما الفتاوی المختصرہ فلا تنحصر ابداً واین کتاب نزد این بندہ شرمندہ موجود ست واز ان دروس الطالب وجز آن انتفاع کثیر بدست آوردہ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"

"قال وہو الآن یشتغل بتصنیف الحاشیۃ علی الازہار وسماہا السیل الجرار وہی مشتملۃ علی تقریر ما دل علیہ الدلیل ودفع ما خالفہ والتعرض لما ینبغی التعرض لہ والاعتراض علیہ من شرح الجلال وحاشیۃ وہذا الکتاب ان اعان اللہ علی تمامہ فسیعرف قدرہ من یعترف بالفضائل ولا یجحد ما وہب اللہ لعبادہ من الخیر قال تم ہذا الکتاب بمعونۃ اللہ تعالیٰ[۱]"

فتح البیان اور فتح القدیر کا ماجرا | فتح القدیر (شوکانی) کے طبع ہوجانے کے بعد والا جاہ کے

---

[۱] التاج المکلل ...... ۳۰۶، ۳۰۷

خلاف معاندین نے وساوس سے کام لینا شروع کر دیا تھا، مگر ایک فتح البیان ہی پر کیا موقوف ہے، سنکڑین والاجاہی نے تو بہت ہی کچھ کہا ان کی بیشتر تالیفات پر کہا، کہنے والون مین وہ راسخون فی العلم بھی تھے، (اور ابھی تک اُن کے بقیۃ السلف باقی ہین،) جو اردو بھی صرف اس لئے جانتے ہین، کہ یہ ان کی مادری زبان ہے، ورنہ فارسی سے بے لگانہ اور عربی مین اب تک قرآن مجید بھی اُن کے لئے معمّا ، اور پھر :- ع

اس پہ مچلے ہین کہ ہم درد جگر دیکھیں گے

آپ نے حصول المامول (للنواب) کا ماخذ او پڑھ لیا، یہ السیل الجرار ہے ملاحظہ فرمائیے :-

"گویم درین نزدیکے کتاب سیل جرار را در پارسی زبان اختصار و ترجمہ نمودہ ام و نامش بدور الاہلہ من ربط المسائل بالادلہ نہادہ درین ولا از قالب طبع برآمدہ است کتابے در فقہ سُنت و مرجحات احکام بسے نادر و غریب افتادہ نفع اللہ بہ المسلمین المتبعین"[۵۱]

اور فتح القدیر کے متعلق تو ارشاد ہے :-

"وہو الآن یجمع تفسیر الکتاب اللہ جامعاً بین الدرایۃ والروایہ دیر جوا اللہ ان یعین علی تمامہ بمنہ وفضلہ"

"ثم من اللہ ولہ الحمد بتمامہ فی اربعۃ مجلدات کبار"

"واین تفسیر را جامع این اوراق اوّلا اختصار کردہ پستر بر آن از دیگر تفاسیر معتبرہ چیزہا افزودہ تا آنکہ کتابے مستقلاً گردید و مسمّٰی شد بفتح البیان فی مقاصد القرآن"

"ودر طبع و اشاعت آن بست ہزار سکہ کلدار تقریباً صرف افتادہ و نزدیک است کہ از قالب مطبع جوائب بارہ دیگر جلوہ افروز شدہ و باللہ التوفیق"[۵۲]

---

۵۱ التاج المکلل ...... حاشیہ ص ۵۲ ۵۲۵ رر ...... ص ۳۰۰،

یہ جلیل المنزلۃ مصنف کس تفصیل سے اپنے مصنفات کا ماخذ بتا رہا ہے، معترضین نے امام شوکانی کا نام سن لیا، ان کی تصانیف میں فتح القدیر کا ذکر پڑھ لیا، یہ جانتے تھے، کہ نواب صاحب شوکانی کے مسترشد ہیں، بات بن جائے گی، فرمادیا کہ فتح القدیر ہی کو فتح البیان کے نام سے چھپوا دیا، اور ہندوستان میں عاملین بالسنۃ پر ایسا الزام کونسی بڑی بات ہے،

اعتراضات کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ امیر الملک کی بعض تحریروں پر مسلک اہل حدیث کے خلاف ہونے میں اعتراض ہے، جیسا کہ اخبار اہل حدیث (امرتسر ۱۲ و ۲۶، اپریل ۱۹۲۶ء) میں ایک مضمون چھپا ہے، افسوس یہ ہے کہ محبین کی نظر بھی تصانیف والاجاہی کے غوامض پر نہیں، اس لئے جب بھی ان پر کسی تقلیدی تحریر کی وجہ سے نقص ہوتا ہے، تو نواب صاحب کے یہ نادان دوست آپ کی تحریروں کی ذمہ داری سے بیگانہ وشی برتنے لگتے ہیں، "آخر تو قول قدیم" و "قول جدید" یا "رجوع" مصطلحات دینی ہیں، جن کے کچھ نہ کچھ مفہوم و مصداق ہیں کتاب اللہ میں ۲۰۰ سو آیات منسوخ نہ سہی صرف ۴، آیتین سہی یا بقول بعض الناس[۱] عہد حال ایک بھی منسوخ نہ سہی، مگر اصول نسخ کی تنسیخ اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک قرآن مجید انہی آیات و الفاظ و ترتیب بیان کا مرقع ہے جس میں مرقوم ہے ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ گویا منسوخات یا قول قدیم کے متعلق والاجاہ فرماتے ہیں، یعنی عمر کے ۱۰ ویں سال سے تصنیف شروع ہوئی،

(۱) "دہیچ ہ سالہ بلکہ کمتر ازان بود م کہ شوق تالیف و تحریر تراجم دامن گیر دل شد تا آنکہ مؤلفات بسیار در ہر سہ زبان فرس دادہ و تازی بہم رسید و اکثرے ازان در ہمان زمان تالیف در کانپور و دہلی وغیرہما مطبوع گردید"

عمر پختہ ہوئی، تجربہ بڑھا، مطالعہ وسیع ہوا، اب پہلا لکھا ہوا اپنی ہی نظر میں تقویم پارینہ بن گیا یعنی

---

[۱] امیر المومنین، انہ فرق احمدیہ قادیانیہ!

۲۔ "امابعد از آن کہ عبور برد و او بین سنت وصحف فقہ حدیث وکتب علوم اجتہاد وصلوت ساختہ و پرداختہ، پیشین چون تقویم پارین بنظر آمد، پس مقدار کثیرے را از آن مولفات از دائرۂ اعتبار بیرون انداختہ شد، زیرا کہ بر ہنجار اہل تقلید بود وطریقہ حنفیہ داشت در تحریر "فروع"

یہ تو ایسی تصانیف ہیں کہ اوائل عہد میں مدوّن فرمائیں، وہ مذاق قوم کے مطابق تھیں" اور بلوغ علم کے بعد؟ یعنی

۳۔ واکنون بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ، آنچہ بقلم می آید، تالیف وتصنیف می یابد بہ عہد معتمد بر دلیل وطرح تقلید ست ورائحۂ از تفریعات راے وتخریجات اہل راے ندارد نخبۃ النخبہ حقائق محررہ ائمہ اعلام ست......"[1]

امام شوکانی کا کچھ اور ذکر خیر نواب والاجاہ مرحوم تاج مکلل میں فرماتے ہیں :۔

"گویم وبرکت وی رضی اللہ عنہ در بعض تلامذۂ او نیز سرایت کرد تا آنکہ مولفات او در لسان عجم وعرب ودر فنون دین وعلم ادب ومصنفات مطولہ ومختصرۂ او در معارف کتاب ومدارک سنت عالمگیر شد واقطار گیتی را از شرق وغرب ویمین وشمال فرا گرفت ودلہاے اہل علم از جمیع امصار بعیدہ واقطار دور دست بسوے او متوجہ گردید ومصنفین عصر مولفات خود را نزد وی رسانید، از وے اجازت می ستانند وجریان کتابت می خواہند چنانکہ درین سال سید علامہ خیر الدین نعمان الوسی زادہ مفتی دار السلام بغداد کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین فرستاد وفقیہ فہامہ شہاب الدین بن بہاء الدین مرجانی حنفی قزانی سہ مؤلف خود اہدا کرد، یکے منتخب الوفیہ در ضبط تواریخ ووفیات اکابر علماے امت از عہد نبوت تا زمان والد خود وکتاب فوائد مہمہ وموائد متمہ در علم قرآن ورسم مصاحف عثمان

---

[1] از نمبر ۱ تا نمبر ۳ مقتبس ہے تاج مکلل ... ص ۳۰۹ سے

" ۵ کتاب حق المعرفۃ وحسن الادراک بما یلزم فی وجوب الفطر والامساک واین ہر سہ نسخہ

در بلدۂ قزان در ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء طبع شد"

" ۵ شیخ علامہ برہان الدین بلغاری کتاب ناظورۃ الحق را اتحاف فرمودہ الی غیر ذلک"

" واما مکاتیب علماے اقطار صنعا ومدائن یمینہ وفضلاے حرمین شریفین ومصر وقدس

شام وبیروت وتونس، واستامبول وجزائر وجز آن پس درحصر نگنجد تا آنکہ مجموعے کبیر از آن

مجتمع شدہ"[۵۹]

نواب صاحب کی زبان قلم سے امام شوکانی کا یہ سراپا کمال تک سنایا جائے، اسیا دا!

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیان اپنا

بن گیا رقیب آخر تھا جو مہربان اپنا (باقی)

---

۵۹ تاج مکلل ص ۳۰۷، ۳۰۹، ۳۰۰

حیات شبلی

(حصہ اوّل)

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری ہی نہیں، بلکہ اُن کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اُس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمت پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے ..... ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ ۵۲۰ صفحے، قیمت غیر مجلد ۔۔ مجلد لعہ "منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

جناب محمد واحید زمان صاحب صدیقی پٹھان کوٹ،

(۵)

اسلامی نظریۂ اجتماع سیاست کی عملی حیثیت،

گذشتہ مباحث مین اسلامی نظریۂ سیاست پر محض اصولی اور نظریاتی حیثیت سے گفتگو کی گئی تھی، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ سیاسی نظریہ محض فکر و ذہن تک ہی محدود ہے، یا اس مین ایک عملی حقیقت بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے کیونکہ محض نظری حیثیت سے کوئی حیاتیاتی نظریہ خواہ کتنا ہی خوبصورت اور دلفریب کیون نہ ہو، جب تک وہ حیاتِ انسانی مین خاص قسم کی تبدیلی پیدا کرکے اس کو اپنے منشار کے مطابق چلانے پر قادر نہ ہو کسی توجہ اور التفات کا مستحق نہین،

عالم انسانی مین ہر چیز کا وجود اسباب وعلل اور محرکات و دواعی کے وجود پر موقوف ہے، جب تک علتِ وجود اپنے تمام لوازم کے ساتھ وجود مین نہ آجائے، اس چیز کا عالم وجود مین آنا ممکن نہین، اس بنا پر کسی نظامِ حکومت اور فلسفۂ اجتماع کو بروے کار لانے کے لئے ضروری ہے، کہ جس خطۂ ارضی مین اس کو نافذ کرنا چاہتے ہین، وہان کے انسانون کے قلوب و اذہان مین ایک ایسی تبدیلی ہونی چاہئے، جو اس نظریۂ حیات سے مناسبت رکھتی ہو،

جب زمین مین غلہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو تو اس مین کسی چیز کی کاشت کرنا اور اس سے ثمرات و نتائج کی امید رکھنا عبث ہے، اسی لئے سب سے پہلے ناقابل کاشت زمین کو گھاس

پھونس خود رو جڑی بوٹیوں خار دار جھاڑیوں اور ہر اس چیز سے پاک کرنا ضروری ہے جو عمل زراعت اور اس کے نتائج کے لئے مانع اور نقصان رسان ہوسکتی ہے، اس کے بعد کھاد اور پانی وغیرہ کے ذریعہ اس کی قوت واستعداد کو اپنے منشا کے مطابق بنانے کی سعی کرنا ہوگی، ان مراحل کے بعد فصل کی کاشت سے مفید اور کارآمد نتائج کی توقع کی جاسکے گی،

اسی طرح انسانوں کو اگر کسی خاص شاہراہ عمل پر لانا مقصود ہے تو سب سے پہلے ان کے قلوب اذہان کی زمین کو ناموافق تصورات کی آلائشوں سے پاک، اور پھر مخصوص نظام تعلیم و تربیت کے ذریعہ ان کے قوائے فہم و ادراک میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی، اس کے بعد جو عملی نظام اُن کے سامنے رکھا جائے گا، وہ اس کو بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہوسکیں گے، پہلے عمل کو "تطہیر فکر" اور دوسرے کو "تعمیر فکر" سے تعبیر کرسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے دلوں کو پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں،

قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں سے تزکیۂ قلوب اور تطہیر فکر کو پہلے درجہ میں رکھا ہے، اور تعلیم و تربیت یعنی تعمیر فکر کو دوسرے درجہ میں، اور تعمیر فکر کے لئے کتاب اللہ اور حکمت یعنی علم سنت[1] کو بطور نصاب مقرر کیا ہے،

---

[1] معارف:- یہ صحیح ہے کہ حکمت کے معنی بعض روایتوں میں سنت کے آئے ہیں، لیکن "حکمۃ" کے مفہوم کو صرف علوم سنت میں محدود کرنا، اور اس پر کسی نظریہ کی مستقل بنا قائم کرنا بھی محل نظر ہے، بعضوں نے اس کی تفسیر "التفقہ فی الدین" سے کی ہے، اور بعض ارباب علم نے "الکتاب" سے مراد، احکام قانونی اور "الحکمۃ" سے احکام اخلاقی کو لیا ہے، سورہ بقرہ رکوع ۲۳، اور خصوصاً بنی اسرائیل رکوع ۳ میں

"حکمت" کی تفسیر علوم سُنت سے کی گئی ہے، اس لئے کہ یہ قرآنی اصطلاح ہے، اور قرآن کریم

مین یہ لفظ صرف ان قطعی محکم اور یقینی علوم کے لئے استعمال ہوا ہے، جو انبیار علیہم السلام کے توسط

سے انسانون کو حاصل ہوتے ہین،

یعنی حکمت انبیاء علیہم السلام کے طریق سنت اور منہاج نبوت کا دوسرا

نام ہے، فلاسفہ و متکلمین نے حکمت کے لفظ مین گو توسیع کر لی ہے، اور انسانی علوم و فنون مثلاً فلسفہ

طبعی، الٰہیات، اور فلسفہ، طب بھی اس کا اطلاق کرتے ہین، مگر یہ علوم تغیر پذیر ہین، اور ان مین ترمیم او

قطع و برید ہوتی رہتی ہے، اس لئے ان پر حکمت کا اطلاق نہ صرف قرآن کے منشار کے خلاف ہے بلکہ

لغوی اعتبار سے بھی غیر موزون ہے، اسلام مین کتاب اللہ کے بعد انسانون کے پاس اگر کوئی سرمایۂ

اذعان و یقین ہے، تو فقط علم نبوت ہے، اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، وہ محض ظنی اور تخمینی ہے، جو ہرگز

انسان کے لئے وجہ کمال نہین ہو سکتا،

محرم نہین فطرت کے سرود ازلی سے بینائے کواکب ہون کہ دانائے نباتات

غرض یہی وہ طرز تعلیم اور طریق ارشاد ہے، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اور دنیا مین

جتنے بھی انبیار علیہم السلام وقتاً فوقتاً آتے رہے ہین، وہ اسی طریق رشد و ہدایت کے پابند رہے، قرآن

تعلیم مین غور و فکر کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سالہ مکی

زندگی مین اپنی تمام تبلیغی کوششون کو تطہیر فکر ہی پر مرکوز رکھا، یہی وجہ ہے کہ مکہ معظمہ مین جس قدر

قرآنی سورتین نازل ہوئین، ان مین سب سے زیادہ تزکیۂ قلوب پر زور دیا گیا ہے، اور دس سالہ مدنی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۷) جو چند اخلاقی احکام بیان کئے گئے ہین، اُن کے آخر مین ارشاد ہے،

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ، یہ باتین اس حکمت مین کی ہین، جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہین،

"مسا"

زندگی مین آپ نے تعمیر ملت کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اسی بنا پر مدنی سورتون مین بالعموم
تمدنی، عمرانی، معاشی اور سیاسی مسائل بیان کئے گئے ہین، اور اس طرح ۲۳ سالہ دورِ حیات مین
آپ نے اسلام کے فلسفہ، فکر و عمل کی تکمیل کی،

ان حقائق کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی جدید نظام فکر و عمل کو بروے کار لانے کیلئے
سب سے پہلے انسانون کے رجحانِ طبیعت اور اندازِ فکر مین انقلاب پیدا ہونا ضروری ہے تاکہ مطلوبہ
فضا، نظام حیات کے لئے سازگار ہو جائے، یہ عبوری مرحلے طے کرنے سے پہلے نظام سیاست تو باہر
اُن کے سر منڈھا جا سکتا ہے لیکن ان کے دلون مین نہین اتارا جا سکتا، اور تا وقتیکہ دلون مین اس
کی عقیدت و محبت کار فرما نہ ہو زیادہ دیر تک اس کا قائم رکھنا دشوار ہے،

یہ بات بھی ناقابلِ انکار ہے کہ تطہیر فکر اور تعمیر فکر کا کام کوئی معمولی کام نہین بلکہ مشکل سے
بھی مشکل تر ہے، کیونکہ انسانون کے قلب و دماغ جن عقائد و تصورات سے مانوس ہو جاتے ہین، اور
جو خیالات نسلاً بعد نسلٍ وراثت کے طور پر اُن مین منتقل ہوتے چلے آتے ہین، وہ سوسائٹی کے خمیر
مین داخل ہو کر فطرت ثانیہ بن جاتے ہین، اب ان خیالات کی جگہ دوسرے خیالات پیدا کرنے کیلئے
سالہا سال انتھک اور لگاتار جد و جہد کی ضرورت ہے، یا نبی کی مقدس شخصیت اپنی معجزانہ قوت سے
صدیون کا کام چند دنون مین ہی انجام دیدے، لیکن سواے نبی کے اور کسی کے بس کی بات نہین، کہ وہ
چند سالون مین حیات انسانی مین انقلاب عظیم پیدا کرکے ان کی کایا پلٹ کے رکھدے،

واقعات کی روشنی مین بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ انسانون کے فکر و ذہن مین تبدیلی پیدا
کرنے کے لئے بہت بڑی محنت اور کاوش کی ضرورت ہے، آج دنیا کی اقوام سیاست و تمدن کے
جس موقف پر پہنچ چکی ہین، وہ اگرچہ افادی حیثیت سے دور سابق سے کچھ مختلف ہین، پھر بھی اس تک
پہنچنے کے لئے ان کو سالہا سال کی لگاتار اور مسلسل کوشش سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور ابھی دورِ اوّل

کا مدافعہ درپیش ہے،

رست از یک بند تا افتاد در بند دگر

اس لئے یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت و مساوات کے بلند بانگ دعاوی کی تکمیل کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، کیونکہ اب تک اُن کی ذہنیتیں اس سطح پر نہیں پہنچ سکی ہیں، جہاں سے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود اور ہمدردی ومساوات کے اصلی سرچشمے نکلتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اتنی مسلسل جد وجہد کے بعد بھی اقوام حاضرہ اپنے ہی مجوزہ نصب العین تک نہیں پہنچ سکیں، حالانکہ جس نظام کو ان کی عقل نے ترتیب دیا ہے وہ کسی حد تک ان کی ذہنی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے، تو کسی ایسے نظام حیات کو قبول کرنے کے لئے وہ کیسے آمادہ ہو سکیں گی، جو ابتک ان کے معیار عقل سے ورار الورار ہے، یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے، کہ انسان ہر ایسی چیز کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے جس سے اس کو طبعی لگاؤ ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں ایسی چیز کے قبول کرنے میں وہ زیادہ دقت محسوس کرتا ہے جو اس کے عقائد و تصورات سے بالکل مختلف ہو،

دراصل دنیاے انسانیت اس نظام فطرت سے جس قدر دور جا چکی ہو اُسی قدر اب اسے اُس کے قریب لانے میں وقت اور محنت کی ضرورت ہے، اور جس قدر انسانی قلوب میں صالح تبدیلی پیدا ہوتی جائے گی، اسی قدر اسلامی نظام سیاست واجتماع کے نفاذ و اجرار کا وقت بھی قریب آتا جائے گا،

اس میں شک نہیں کہ زمانہ دھیمی رفتار کے ساتھ خود ہی اپنے اصل مرکز کی طرف جا رہا ہے اور جلد یا بدیر اُسے اسلام کی معین کردہ منزل تک پہنچنا ہے، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اقوام حاضرہ اسلام کے نام سے بغض وعناد رکھنے کے باوجود غیر شعوری طور پر اسی منزل کی طرف بڑھ رہی ہیں، اور آخر ایک ایسا وقت آکر رہے گا، کہ تمام دنیاے انسانیت اسلام کے دامن امن وعافیت میں

پناہ لینے پر مجبور ہوجائے گی،

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ، قرآن کریم تمام عالم انسانی کے لئے ذکر ہے، اور یہ حقیقت دنیا پر کسی دن عیان ہوکر رہے گی،

انسانی دنیا کو اس غایتِ قصویٰ تک پہنچانے کے دو ہی ذریعے ہین، ایک یہ کہ کوئی فوق العادت شخصیت اپنی غیر معمولی قوتِ فکر وعمل سے چند سالون ہی مین تطہیرِ فکر اور تعمیرِ فکر کے مراحل طے کرکے دنیا کے گمراہ انسانون کو رشد و ہدایت کی بلندیون تک پہنچا دے، دوسرے یہ کہ دنیاے انسانیت خود ہی گرتی پڑتی، اور علم ویقین کے مراحل طے کرتی ہوئی اس نصب العین تک پہنچ جائے، پہلی صورت مین خداے قدوس کی طرف سے بھیجے ہوے انبیاء ورسل کی معجزانہ قوتون کو دخل ہے اور دوسری صورت خود انسانی اذہان وافکار کے تدریجی ارتقار کا نتیجہ ہے، پہلی حالت عالمِ انسانی کے لئے ایک مثالی اور معیاری حیثیت رکھتی ہے تاکہ انسان اُسے سامنے رکھکر اپنی تگ ودو جاری رکھ سکے، اور زندگی کے مراحل ومشکلات کے حل کے لئے ان کے سامنے ایک مثال موجود رہے، اس حالت کے دیرپا ہونے کی ضرورت نہین، کہ یہ تو شعورِ ذات کے لئے ایک زینہ ہے، اور انسانی ارتقار کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دیتی ہے، مگر دوسری حالت مین انسانی فکر و ذہن خود ہی سیکڑون ٹھوکرین کھانے کے بعد نظامِ الٰہی کے لئے مستعد اور قابل بن جاتا ہے، اس لئے اسے قدرتی طور پر دیرپا ہونا چاہئے یہی وہ بابرکت زمانہ ہوگا جس کی نسبت خود مخبرِ صادق علیہ التحیۃ والسلام نے خبر دی ہے،

لَا يَبْقىٰ عَلىٰ ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ (اخرجہ احمد) روے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہین رہیگا، جہان کلمۂ اسلام داخل نہ ہوجائے

خلافت الٰہیہ کا دورِ سعادت | جب رات کی تاریکی کائنات کو اپنے دامن مین چھپا لیتی ہے تو شعاعِ صبح کی نمود ہوتی ہے، جب گرمی کی شدت ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے، تو خوشگوار ہوائین بارانِ رحمت کی نوید لاتی ہین، جب انسان کے ظاہری جسم کے لئے رب العالمین کی جانب سے یہ اہتمام ہے تو پھر اس کے قلب و نظر کو کیسے ہمیشہ بے نور ہی رہنے دیا جاتا، اور اس کی روح کی تپش کے لئے کیون نہ سامانِ تسکین بہم پہنچایا جاتا،

آج سے تیرہ سو سال قبل جب کہ کائنات کی روحانی تجلیات بالکل مدھم پڑ چکی تھین اس کے قلب و نظر پر جہالت و ضلالت کی تاریک گھٹائین چھائی ہوئی تھین، انسانی گمراہی اپنی حدِ کمال تک پہنچ چکی تھی، یہان تک کہ زمین کی سطح پر انسانون کی کوئی جماعت بھی دینِ حق پر قائم نہ رہ گئی، انسانیت کے گلے پر قومی، نسلی، قبیلوی اور مذہبی امتیازات کی چھری چلائی جا رہی تھی، قتل و غارت اور کشت و خون کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان فاطرِ ارض و سما کی ہستی کا منکر اور ارباباً من دون اللّٰہ کے سامنے سجدہ ریز تھا، اور انسانیت مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی، کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے، اور زمین کے عین قلب مین ایک "جہانگیر" تجلی کا ظہور ہوا، جس نے فطرت کی تہ در تہ تاریکیون "ظلمٰتٌ بعضہا فوق بعض" کو چاک کر کے اس کے اصلی خط و خال کو نمایان کر دیا، ضلالت و غوایت کے بادل چھٹ گئے، اور فطرتِ انسانی اپنی تمام ضیا پاشیون کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی، خود نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن اعلان کیا،

انّ الزمان قد استدار کہیئتہ	زمانہ ایک بڑا لمبا چکر کاٹ کر اسی مرکز پر
یوم خلق اللّٰہ السموات والارض	آپہنچا ہے، جہان سے اس کی ابتدا ہوئی تھی،

درحقیقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور خزان خوردہ انسانیت کے لئے نوید بہار تھا، اور اربابِ جور و استبداد کے لئے پیغامِ مرگ، آپ نے ۲۳ سالہ مختصر دورِ حیات مین ایک ایسے نظامِ حیات کی بنیاد ڈالی،

جس کی مثال دنیا نے کبھی پہلے نہین دیکھی تھی،

خدائے قدوس نے دنیا کی رہنمائی کے لئے ایک ایسی عظیم اور مقدس ترین شخصیت کا انتخاب کیا جو قیامت تک کائناتِ انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی ہے، اوس کی آواز پر جن لوگون نے لبیک کہا وہ عالمِ انسانی مین سب سے زیادہ ایمان و عمل اور ہدایت و رشد کے لئے اہل تھے، اسی لئے دنیا کی لاتعداد انسانی آبادی مین صرف ان ہی کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت اور خلافتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے منتخب کیا،

جاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو	تم اللہ کے راستہ مین جہاد کرو جیسا کہ جہاد
اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین	کا حق ہے، اُسی خدا نے تمھین دنیا کے انسانون
من حرج ملۃ ابراھیم ھو سماکم	سے اس مقصد کے لئے چنا ہے، اور دین کے
المسلمین من قبل وفی ھذا	معاملہ مین اُس نے تم پر کوئی ناقابلِ برداشت
لیکون الرسول شھیدا علیکم	تکلیف نہین ڈالی، اپنے روحانی باپ
وتکونوا شھداء علی الناس،	ابراہیم کی ملت کو اختیار کرو جس نے اس
	سے پہلے اور اس وقت بھی تمھارا نام مسلم
	رکھا ہے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر
	گواہ اور نگران بنین، اور تم تمام لوگون پر

اعتبار کے لغوی معنی کے اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ملتِ اسلامیہ اور بالخصوص صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو روے زمین کے ان گنت انسانون سے اسی طرح چُنا گیا ہے، جس طرح کسی کثیر التعداد اشیائ سے جوہر کشید کیا جاتا ہے، اور جس طرح مقصود بالذات جوہر ہوتا ہے، اسی طرح کائناتِ انسانی مین مقصود اصلی مسلمان کا وجود ہے، اور یہی وہ خیرِ اُمت ہے، جس کا مقصدِ حیات ذاتی منصب و وقار عزت و جاہ اور دولت و زر کا حصول نہین، بلکہ دوسرون کو ضلالت و غوایت کی تاریکی سے نکال کر ذاتِ احدیت

سے روشناس کرانا ہے "خیر امت" کے موقر خطاب کا یہ اسی لئے اہل تصور کیا گیا ہے کہ اخرجت للناس یعنی اس کی زندگی عالم انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہے،

گفت آن کلیم خویش بدر می برد ز موج

وین سعی می کند کہ بر آرد غریق را

یہی وجہ ہے کہ بے شمار انسانی آبادی مین خداے قدوس کی نگاہ و انتخاب پڑی تو عرب کی اس "امت امیہ" پر جو فلسفہ اور سائنس تو کیا، حساب کے معمولی قواعد بھی نہین جانتی تھی، ہان اس کے پاس ایک ہی چیز تھی "اس کا قلب صالح تھا، جس مین عالم انسانی کی رہنمائی کرنے کی استعداد کامل موجود تھی،

عن ابن مسعود قال ان اللہ نظر فی	خداے تعالی نے لوگون کے دلون کو دیکھا تو
قلوب العباد فوجد قلب محمد خیر	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تمام لوگون کے
قلوب العباد فاصطفاہ ولبعثہ برسالتہ	دلون سے بہتر پایا، پس اُن کو چن لیا، اُن
ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب	نبوت عطا کی، دوسری دفعہ خدا نے لوگون
محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ	کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء	کے اصحاب کے قلوب کو سب سے بہتر پایا،
نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یقاتلون عن دینہ	لہذا ان کو اپنے نبی کے وزراء ہونے کا شرف
(اخرجہ ابو عمر فی خطبۃ الاستیعاب)	عطا کیا جو دین کی حفاظت کے لئے جہاد"

نیز یہی حدیث بیہقی مین تھوڑے اختلاف اور کچھ اضافہ کے ساتھ ہے کہ

فجعلھم انصار دینہ ووزراء	پس ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی
نبیہ فما راٰہ المومنون	صلی اللہ علیہ وسلم کو وزراء بنایا، پس جس چیز کو یہ ایماندار
حسنا فھو عند اللہ حسن و	بہتر تصور کرین گے، وہ اللہ کے نزدیک بھی

وَمَا رَاَوْهُ قَبِيْحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيْحٌ، بہتر ہوگی، اور جس کو یہ برا خیال کرین گے وہ اللہ کے ہان بھی بری ہوگی،

غرض یہی وہ مقدس نفوس تھے جن کے ایمان محکم اور عمل پیہم نے کائنات انسانی مین ایک نئے انقلاب کی طرح ڈالی جس کی ابتدا خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھون سے ہوئی تھی، آپ ہی نے سب سے پہلے وحی الٰہی کی روشنی مین ایک جدید ملت کی تعمیر کی، اور اس کے ذہن و فکر کو نئے سانچے مین ڈھال کر اس کے لئے شاہراہ عمل متعین کردی، اور راستہ کی ایک ایک عبوری حالت سے آگاہ کرکے آخری منزل مقصود کا نشان بھی بتایا، اور آنے والے مختلف دورون کی جانب اشارہ کرکے ان دورون کے لئے بھی راہ عمل بتادی، تاکہ حیات اجتماعیہ کا کوئی ایک دور بھی ہدایات نبوت سے رہنمائی حاصل کرنے مین محروم نہ رہ جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے متنوع حالات کے پیش نظر ملت اسلامیہ کو کئی ادوار مین تقسیم کیا ہے، چنانچہ ابو یعلی اور شاطبی کی روایات مین بالترتیب چار اور پانچ دور بیان کئے گئے ہین جنھین مقالہ کے ابتدائی حصہ مین ذکر کیا جا چکا،

اس حدیث مین خلافت راشدہ کا زمانہ بھی معین کر دیا گیا ہے، اور اس معین عرصہ کے بعد ملوکیت مستبدہ کی خبر دی گئی ہے،

الخلافة بعدی ثلثون سنة، میرے بعد خلافت ۳۰ سال تک رہیگی،

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الخلافة بالمدينة والملك بالشام (اخرجه الحاكم) مدینہ منورہ مین خلافت علی طریق السنۃ ہوگی، اور شام مین ملوکیت،!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاے راشدین کے اعمال کو سنت سے تعبیر فرمایا ہے، اور مسلمانون کو سنت نبوی کی طرح اتباع کامل کا حکم دیا گیا ہے، کہ ان کا نظام اجتماع اور آئین سیاست بالکل طریق سنت اور منہاج نبوت پر قائم تھا۔

عن عرباض ابن ساریہؓ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ (صحاح)

تم مین سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت بڑا اختلاف دیکھے گا، لہذا تم میرے بعد میری سنت، خلفاے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کے ساتھ تمسک کرو، اس کو نہایت مضبوطی سے پکڑ لو،

متعدد احادیث مین اس مقدس عہد کی دینی برکات اور سیاسی فتوحات کی خبر دی گئی ہے،

عن ابی ہریرةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلک کسری ثم لا یکون کسری بعده وقیصر لیہلکن ثم لا یکون قیصر بعده ولتقسمن کنوزہما فی سبیل اللہ،

کسریٰ (گویا) ہلاک ہو چکا ہے، اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہین ہوگا، اور قیصر بھی عنقریب ہلاک ہو جائے گا، اور پھر کوئی قیصر پیدا نہین ہوگا، تم اُن کے خزانے اللہ کے راستہ مین تقسیم کروگے،

عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقہا ومغاربہا وان امتی سیبلغ ملکہا ما زوی لی منہا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض، (اخرجہما مسلم)

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو اکٹھا کر دیا، تو مین نے اس کے مشرقی اور مغربی حصون کو دیکھا، بہت جلد میری اُمت کی حکومت اُس زمین پر قائم ہو جائیگی، جو مجھے دکھائی گئی ہے، اور مجھے سونے اور چاندی کے خزانے دیئے گئے،

ظاہر ہے کہ ان فتوحات کی تکمیل خلفاے راشدین کے زمانہ مین ہوئی، اور اسی دور سعادت مین مسلمانون نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو پاؤن تلے روندا، اور ان کے ملکون مین اسلام کا جھنڈا

نصب کیا گیا، اور عراق کی فتح کے بعد ایک ہزار اونٹ بیش بہا خزائن اور ساز و سامان سے لدے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، یہی وہ زمانہ ہے، جس مین دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ مین قرآنی نظام سیاست و اجتماع کا نفاذ ہوا،

اس بابرکت دور کے بعد ایک بہت بڑے فتنہ کی خبر دی گئی ہے، اور مسلمانون کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس موقع پر اپنے امیر کا ساتھ دین

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انھا ستکون فتنۃ و اختلاف او اختلاف و فتنۃ قال قلنا یارسول اللہ فما تامرنا قال علیکم بالامیر و اصحابہ (اخرجہ الحاکم)	بہت جلد ایک فتنہ اور اختلاف یا اختلاف اور فتنہ (یہ شک الراوی) برپا ہوگا، ابوہریرہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! ایسی حالت مین ہمارے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، اپنے امیر اور اس کے ہمراہیون کا ساتھ دینا،

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اس فتنہ کا آغاز ہوا، اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا، یہانتک کہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت مین بدامنی، شورش اور طوائف الملوکی خطرناک حد تک پہنچ گئی، اور ان کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کا دور ختم ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شورش و بدامنی کے متعلق پہلے سے حضرت علیؓ کو آگاہ فرما دیا تھا،

عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلیّ اما انک ستلقی بعدی جھدًا قال فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ من دینک (اخرجہ الحاکم)	آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، عنقریب تجھے سخت تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑیگا، عرض کیا میرے دین کی سلامتی کے ساتھ؟ فرمایا! ہان تمھارے دین کی سلامتی کے ساتھ

خلافتِ راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دورِ استبداد شروع ہوتا ہے، اس کی نسبت بھی سرادرِ دو جہان

صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دیدی تھی،

ثُمَّ کائن مُلکًا عضوضًا، الخ	اس کے بعد جابر بادشاہ ہون گے،

ملوکیتِ عاضہ اور "ملوکیتِ جابرہ" کے بعد ایک پانچوین دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ	آخر مین ایک دفعہ پھر خلافت علی طریق السنۃ
تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی	کا دور آئے گا جس کے اعمال سُنت کے اسلوب
الاسلام بجبرانہ فی الارض و	پر ہون گے، اور اس دور مین اسلام کو زمین
یرضی عنھا ساکن السماء وساکن	مین استحکام حاصل ہوگا، آسمان والے، اور
الارض لاتدع السماء من قطراِلّا	زمین والے اس دور سعید سے خوش ہون گے
صبّتہ مدرارًا ولاتدع الارض	آسمان رحمتِ خداوندی کی موسلا دھار بارش
نباتھا وبرکاتھا الّا اخرجتہ	برسائے گا، اور زمین اپنی تمام نباتات، اور
(اخرجہ الشاطبی فی الموافقات)	خزائن باہر نکال دے گی،

یہی وہ آخری دور ہے، جو اسلام کی آخری منزل ہے، اور جس مین لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٗ کا اعلان خداوندی ایک حقیقۃ ثانیہ بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوگا،

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام سیاست مین کوئی کشش تھی، تو پھر وہ زیادہ عرصہ تک کیون نہ قائم رہ سکا،

مختصراً اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دائرۂ اثر و نفوذ کسی ایک وطن یا قوم مین محدود نہین، بلکہ جغرافی اور نسلی قیود سے بلند تر اور تمام عالم انسانی کی وسعتون کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی حیاتیاتی نظریہ افادہ کے اعتبار سے جتنا محدود ہوگا، اس کا اجرار و نفاذ بھی اسی قدر آسان ہوگا، اور جس قدر اس کا دائرہ نفوذ بڑھتا جائے گا، اسی تناسب سے اس کے قیام مین

دشواریاں بڑھتی جائیں گی،

اسلام کا نصب العین تمام روئے زمین میں خلافتِ الٰہیہ کا قیام ہے اور تاوقتیکہ تمام عالم انسانی استعداد و قابلیت کے ایک خاص موقف تک نہ پہونچ جائے اس وقت تک اسلامی نظام حیات دیرپا اور عالمگیر نہیں ہوسکتا، عہدِ خلافت راشدہ میں اگرچہ دنیا کے بہت بڑے حصہ میں خلافتِ الٰہیہ کا نفاذ ہوا مگر وہ دیرپا نہ ہوسکا، کیونکہ ان کے لئے جن شرائط کی ضرورت تھی، وہ پوری طرح اس وقت تک عالم وجود میں نہیں آئے تھے، مگر اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک کامل اور جامع کتاب ہدایت اور ایک مکمل نمونۂ عمل انسانوں کے حوالہ کر دیا جائے جو زندگی کے مختلف مراحل میں ان کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دیکھے اور عملی تجربات میں ان کی ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر سکے یہانتک کہ ان کا شعور ذات درجۂ تکمیل تک پہنچ جائے

عن مالکؒ انہ بلغہ انہ علیہ السلام قال	میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک
ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم	تم ان سے تمسک کرتے رہو گے، گمراہی سے
بھما کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	محفوظ رہو گے یعنی کتاب اللہ اور سنت"

نیز خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلامی نظریۂ سیاست کے نفاذ سے دنیا پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ نظام زندگی محض تصورات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت بننے کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہے مگر اس کی تکمیل اس وقت ہوگی، جب کہ انسان کا شعور ذات مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے اصل مرکز پر پہنچ جائیگا یہی انسان کی آخری منزل مقصود ہوگی، اور کسی نہ کسی دن اسے اس غایت قصویٰ تک پہنچنا ہوگا، مگر یہ وقت کب آئیگا، اس کے متعلق کوئی قطعی جواب نہیں دیا جاسکتا، ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب دنیائے انسانیت سالہا سال کی مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں سے تنگ آجائیگی، اس کے فہم و ادراک کی جولانیوں کے لئے تمام راہیں بند ہوجائیں گی، تو یاس و ناامیدی کے عالم میں اسے یہ کہنا پڑے گا، ع "تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی" اور پھر اعتراف عجز کے ساتھ اسے بارگاہِ رب العزت میں جھکنا ہوگا، اور حسرت و افسوس کے ساتھ اظہار ندامت کرنا پڑے گا کہ ربنا ظلمنا انفسنا فاغفر لنا ذنوبنا۔

تلخیص تبصرہ

رباعیاتِ عمر خیام کا قدیم ترین نسخہ

ماہِ رواں میں طہران کا ماہانہ علمی رسالہ "یادگار" جلد ۳ نمبر ۳ موصول ہوا، اس کے ایک ادارتی مقالہ سے رباعیاتِ خیام کے ایک قدیم ترین نسخہ کا حال معلوم ہوا، فاضل مدیر یادگار نے رباعیات خیام کے ان نسخوں میں سے جو اس وقت تک معلوم تھے، بوڈلین لائبریری کے نسخہ کو قدیم تر لکھا ہے، جو سنہ ۸۶۵ھ یعنی خیام کی وفات کے ۳۴۸ برس بعد کا لکھا ہوا ہے، اور جس میں صرف ۱۵۸ رباعیاں ہیں،

لیکن یہ مستشرقین کی تحقیق ہے، جس کا تتبع مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ نے اپنی تصنیف "خیام" میں چند ایسے دوسرے نسخوں کی نشان دہی کی ہے، جو بوڈلین کے اس نسخہ سے قدیم تر ہیں، ان میں دو نسخے قسطنطنیہ میں ہیں، جو سنہ ۸۶۴ھ اور سنہ ۸۶۱ھ کے لکھے ہوئے ہیں، اور ایک نسخہ لکھنؤ میں بابو گوری شنکر سکسینہ کی ملکیت میں ہے، جو سنہ ۸۲۶ھ میں لکھا گیا ہے (خیام ص ۲۶۱ و ۲۶۳)، بہرحال یہ تینوں نسخے بھی نویں صدی ہجری کے قرار پائے ہیں، جن میں قدیم تر لکھنؤ کا نسخہ مکتوبہ سنہ ۸۲۶ھ ہی ہے، رباعیات کا جو جدید مجموعہ طہران میں دریافت ہوا ہے، اس کی کتابت کی تاریخ سنہ ۶۰۴ھ ہے، یعنی خیام کی وفات کے کل ۷۸ برس کے بعد وہ لکھا گیا ہے، اس لحاظ سے اس نسخہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے،

خیام کی یہ رباعیاں دراصل ایک مجموعہ منتخبات کے اندر ہیں، جس میں مختلف شعراء کے کلام کے انتخابات درج ہیں،

اتفاق سے اس مجموعہ کے ابتداء اور وسط کے کچھ اوراق غائب ہین، اور جو محفوظ رہ گئے ہین، ان مین سنائی، معزی، سوزنی، عمر خیام اور ازرقی کے منتخبات موجود ہین، اور خوش قسمتی سے عمر خیام کی رباعیات کے سب اوراق محفوظ رہ گئے ہین، مجموعہ کے باقی ماندہ کل اوراق کی تعداد ۵۹ ہے، جن مین سے ۲۱ ورق خیام کی رباعیات کے ہین، ہر صفحہ مین ۱۶ سے ۱۸ سطرین ہین، اور رسم خط قدیم ہے، رباعیات کا انتخاب اس عنوان سے شروع ہوتا ہے،

"من کلام عمر الخیامی النیشاپوری علیہ الرحمہ"

پھر خاتمہ پر درج ہے،

"انتخاب اشعار حکیم عمر خیامی نیز بپایان رسید"،

ان منتخب رباعیون کی تعداد جو ۲۱ ورقون مین ہین، ۲۵۱ ہے، اس سے خیام کی رباعیات کی تعداد کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، اب تک محققین کو رباعیاتِ خیام کے کسی قدیم نسخہ کی جستجو رہی ہے، اس کی عدم موجودگی مین مختلف علمی و ظنی قیاس آرائیون سے ان کی تعداد معین کرنے اور مختلف رباعیون کے انتساب کی صحت و عدم صحت کے جانچنے کا معیار مقرر کرنے کی کوششین کرنی پڑی ہین، اس نسخہ کے اکتشاف سے ان مباحث پر غیر معمولی روشنی پڑے گی، اور کسی نتیجہ تک پہنچنے مین آسانی حاصل ہوگی، اور پھر کم سے کم یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا، کہ وہ ڈھائی سو سے زیادہ تھین، جن مین سے ۲۵۱ رباعیون کو منتخب کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ لائق مقالہ نگار کو اس مجموعہ کی رباعیون کو دوسرے مجموعون کی رباعیون سے مقابلہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہے، وہ صرف چند رباعیون کا مقابلہ برلین کے نسخہ سے کر سکا ہے، اور ان کو اس مقالہ مین شائع کر دیا ہے، لیکن مقالہ نگار کا عام اندازہ ہے، کہ ان ڈھائی سو رباعیون مین سے بیشتر دوسرے مجموعون مین بھی موجود ہین،

اس مجموعہ کے خاتمہ پر کتابت کی تاریخ ثبت ہے، مجموعہ ازرقی کے انتخابات پر ختم ہوا ہے،

آخر میں تحریر ہے:-

"چون انچہ در صدد کتاب وعدہ دادہ بودیم، از منتخباتِ شعرا بر سبیل اجمال بتقدیم رسید کتاب را برین اشعار استاذ الشعراء حکیم ازرقی ہروی رحمہ اللہ ختم کنیم، اگر طغیان قلمی یا خللی در عبارت یا در مفہوم یا سہو در نظر آید، معذور باید داشت کہ بر سبیل ارتحال در حالِ استعجال اتفاق تحریر افتاد ایزد سبحانہ و تعالی انچہ مقتضے ثبات و نظام و مستدعی حصول مرام بود ارزانی دارد انہ اللطیف المجیب در شہر رجب سنتہ اربع و ستمایۃ العبد المذنب غیاث الدین محمد بن یوسف بن علی عفا اللہ عنہ بحق محمد و الہ الطاہرین المعصومین"

ادارہ مجلہ یادگار کا ارادہ ہے کہ اس ساڑھے سات سو برس کے قدیم مخطوطہ کو عکسی فوٹو کے ساتھ شائع کرے تاکہ رباعیاتِ خیام کے مجموعوں میں سے ایک قیمتی مجموعہ منظر عام پر آجائے،

"س"

اعلان

۱۔ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسالِ زر کے وقت براہِ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲۔ معارف ہر مہینہ کی ۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

استفسار و جواب

کیا ولادت نبوی کے وقت آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

جناب خواجہ عبدالوحید صاحب
قدیر منزل سید روڈ لاہور

حال ہی میں سیرۃ نبوی کی ایک چھوٹی سی کتاب بغرض تصحیح میرے پاس آئی، اس کا نام تھا "حیات النبی" اور عنوان کے نیچے لکھا ہے "شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی مستند عربی تاریخ بدء الاسلام کے فارسی ترجمہ کا اردو خلاصہ"،

اس کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے،

"انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے، کہ آپ کے والد بزرگوار نے وفات پائی"

یہ جملہ پڑھکر تعجب ہوا، اس لئے کہ ہم لوگ ہمیشہ یہی پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پیشتر آپکے والد عبداللہ بن عبدالمطلب انتقال فرما چکے تھے، بدء الاسلام کا اردو ترجمہ جو علیا حضرت میمونہ سلطانہ شاہ بانو صاحبہ بھوپال نے کیا ہے، اور جو رحمانی پریس دہلی میں طبع ہوئی، اس کے ص ۸ پر ولادت باسعادت کے زیر عنوان وہی الفاظ موجود ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینہ کے تھے کہ آپکے باپ نے رحلت فرمائی"

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اصل کتاب (جو عربی زبان میں ہے) کے الفاظ بھی یہی ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی سند کیا ہے، میں نے سیرۃ النبی کی جلد اول اس غرض سے دیکھی، تو وہاں اول عبداللہ کی وفات کا تذکرہ ہے، جہاں باب ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد "طلوع قدسی" کے عنوان سے باب لکھا گیا ہے، جس میں ولادت نبوی کا ذکر ہے، یہ صاف ظاہر

کرتا ہو کہ آپ کی پیدائش سے پیشتر آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

اس لئے اگر مندرجۂ بالا جملہ غلط ہے، تو اس کی تصحیح ہو نی چاہئے، اندرین حالات اپنے خیالات عالیہ سے مطلع فرمائین، اور اگر کسی ماہ کے معارف مین اظہار خیالات ممکن اور مناسب ہو تو شاید بہت سے لوگون کو اس سے فائدہ پہنچ سکے،

معارف:۔ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرتؐ کے والد ماجد کی نسبت مختلف روایات ہین، سیرۃ ابن ہشام مین یہی ہے کہ اُن کی وفات کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز شکم مادر مین تھے، چونکہ بحیثیت سیرۃ کی کتاب کے یہ ماخذ زیادہ تر مشہور ہے، اس لئے زبانون پر یہی روایت ہے، مگر دوسری روایتین بھی کتابون مین موجود ہین، جن مین سے ایک وہ ہے جس کو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بدر الاسلام مین اختیار کیا ہے،

امام سہیلی سیرۃ ابن ہشام کی شرح مین لکھتے ہین،

وذکر انہ مات ابوہ وھو حمل و اکثر العلماء انہ فی المھد ذکرہ الدولابی وغیرہ وقیل ابن شھرین ذکرہ ابن ابی خثیمہ وقیل اکثر من ذلک ..... وقد قیل مات ابوہ وھو ابن ثمان وعشرین شھراً، (روض الانف سہیلی ص۱۰)	ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپ حمل ہی مین تھے، کہ آپ کے والد نے وفات پائی، اور اکثر علماء اس پر متفق ہین، کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ مین تھے، اس کو محدث دولابی وغیرہ نے بیان کیا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ آپ دو مہینہ کے تھے، اس کا ذکر محدث ابن ابی خثیمہ نے کیا ہے،

حافظ زرقانی مواہب لدنیہ کی شرح مین اس مسئلہ کی حسب ذیل تحقیق کرتے ہین،:۔

" اور جب حضرت آمنہ پر حمل کے دو مہینے گذرے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی پیدائش کو

دو ماہ باقی تھے، تو آپ کے والد عبد اللہ نے وفات پائی، اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی، جیسا کہ واقدی کا بیان ہے، اور یہی زیادہ ثابت ہے، یا ۳۰ برس کے تھے، جیسا کہ ابو احمد حاکم نے کہا یا اٹھائیس برس کے تھے، یا اٹھارہ برس کے تھے، اور اسی کو حافظ مغلطائی اور حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے، اور اسی کو حافظ سیوطی نے پسند کیا ہے

اور کہا گیا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارۂ طفولیت میں تھے، سہیلی نے کہا ہے کہ یہی اکثر علماء کا قول ہے، محدث دولابی نے اسی کو کہا ہے، .... اب اس قول کے بعد کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ میں تھے، اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی، محدث ابن ابی خیثمہ کی روایت ہے، کہ دو ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۷ ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہ ۲۸ ماہ کے تھے، لیکن راجح اور مشہور قول یہ ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے اور واقدی اور ابن سعد اور بلاذری اور ذہبی نے اس کو راجح کہا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے، جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور جس کو حاکم نے صحیح مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے، اور امام ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، مستدرک میں حاکم نے قیس بن مخرمہ صحابی سے روایت کیا ہے، کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے وفات پائی، آپ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے"۲

۲ زرقانی جلد اول ص ۱۳۲ و ۱۳۳ (مصری)

قیس بن مخرمہ صحابی آپ کے خاندان کے تھے، اور بالکل ہم عمر تھے، یعنی اسی سال پیدا ہوئے، جس سال آپ پیدا ہوئے، (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۴، حیدرآباد دکن) اس لئے یہی روایت صحیح ہے، اور یہی علماء میں معتبر اور مسلمانوں میں مشتہر ہے، حاکم کی یہ حدیث مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۰۵ میں ان لفظوں کے ساتھ ہے توفی ابوہ وامہ حبلی بہ (هذا حديث صحيح على شرط مسلم)

آپ اس رسالہ پر حاشیہ لکھ دیں "کہ ایک روایت یہی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ولادت سے پہلے آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی"
"س"

مطبوعات جدید

قرآن اور تصوف از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حجم ۲۰۰ صفحے تقطیع ۲۶×۲۰ قیمت ۔ عاپتہ :۔ ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی،

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب اسلامی عقائد و مسائل کو زمانۂ حال کے فلسفیانہ طرز استدلال مین مرتب کرکے معارف اور ملک کے دوسرے علمی رسالون مین پیش کرتے رہے ہین، "قرآن اور تصوف" ان کے اسی نوعیت کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو معنوی ترتیب سے ایک مستقل کتاب کے ابواب بن گئے ہین، اس مین انھون نے قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ سے اسلام کے حقیقی تصورات و تعلیمات کو پیش کرکے دکھایا ہے کہ یہی وہ بنیادی حقائق ہین، جن کو اکابر صوفیہ نے دور قدیم مین تصوف کے نام سے پیش کیا ہے، مقدمہ مین لفظ "تصوف" اور "صوفی" پر بحث آئی ہے، مصنف نے امام قشیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا" (قرآن اور تصوف ص ۹) لیکن امام قشیری کا یہ بیان لفظِ تصوف کے بارہ مین ہے، نہ کہ لفظِ صوفی کے متعلق، اور انھون نے صرف "پہلے" لکھا ہے" نہ کہ "کچھ پہلے"، امام قشیری فرماتے ہین،

فانفرد خواص اھل السنۃ ...	اس لئے خواص اہلِ سنت .... تصوف
...باسم التصوف واشتھر ھذا	کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری
الاسم لھؤلاء الاکابر قبل المائتین	صدی ہجری سے پہلے ان اکابر کے لئے
من الھجرۃ، (رسالہ قشیریہ ص ۹)	اس نام کی شہرت ہوئی،

لفظ "صوفی" کے استعمال کے متعلق ملا جامی کی نفحات الانس کا بیان اس سے زیادہ واضح ہے، اس میں شیخ ابو ہاشم صوفی کے متعلق جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی ہے، مذکور ہے،

"اول کسے کہ ویرا صوفی خواندہ اند وے بود پیش از وے کسے را باین نام نخواندہ بودند"

(تذکرہ ابو ہاشم صوفی)

باین ہمہ دوسری اور تیسری صدی میں وہ اکابر جن کی امتیازی شان زہد و عبادت سمجھی جاتی تھی، عموماً "الزاہد" اور "المتعبد" ہی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، تیسری صدی کے بزرگوں میں سے شیخ ابو حمزۃ البغدادی ۲۶۹ھ کو الصوفی اور حضرت شیخ جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ کو شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور اسی زمانہ سے "الزاہد والمتعبد" کا لقب رفتہ رفتہ ترک ہوتا گیا، اور اس کی جگہ "الصوفی" نے لے لی،

پھر مصنف نے اکابر صوفیہ کے اقوال و تعبیرات سے تصوف کی حقیقت سمجھائی ہے، اور پھر آگے چل کر ان حقائق کی تطبیق کتاب و سنت سے دی ہے، اور عبادت و استعانت، قرب و معیت، تنزلات ستہ، خیر و شر اور یافت و شہود کے عنوانات جداگانہ بابوں میں قائم کئے ہیں، اور ان میں ان موضوعوں کے دقائق و حقائق کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور کتاب و سنت و اکابر امت کی تشریحات کی بنیادوں پر زمانۂ حال کی منطقی ترتیب و فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ دلنشین پیرایہ میں پیش کیا ہے جس کا مقصود مصنف کے الفاظ میں "حصول مقام عبدیت مع الالوہیت اور یافت و شہود حق ہے" جس کا قدرتی نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود حق و خلق ہے"، اور آخر میں دکھایا ہے کہ جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و عشق کا جذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، تو اب وہ اسی دنیا میں رہ کر جنتِ فردوسی میں داخل ہو جاتا ہے، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۳۰ ع ۱۴) اور اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ ہی وہ جنت ذات میں داخل ہو جاتا ہے، الخ

ہر وقت چشمۂ قرب سے شراب محبت میں سرشار رہتا ہے، عینا یشرب بھا المقربون (ص۱۴۳ ۶۴۰ء)

یہ تصنیف جدید علم کلام کے سلسلہ کی ایک اچھی کڑی کہی جا سکتی ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی یونانی فلسفہ کے سوال وجواب پر ہونے کے بجائے کتاب وسنت کے حقائق پر رکھی گئی ہے، ہم مصنف کو اس تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، مقدمہ کے بعد والے باب کو دوم لکھنے کے بجائے اول قرار دینا تھا کہ مقدمہ تو کتاب کے ابواب سے جدا رہتا ہے،

معاہدۂ ہند و برطانیہ: از جناب سر سید سلطان احمد صاحب، حجم ۱۴۹ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۸،

کاغذ اور لکھائی چھپائی بہتر، قیمت :- عہ، پتہ :- نگارستان ایجنسی اردو بازار، دہلی،

جناب سر سید سلطان احمد صاحب نے وائسرائے کونسل کی ممبری کے زمانہ میں اپنی شخصی حیثیت سے ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اس تصنیف میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تھا جس زمانہ میں ہندوستان کی سیاسیات میں تعطل جاری تھا، پہلی شملہ کانفرنس ہو چکی تھی، مصنف کے تخیل میں درجہ نوآبادیات کا آزاد ہندوستان تھا، اور اس کی اس حیثیت میں اس کو جن مسائل سے سامنا کرنا پڑتا، اس کتاب میں ان پر نظر ڈالی ہے، اور اپنی معقول تجویزیں پیش کی ہیں، مصنف کی نظر میں مستقبل کا ہندوستان جنوبی ایشیا کا سب سے بڑا با اثر مملکت ہوگا، اس پر ایشیا میں امن وامان قائم رکھنے کی ذمہ داری عائد ہوگی، اس سلسلہ میں مصنف نے ہندوستان کی مغربی، شمالی ومشرقی سرحدوں کی آزاد و نیم آزاد حکومتوں اور قبیلوں پر نظر ڈالی ہے، ان سے ہندوستان کے موجودہ گوناگوں تعلقات کی نوعیتوں اور آیندہ قائم ہونے والے روابط کو دکھایا ہے، اور اپنی تجویزیں پیش کی ہیں، پھر ہندوستان کے تعلقات ایشیائی سلطنت روس و چین اور ایشیا میں اثرات رکھنے والی حکومت امریکہ سے دکھائے ہیں، پھر برطانوی سلطنت اور ہندوستان کے آیندہ تعلقات کا ذکر آیا ہے، اور ان دونوں پر جو جداگانہ فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کو بیان کیا ہے، آخر ہندوستان کی وحدت کی ضرورت اور وفاق ہند میں مستقبل کے ہندوستان کی نجات دکھائی ہے، اور یقین ہے

کا مجوزہ خاکہ پیش کیا ہے، اور ہندو برطانیہ کے تعلقات کو ایک معاہدہ کے ذریعہ سے طے کرنا اور ملک کے تعطّل کو دور کرنے کا مشورہ دیا ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی کتاب انگریزی زبان مین تھی، ترجمہ کی زبان مین سلاست و روانی نہین ہے، کتاب کا وہ حصہ زیادہ قابلِ قدر ہے جس مین ہندوستان کے تحفظ اور اس سلسلہ مین ہمسایہ حکومتون کے تعلقات پر نظر ڈالی گئی ہے، مجوزہ یونین کے متعلق مصنف نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ برٹش کے وزارتی وفد کے اعلان مین تقریباً وہی خاکہ موجود ہے۔

صد پارۂ دل، از جناب دل محمد صاحب ایم اے، حجم ۲۶۶ صفحے، تقطیع فلسکیپ ۱/۸، قیمت عہ/

پتہ :- خواجہ گلزار محمد صاحب، خواجہ بک ڈپو، موہن لال روڈ، لاہور،

جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ہماری زبان کے کہنہ مشق شاعر ہین، اُن کی قومی، اسلامی اور اخلاقی نظمون کے مجموعے "دردِ دل" اور "آئینۂ اخلاق" قدردانون کے حلقہ مین مقبول ہو چکے ہین، نیز "بھگوت گیتا" کا منظوم اردو ترجمہ ان کے قلم سے نکل کر ملک کے مختلف حلقون سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے، اب "صد پارۂ دل" کے نام سے ان کی پانسو رباعیون کا مجموعہ شائع ہوا ہے، جناب سر شیخ عبد القادر صاحب نے اس مجموعہ کا "سرآغاز" لکھا ہے، جس مین خواجہ صاحب کے کلام کے خصوصیات دکھائے گئے ہین، یہ مجموعہ رباعیون کی معنوی خصوصیات کے لحاظ سے پانچ حصون "میخانۂ عرفان" "طلسم شہود" "اسرارِ حقائق" "اعمال و اخلاق" اور "نیرنگِ جذبات" کے عنوانون مین تقسیم کیا گیا ہے، اور ان مین سے ہر حصہ مین موضوع سے متعلق سو سو رباعیان درج کی گئی ہین، امید ہے کہ حضرتِ دل کا یہ تازہ تحفہ بھی قدردانون مین مقبولیت عام حاصل کریگا

فرعونی تاریخ :- از جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ؏ پتہ:-

دفتر لوح محفوظ، اردو لائبریری، دہلی،

"فرعونی تاریخ مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی سرگذشت ہے، کتاب دو حصوں میں ہے، پہلا حصہ ۲۰۰ صفحون پر مشتمل ہے، جو گویا قدیم مصری تصویروں کا ایک عکسی البم ہے جس میں پہلی تصویر "حضرت یوسفؑ زلیخا کے گھر میں" کے عنوان سے ہے، خواجہ صاحب نے اس تصویر کے شائع کرنے کا جواز یوں نکالا ہو کہ "یہ اُس زمانہ کی ہے جب کہ وہ پیغمبر نہیں ہوئے تھے، کیونکہ اصلی" پیغمبری اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی وفات کے بعد شروع ہوئی تھی" (ص ۰) گویا جن علمار کے نزدیک پیغمبروں، اور اولیاے صالحین کی تصویریں کھینچنا یا شائع کرنا ناجائز ہے، انھوں نے اس قسم کی کوئی شرط بھی لگا رکھی ہے، کہ وہ ان کے "اصلی" پیغمبر اور ولی ہو جانے کے بعد کی ہو، اسی طرح دوسرے حصہ کے دیباچہ میں خواجہ صاحب نے اس کتاب کو تاریخ مصر کے بجائے "فرعونی تاریخ" سے موسوم کرنے کی عجیب وجہ لکھی ہے، فرماتے ہیں، "مجھے اپنے خدا کی پیروی ضروری معلوم ہوتی ہے، جس کو فرعون نام سے ایسا لگاؤ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اُس نے فرعون کا ذکر کیا، لفظ مصر کا ذکر قرآن مجید میں بہت کم ہے، اور عربی میں کہاوت ہے، من احبّ شیئًا اکثر ذکرہ جو جس چیز سے محبت رکھتا ہے، اس کا بار بار ذکر کرتا ہے" (دیباچہ حصہ دوم ص ۳ و ۴) یعنی بیک جنبشِ قلم فرعون بھی نعوذ باللہ "محبوبِ الٰہی" بن گیا، دوسرا حصہ ۲۸۰ صفحون پر مشتمل ہے، جس میں مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور مختلف بابوں میں مصر کی بادشاہیوں کے سیاسی حالات، مصر کے تمدن، علوم و آداب، عقائد، روایات، رسم و رواج، مصری آرٹ، صنعت و حرفت، فن تعمیر، غرض قدیم مصر کے ہر گوشہ پر نظر ڈالی گئی ہے، اور آخر میں "مصری عجائب گھر کی سیر کرائی گئی ہے، مصری تمدن کی قدامت، اولیت وغیرہ کے مباحث میں وہ نظریے قبول کئے گئے ہیں، جن کو مصر کے اہل علم نے قائم کیا ہے، نیز خواجہ صاحب نے جا بجا مصری عقائد و مدنیت کی مماثلت قدیم ہندوانہ عقائد و رسم و رواج سے بھی دکھائی ہے، کہیں کہیں طرز ادا محتاط مؤرخین کے طرز گفتگو سے علیحدہ ہے، بہرحال اردو میں یہ کتاب قدیم مصری معلومات کا بہترین مرقع ہے، اور اس قدر افزائی کی مستحق ہے،"

"س"

جلد ۵۹ ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۷ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان اس وقت انقلاب کے دروازے پر کھڑا ہے، کئی صدیون سے جو تاریخ جاری تھی اب اس کے آخری صفحے بھی مرتب ہو جائین گے، خوشی کی بات ہے، کہ اس سیاسی انقلاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ مین ایک نئی روح دوڑانے کی امنگ بھی پیدا ہو چکی ہے، ابھی جنوری کے پہلے ہفتہ مین انڈین سائنس کانگرس کا ۳۴ وان سالانہ اجلاس دلی مین منعقد ہوا، جس مین سائنس کے مختلف شعبون کے ہندوستانی ماہرین کے علاوہ مختلف ملکون، روس، انگلستان، فرانس، امریکہ، آسٹریلیا، کناڈا اور چین کے ماہرین سائنس نے شرکت کی، اور اپنی تقریرون مین سائنٹفک ترقیون کے لئے ہندوستان کے درخشان مستقبل سے اپنی امیدین وابستہ دکھائین، اور صدر منتخب نے اپنے خطبہ مین ان عزمون کو بیان کیا جن کے بموجب سائنس کی ترقیون مین مستقبل کا ہندوستان اپنا حصہ ادا کرنے والا ہے، اور ملک کے سائنس دانون سے توقع ظاہر کی، کہ وہ اپنے سائنٹفک خدمات کو ہندوستان کی ترقی کا ذریعہ بنائین گے، اور جدید سائنٹفک ادارون سے اس ملک کی ضرورتین پوری کرین گے،

اسی طرح ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہا ہے، سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی زبان کا ہے، شکر ہے کہ اب اس مسئلہ پر نظری حیثیت سے گفتگو کرنے کا دور ختم ہو چکا، انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے سب سے پہلا کالج ۱۸۳۲ء مین بمبئی مین قائم کیا گیا تھا، اور ۱۸۳۵ء مین کلکتہ کے میڈیکل کالج کی بنا پڑی، اور اس وقت سے آج تک اس ملک مین سرکاری تعلیم کی زبان انگریزی رہی، اس یک صدسالہ دور کا جو کچھ تعلیمی تجربہ ہے، ہمین اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اس سے انکار نہین کیا جا سکتا، کہ انگریزی کے ذریعہ تعلیم ہونے سے ملک کو نفع اور نقصان دونون پہنچا، مگر اب جب کہ خالص ملکی حکومت ہوگی، اور ہماری ملکی زبان مین نئے سے نئے علوم کو پڑھانے کے ذرائع و وسائل مہیا ہو چکے ہین، اور جامعہ عثمانیہ مین اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہو تو انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے کے وہ بنیادی دلائل بھی باقی نہین رہ گئے، جو لارڈ میکالے اور ولیم بنٹنک نے پیش کئے تھے، ایسی صورت

مین اب انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا کوئی مناسب بات نہین کہی جاسکتی تھی، خوشی کی بات ہے کہ مرکزی حکومتِ ہند کے نئے رکن تعلیم نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی اس اہم مسئلہ پر توجہ کی، چنانچہ اس کو حل کرنے کے لئے وہ مختلف صوبون کے وزرائے تعلیم، اور یونیورسٹیون کے ماہرین کو مشورہ کے لئے جمع کرنے والے ہین، اور توقع ہے کہ سالِ رواں یا آیندہ سال سے ملکی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیدیا جائے اور ہندوستانی طلبہ جو ایک سو برس سے علوم کی تحصیل اجنبی زبان مین کرتے آئے ہین، اس بار سے سبکدوش ہو جائین، اور وہ مختلف علوم کی تحصیل اپنی ملکی زبان مین کرسکین، اور انگریزی زبان کی تحصیل کو ایک معیاری ادبی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھ سکین، امید ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے یہان کے نظامِ تعلیم مین اس خوشگوار تبدیلی کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا،

ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ باعثِ مسرت یہ ہے کہ مرکزی حکومتِ ہند کے محکمۂ تعلیم کی زمام ایک صاحبِ علم و فضل شخصیت کے ہاتھون مین آجانے کی وجہ سے ہماری عربی و فارسی تعلیم کا مسئلہ بھی حکومت کے زیرِ توجہ مسائل کی فہرست مین داخل ہوگیا ہے، اور صوبۂ متحدہ اس سلسلہ کی مساعی کے لئے جولانگاہ قرار پایا ہے کہ دراصل یہی صوبہ ہندوستان کی عربی درسگاہون کا مرکز ہے، یہان جو تبدیلیان رونما ہون گی، وہ سارے ہندوستان کی عربی درسگاہون کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکین گی، ابھی ۲۲ر فروری ۱۹۴۷ء کو عربی و فارسی کیٹی کا جو اجلاس لکھنؤ مین منعقد ہوا، اور اس مین جو ماحول نظر آیا، وہ ہمارے لئے بہت کچھ حوصلہ افزا ہے، اس اجلاس مین ملک کی اہم درسگاہون کے روحِ رواں حضرات نے عملی شرکت فرمائی، اور ہندوستان مین عربی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے مسئلہ پر اپنے قیمتی مشورے دیئے،

مولانا آزاد نے اپنے خطبۂ صدارت مین نصابِ تعلیم کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ فرمائی جیسا کہ مولانا موصوف نے فرمایا، یہی دعوت تھی، جو آج سے پچاس برس پہلے ندوۃ العلماء کی تحریک کے نام سے ملک مین پیش کی گئی تھی، اور بحمد اللہ کہ اس پچاس برس مین خواہ زبان سے اس دعوت کی قبولیت کا اقرار نہ کیا گیا ہو، مگر عملی طور پر اس کی صدائے بازگشت سے ہمارے عربی مدارس کے حجرے خالی نہین رہے، آج عربی مدارس کا نصابِ تعلیم بہت کچھ بدل چکا ہے، غیر ضروری علوم کی منتہی کتابین درس سے خارج کی جاچکی ہین، علومِ آلیہ کو آلہ و وسیلہ کی حیثیت سے پہچانا جاچکا ہے، پھر عربی علم ادب اور دوسرے نئے علوم کو مدرسون مین کسی کے ساتھ سہی روشناس کیا جاچکا ہے،

یہی وجہ ہو کہ اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کے جواب مین علماے کرام کی جانب سے جو تقریرین کی گئین، وہ بھی امید افزا مین کہ ماحصل اب اس کی ضرورت سے انکار کرنے کا دور گذر چکا، صالح زمین تیار ہو چکی ہے، صرف توجہ اور انہماک سے بے جھجک کام کرنے کی ضرورت ہے، جن اصلاحات کا رائج ہونا باقی رہ گیا ہے، ان کو رائج کیا جائے، اور جہان طلبہ پر غیر ضروری کتابون کا بار اب بھی باقی رہ گیا ہو اس کو ہلکا کیا جائے، اور دینی علوم و فنون کے ساتھ عربی ادب و نقد و بلاغت کی مکمل تعلیم دی جائے، اور نصاب مین تاریخ جغرافیہ، جدید فلسفہ، جدید ہیئت، ریاضی اور سائنس کے ضروری ابتدائی معلومات، اور مطالعۂ فطرت (نیچر اسٹیڈی) کے مضامین بڑھائے جائین، اور نئے علوم و فنون مین بصیرت حاصل کرنے کے لئے انگریزی ادب کو زبان ثانی کے طور پر پڑھایا جائے، اس طرح عربی تعلیم کے نصاب اور مدارس کے نظام کو ایک ایسے قالب مین لایا جائے کہ وہان کے فارغ التحصیل علما ہمارے دور حاضر کی دینی، ملی، علمی، تعلیمی اور تمدنی ضرورتون کے لئے مفید ہو سکین، ملت کی صحیح رہنمائی کے فرائض انجام دے سکین، صوبۂ متحدہ کی عربی فارسی کمیٹی سے ہماری بہتر توقعات وابستہ ہین، دعا ہے کہ اس کے ارکان یکجہتی سے اس مسئلہ پر غور و فکر فرمائین، اور باہمی صلاح و مشورہ سے مفید تجویزین مرتب کرین، اور ان کو نفاذ و عمل مین لانے کے لائق بنا سکین،

اسی طرح بنگال اور سندھ کے صوبون مین نئی یونیورسٹیون کے قیام کی تجویزین بھی در پیش ہین، ان صوبون مین سیاسی صورتِ حال نے مسلمانون مین ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے، امید ہے کہ یہ نئی یونیورسٹیان تعلیم کے نئے خاکے اور نئی ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر قائم کی جائین گی،

حکومتِ ہند کے تازہ فیصلہ کے مطابق اردو کے گہوارہ لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان کے نشریات کا حصہ صرف ۲۰ فیصدی اور ہندی کا ۸۰ فی صدی ہوگا، اس فیصلہ کے ناموزون ہونے کی آواز مستحکم دلائل کے ساتھ ملک کے مختلف ذمہ دار حلقون کی طرف سے اٹھائی جا چکی ہے، حقیقت یہ ہو کہ حکومت کا یہ فیصلہ خود اس کے قائم کئے ہوئے ان اصولون کے بھی خلاف ہو، جن کی روشنی مین اس فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس مین نہ تو متعلقہ علاقون کی زبان کی حیثیت و اہمیت" کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نہ "اسٹیشن کی لسانی حیثیت" کا کہ لکھنؤ بہرحال وہ "محل وقوع" ہے، جہان اس زبان کی توسیع و ترقی ہوئی ہے" ان حالات مین ایسے فیصلہ کا اعلان کرنا حد درجہ حیرت انگیز اور بڑی جسارت کا کام ہے، ضرورت ہے، کہ حکومت ہند جلد سے جلد اس پر نظر ثانی کرے کہ اس کا دامن اردو، اور اس کے مرکز لکھنؤ کی ادبی و لسانی عظمت کو مٹانے کے الزام سے بری رہے،

مقالات

کچھ "فتاوی تاتارخانیہ" کے متعلق

از

سید ریاست علی ندوی

معارف بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں ایک مقالہ "خان اعظم تاتارخاں اور اس کی یادگار علمی خدمات" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، ان دنوں راقم السطور کے مقالات کا ایک مجموعہ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے نام سے زیر ترتیب ہے جس میں ایسے مقالات جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ سے وابستہ ہے یکجا کئے گئے ہیں، اور ان کو مباحث و معلومات کے زمانہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے،

یہ مقالات ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۶ء تک میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، اس بیس برس کی مدت میں بہت سے ایسے نئے مآخذ چھپ کر سامنے آئے جو ان مضامین کی تسوید کے وقت تک چھپے نہیں تھے، یا ہمارے کتبخانہ میں آنہ سکے تھے، اس لئے ان پر نظر ثانی کرنے کے سلسلہ میں ان نئے مآخذ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں مذکورۂ بالا مقالہ "خان اعظم تاتارخاں ...." پر بھی نظر ثانی کا موقع ہاتھ آیا، تو اس میں "فتاوی تاتارخانیہ" کا ذکر تشنہ نظر آیا، ذیل کی سطروں میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

مقالہ "خان اعظم" میں فتاوی تاتارخانیہ کے متعلق جو کچھ ذکر آیا ہے۔ وہ صرف قاضی شمس سراج

عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ تھا، اور بانکی پور کی مجمل فہرست مخطوطات "مفتاح الکنوز الخفیہ" اور رام پور کی مجمل فہرست کتب عربی کے حوالہ سے صرف یہ اجمالاً عرض کیا گیا تھا کہ اس کے نسخے بانکی پور اور رام پور میں موجود ہیں، اس کے بعد بانکی پور کی فہرست مخطوطات کی انیسویں جلد ۱۹۳۵ء میں چھپ کر آئی جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اسی طرح مولانا عبد الحیٔ مرحوم کی نزہۃ الخواطر ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی، پھر خدیویہ مصر اور بعض دوسرے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات کا اضافہ ہمارے کتب خانہ میں ہوا، ان میں سے خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں سے فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق بعض نئے معلومات روشنی میں آئے،

قاضی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں فتاویٰ تاتارخانیہ کا تذکرہ تفسیر تاتارخانیہ کے ساتھ اس کے ذیل میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

"تفسیر تاتارخانی کہ در جہان مشہور ست آں تفسیر جمع کردۂ تاتارخاں بود چنیں گویند راویان روایت وحاکیان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند تمام تفاسیر جمع کنانیدہ جماعۂ علمائے حاضر گردانیدہ، در ہر آیتے و کلمہ آں قدر مفسران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند برائے تالیف تفسیر بدل وجان در نشست و در ہر یک اختلاف حوالہ بداں صاحب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر دریک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ، وہمچنیں خان اعظم طالب دین یک فتویٰ درست کنانیدہ وآں بریں نوع بود کہ جملہ نسخ فتاویٰ شہر دہلی بر خویش جمع کرد در ہر مسئلہ و در ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی ست در فتاویٰ خود نوشتہ وآں را فتاویٰ تاتارخانی نام داشتہ و در اختلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آں فتاویٰ کردہ این چنین فتاویٰ موازنہ سی جلد مرتب شدہ"[۱]

عفیف کے اس بیان سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں :-

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۲،

۱۔ فتاوی کی ترتیب و تدوین کی خدمت بھی، تفسیر تاتارخانیہ کی طرح ایک جماعت علما نے انجام دی

۲۔ خان اعظم تاتارخاں نے خاص طور پر اس خدمت کے لئے جماعت علمار کو مقرر کیا،

۳۔ یہ کتاب تصنیف پاکر "فتاوی تاتارخانیہ" سے موسوم ہوئی،

حاجی خلیفہ نے بھی اس کتاب کا ذکر اپنی کشف الظنون میں کیا ہے، مگر اس کا بیان عفیف کی مذکورۂ بالا تصریحات کے خلاف ہے، وہ لکھتا ہے،

"تاتارخانیہ" فی الفتاوی	تاتارخانیہ، فتاوی میں امام فقیہ عالم بن علا،
لامام الفقیہ عالم بن علاء	حنفی کی تصنیف ہے، یہ ایک ضخیم کتاب کئی
الحنفی وھو کتاب عظیم فی	جلدوں میں ہے،۔۔۔۔ اور اس میں خان اعظم
مجلدات ۔۔۔۔۔۔ وذکر انه	تاتارخاں کے ایما سے مرتب ہونے کا ذکر آیا ہے
اشار الی جمعه الخان الاعظم	اور چونکہ کتاب کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا
تاتارخان ولم یسمه ولذلک	ہے، اس لئے اس تذکرہ کی وجہ سے تاتارخانیہ
اشتھربه وقیل انه سماہ	کے نام سے مشہور ہو گئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہو کہ
زاد المسافر،[1]	مصنف نے اس کو زاد المسافر کے نام سے
	موسوم کیا تھا،

پھر آگے چل کر "زاد المسافر" کے تحت میں یقین کے ساتھ لکھتا ہے،

"زاد المسافر فی الفروع"

وھو المعروف بالفتاوی	زاد المسافر فقہ میں ہے، یہ فتاوی تاتارخانیہ
التاتارخانیه لعالم بن علاء الحنفی	کے نام سے موسوم ہے، عالم بن علا حنفی

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۲،

المتوفی سنۃ ۲۸۶ھ ست وثمانین ومائتین[1] متوفی ۲۸۶ھ کی تصنیف ہے،

شیخ عالم بن علار حنفی کا ذکر نزہۃ الخواطر میں گلزار ابرار (تصنیف مولوی محمد غوثی) کے حوالہ سے آیا ہے، اس میں مذکور ہے :-

الشیخ الامام العالم الکبیر فرید الدین	شیخ امام عالم جلیل فرید الدین عالم
عالم بن العلاء الحنفی الاندرپتی	ابن علار حنفی اندرپتی، فقہ اصول، اور عربی
احد العلماء المبرزین فی الفقہ	ادب کے علماء ماہرین میں سے تھے، فقہ
والاصول والعربیۃ لہ الفتاوی	میں ان کی ایک کتاب تاتارخانیہ ہے،
التاتارخانیۃ فی الفقہ المسمّٰی	جس کو انھوں نے زاد السفر سے موسوم
بزاد السفر صنفہ فی سنۃ سبع و	کیا ہے، اس کو انھوں نے ۷۷۷ھ[2] میں
سبعین وسبعمائۃ للامیر الکبیر	تالیف کیا، اور امیر کبیر تاتارخان کے نام
تاتارخان وسماہ باسمہ و	سے معنون کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی
کان فیروز شاہ یرید ان یسمیہ	کہ یہ کتاب اس کے نام سے معنون ہو لیکن
باسمہ فلم یقبلہ لصلۃ	مصنف اور تاتارخان کے درمیان جو مخلصانہ
کانت بینہ وبین تاتارخان[3]	روابط قائم تھے، ان کی وجہ سے مصنف
	نے اس کو قبول نہیں کیا،

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۳ [2] یہ ظاہر ہے کہ عالم بن علار کا سال وفات ۲۸۶ھ یہاں غلط درج ہو گیا ہے زمانہ کے اعتبار سے اس کو ۷۸۶ھ ہونا چاہئے، معلوم ہوتا ہے یہ لفظی مسامحت نقل در نقل سے کشف الظنون میں پیش آگئی ہے [3] فتاویٰ تاتارخانیہ کا سال تصنیف ۷۷۷ھ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ تاتارخان کا سانحۂ وفات جیسا اس کے سوانح میں درج ہو چکا ہے، ۷۵۲ھ سے پہلے پیش آچکا تھا [4] نزہۃ الخواطر ص ۷۰

ان اقتباسات بالا سے ظاہر ہوا کہ

۱۔ تاتارخانیہ کی ترتیب کی خدمت ایک ہندوستانی عالم شیخ فریدالدین عالم بن علار کے ہاتھون انجام پائی، نہ کہ علما، کی کسی جماعت نے تاتارخان کے ایما سے اس کے اہتمام مین اس کو مرتب کیا ہے۔

۲۔ بلکہ صاحب گلزار ابرار کے فحواے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اس تصنیف کی تدوین ایسے شخصی اور آزادانہ طریقہ سے عمل مین آئی، کہ اگر مصنف چاہتا تو فیروز شاہ کی خواہش کے بموجب اس کو تاتارخان کے بجائے اس کے نام سے معنون کرتا، اس طرح تاتارخان سے اس کتاب کا تعلق محض برائے نام رہجاتا ہے۔

۳۔ اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ اصل نام نہین ہے، جس سے اس کو مصنف نے موسوم کیا ہو، بلکہ اس مین تاتارخان کے ذکر کے آنے کی وجہ سے اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے۔

۴۔ اس کا نام حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق زاد المسافر اور صاحب گلزار ابرار کی روایت کے بموجب زاد السفر رکھا گیا ہے۔

قاضی شمس سراج عفیف، حاجی خلیفہ، اور صاحب گلزار ابرار کے ان بیانون مین جو اختلافات ہین، ان کی تصحیح فتاویٰ تاتارخانیہ کے اصل نسخہ سے بہت کچھ ہوسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ رام پور، حیدرآباد، مصر کی فہرستین بالکل مجمل ہین، خدیویہ مصر کی فہرست مین مرتب نے صرف کشف الظنون کی عبارت نقل کردی ہے، ان فہرستون مین اصل نسخہ کے حوالہ سے اس کتاب پر کوئی روشنی نہین ڈالی گئی ہے، لیکن خوشی کی بات ہے، کہ کتب خانہ مشرقی بانکی پور کے فہرست نگار نے اپنا فرض ادا کیا ہے، اور اصل نسخہ سے مدد لے کر اس کتاب کے متعلق معلومات فراہم کئے ہین، اس سلسلہ مین فتاویٰ تاتارخانیہ کے مقدمہ کی ایک عبارت خاص طور پر مفید مطلب ہے، مقدمہ مین مذکور ہے :-

امّا بعد فقد اشار الیّ	مجھے اس کی تالیف کے لئے خان اعظم تاتار خان نے اشارہ کیا ..... اور مین نے اللہ
الخان الاعظم تاتارخان ... ولقد	

سالت اللہ ان اتشمر لجمع کتاب	دعا کی کہ کتاب فتاوی کو جمع کرنا شروع
الفتاوی ..... ولاجرم تتبعت فی	کروں ..... چنانچہ مین کتابوں کے جمع کرنے
جمع الکتاب وترتیب ابوابہ علی	مین لگا، اور اس کے ابواب ہدایہ کی ترتیب
ترتیب الھدایہ وسمیتہ بالفتاوی	پر قائم کئے، اور اس کو مین نے فتاوی تاتار
التاتارخانیہ[۱]	خانیہ سے موسوم کیا،

مقدمہ کی اس عبارت مین اگرچہ مصنف نے اپنا نام نہین لیا ہے، مگر زیر بحث امور مین سے چند باتین صاف ہو جاتی ہین،

۱- فتاوی کے جمع و ترتیب کی تحریک خان اعظم تاتارخان کی طرف سے ہوئی، اور اسی کے ایما و ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب عمل مین آئی،

۲- اس کا نام نہ زاد المسافر رکھا گیا، اور نہ زاد السفر، بلکہ اس کو فتاوی تاتارخانیہ ہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، نہ کہ محض اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے،

لیکن پھر زاد المسافر یا زاد السفر سے اس کے موسوم کئے جانے کی روایت کہان سے چلی تو سردست اس کا پتہ لگانا دشوار ہے آیندہ اگر شیخ عالم بن علاء کے مزید سوانح اور ان کی تصنیفات کا سراغ لگ سکا تو شاید یہ مشکل حل ہو جائے،

۳- مقدمہ کی اس عبارت سے اس روایت کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ فیروز شاہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہا، مگر مصنف اس پر آمادہ نہین ہوا کہ دراصل مصنف کو اس کتاب کی ملکیت کا آزادانہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اگر چاہتا تو تاتارخان کے بجاے فیروز شاہ سے اس کو منسوب کر دیتا، پھر فیروز شاہ کی طرف سے کسی ایسی خواہش کا ظاہر ہونا اس کے شاہانہ وقار سے فروتر تھا،

---

[۱] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۴۷۔

اور اگر وہ خواہش ظاہر ہو چکی ہوتی، تو خان اعظم تاتارخان کا تعلق اس تصنیف سے جس نوعیت کا تھا، اور دوسری طرف فیروز شاہ اور تاتارخان کے درمیان جیسے مخلصانہ مراسم تھے، ان امور پر نظر رکھ کر تاتارخان کے اخلاق سے یہ بعید تھا، کہ وہ اپنے آقا کی خاطر اتنا معمولی سا ایثار بھی گوارا نہ کر لیتا،

اس لئے اس روایت کو ایسی افواہوں مین شمار کرنا چاہئے جو کسی کتاب یا مصنف کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مشہور ہو جاتی ہین، اور صاحب گلزار ابرار نے اسی قسم کی ایک افواہ کو بے سند اپنی تصنیف مین قبول کر لیا ہے،

باقی رہا یہ سوال کہ یہ شیخ عالم بن علار کی تصنیف ہے، یا علمار کی ایک جماعت نے مل کر اس کو مرتب کیا ہے، تو اس مین کچھ زیادہ پیچیدگی نہین ہے، اگرچہ مقدمہ مین جامع فتاویٰ نے اپنا نام ظاہر نہین کیا ہے لیکن عبارت مین اپنا ذکر بصیغۂ واحد لایا ہے، پھر بانکی پور کے کتب خانہ مین ایک نسخہ پر یہ بھی مکتوب ہے کہ

نقل عالم بن علاء الھندی فی الفتاوی التاتارخانیہ[1]	عالم بن علار ہندی نے فتاویٰ تاتارخانیہ مین نقل کیا ہے،

اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس زمانہ مین اہل علم کے درمیان جن مین یہ کتاب متداول تھی اس کے جامع کی حیثیت سے عالم بن علار ہندی کا نام معروف تھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ تیس جلدون کی ضخیم کتاب کی تیاری کا کام تھوڑی مدت مین کسی ایک شخص کی تنہا خدمت سے انجام پانا دشوار ہے' اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قاضی شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق اس خدمت کو علمار کی ایک جماعت نے انجام دیا ہوگا، اور جمع و ترتیب کی آخری ذمہ داری شیخ عالم بن علار اندپتی کے سپرد اسی طرح ہوگی، جیسے کہ فتاویٰ عالمگیریہ کی ترتیب کی ذمہ داری شیخ نظام کے

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور جلد ۱۹ ص ۱۱۶

کے سپرد بھی اس لئے شیخ عالم بن علاء اندرپتی کو دور حاضر کی اصطلاح میں مرتب کہا جا سکتا ہے، اور مقدمہ کی عبارت بھی انہی کے قلم کی بھی جا سکتی ہے، اس لئے اگر اس تصنیف کی نسبت ان کی طرف کی جائے، تو کوئی ناموزون بات بھی نہیں ہے،

الغرض فقہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ خانِ اعظم تاتارخان کے علمی و دینی شغف سے عالم وجود میں آیا، اس کے اہتمام میں اور اس کے مصارف سے یہ تصنیف تیار ہوئی، اور ترتیب و تدوین کی خدمت شیخ عالم ابن علاؤ اندرپتی کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت کی معاونت سے اتمام کو پہنچی،

ماخذ اور کتاب کی ترتیب حاجی خلیفہ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے ماخذ اور کتاب کی ترتیب کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے :۔

جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی	اس میں محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور
والذخیرۃ والخانیۃ والظہیریۃ	ظہیریہ کے مسائل جمع کئے ہیں، اور المحیط
وجعل المیم علامۃ للمحیط	کے لئے میم کی علامت مقرر کی ہے، و بقیہ
و ذکر اسم الباقی وقدم بابا فی	کے نام لکھے ہیں، اور شروع میں ایک
ذکر العلم ثم رتب علی ابواب	باب علم کے بیان میں لکھا ہے اور ہدایہ
الھدایۃ	کے ابواب کے مطابق کتاب مرتب کی ہے

حاجی خلیفہ نے اپنی عام روش کے خلاف کتاب کے ابتدائی جملے نقل کئے ہیں، اور نہ باب العلم سے پہلے جو مقدمہ منسلک ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے، بانکی پور کی فہرست میں کتاب کے نسخہ میں آغاز کتاب کے حسب ذیل فقرے نقل کئے گئے ہیں،

"الحمد للہ الذی صیر الفقھاء انجما للاھتداء وجعل ربنا علی ما اسبغ

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶۸،

علینا من العطاء الخ"[۱]

اسی طرح مقدمہ سے اخذ کرکے اس کتاب کے مآخذ مین، ۲۰ کتابون کے صرف نام درج کئے ہین، لیکن نہ ان کتابون کے مصنف کے نام لکھے گئے ہین، اور نہ ان کے زمانہ کی تعیین کی گئی ہے، اسی طرح کشف الظنون مین بعض کتابون کے ضمن مین ذکر آیا ہے، کہ اس کا حوالہ تاتارخانیہ مین آیا ہے، مگر خود تاتارخانیہ کے مقدمہ مین جو فہرست ہے اسمین اس کتاب کا نام موجود نہین، اور نہ حاجی خلیفہ نے خود جہان تاتارخانیہ کا ذکر کیا ہے وہان اس کتاب کو اس کے مآخذ مین شمار کیا ہے، بہر حال تاتارخانیہ کے مآخذ کی فہرست ان کے مصنفین کے نام، ان کا یا اُن کی تصنیف کا زمانہ اور کتابون کے قلمی یا مطبوع صورت مین موجود ہونے کی تصریح حسب ذیل ہے،

۱۔ المحیط کے نام سے زیادہ معروف محیط سرخسی ہے، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ تاتارخانیہ کے مآخذ مین المحیط البرہانی رہی ہے جس کی تائید حاجی خلیفہ کی تصریح سے بھی ہوتی ہے، یہ صاحب ذخیرۃ الفتاوی برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن عبد العزیز الصدر الشہید المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے، اس کا نسخہ خدیویہ مصر مین نمبر ۲۰ کے نشان کے ساتھ موجود ہے، اور جیسا کہ حاجی خلیفہ کا بیان اوپر گذرا، یہ تاتارخانیہ کے اہم مآخذ میں رہی ہے، اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا ہے، اس لئے حوالہ میں اس کا نام بار بار لکھنے کے بجائے اس کے لئے میم کی علامت اختیار کی گئی ہے،

۲۔ ذخیرۃ الفتاوی شیخ برہان الدین المتوفی ۶۱۶ھ موصوف کی یہ دوسری کتاب ہے جو مآخذ مین رہی ہے، اس کے نسخے خدیویہ مصر (ج ۲ ص ۵۱) اور بانکی پور (نمبر کتاب ۱۶۷۵، جلد ۱۹ ص ۱۶۰) مین موجود ہین،

۳۔ فتاوی ظہیریہ، تصنیف ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی المحتسب بخارا المتوفی ۶۱۹ھ،

---

[۱] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱ ص ۱۵۔

(موجود در بانکی پور نمبر ۱۶۱۷ و حیدرآباد)

۴۔ فتاوی خانیہ معروف بہ فتاوی قاضی خان، تصنیف فخر الدین ابوالمحاسن حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی ۵۹۲ھ (مطبوع)

۵۔ کتاب الخلاصہ: تصنیف افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ (موجود بانکی پور نمبر ۱۶۱۶، و خدیویہ ج ۲ ص ۱۳۲)

۶۔ جامع الفتاوی:۔ تصنیف ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ (موجود خدیویہ مصر ص ۳۲)

۷۔ جامع الفقہ معروف بالفتاوی العتابیہ، تالیف ابونصر احمد بن محمد عتابی بخاری متوفی ۵۵۷ھ (خدیویہ ج ۲ ص ۳۴)

۸۔ فتاوی سراجیہ کے نام سے تین مصنفین کی کتابیں ہیں، ایک سراج الدین عمر بن اسحاق المعروف بہ سراج ہندی المتوفی ۷۷۳ھ کی ہے، دوسری ابوطاہر محمد بن محمد کی طرف منسوب ہے، تیسری سراج الدین علی بن عثمان اوسی فرغانی کی ہے، جو ۵۶۹ھ میں ترتیب پائی، غالبًا موخر الذکر مصنف کی کتاب تاتارخانیہ کے مآخذ میں رہی ہے، بانکی پور، خدیویہ اور دارالمصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۸۲۷ء اور ۱۲۹۳ھ میں طبع ہو چکی ہے،

۹۔ الحجہ کے نام سے افسوس ہے کہ فقہ حنفی میں کسی ایسی کتاب کا پتہ نہیں چلا، جو آٹھویں صدی ہجری تک تصنیف پا چکی ہے، اور اس کو تاتارخانیہ کے مآخذ میں سمجھا جائے۔

۱۰۔ فتاوی غیاثیہ:۔ تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب، بہ سلطان غیاث الدین کے لئے تالیف پائی تھی، خدیویہ مصر اور دارالمصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، ۱۳۲۲ھ میں بولاق سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

۱۱۔ التہذیب کے نام سے دو کتابیں فقہ میں ہیں، لیکن وہ دونوں شافعی فقہاء کی لکھی ہوئی ہیں، اور بظاہر تاتارخانیہ کے مآخذ میں نہیں ہیں، فقہ حنفی میں ایک کتاب "تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع" ہے، کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ یہ خیرۃ الفقہاء سے بھی موسوم ہے، (ج ۱ ص ۳۵۲) لیکن خیرۃ الفقہاء نام کی کسی کتاب کا ذکر آگے چل کر اس میں موجود نہیں، البتہ خیرۃ الفتاوی سے موسوم ایک کتاب علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصیر الدین ملکان البرقوانی کی ہے مصنف کا زمانہ تاتارخانیہ سے متقدم سمجھا جا سکتا ہے، اس لئے اگر التہذیب سے یہ کتاب مراد ہو سکتی ہے، تو یہ مآخذ میں سمجھی جا سکتی ہے،

۱۲۔ التجرید کے نام سے دو کتابیں ہیں، ایک رکن الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن امیر دبید کرمانی متوفی ۵۴۲ھ کی ہے، مصنف نے خود اس کی شرح ایضاح کے نام سے لکھی تھی، پھر شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان متوفی ۵۶۲ھ نے بھی المفید والمزید کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، دوسری کتاب تجرید القدوری کے نام سے معروف ہے، یہ امام ابوالحسین احمد بن محمد متوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے، لیکن اول الذکر کتاب کا مآخذ میں ہونا زیادہ ممکن ہے،

۱۳۔ نوازل فی الفروع امام ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ[۱] کا مشہور

---

[۱] امام ابواللیث سمرقندی کے سال وفات میں اختلافات ہیں، مدینۃ العلوم میں ماہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ درج ہے، ملا علی قاری نے اپنی طبقات میں ۳۷۳ھ لکھا ہے، قاضی عیاض نے اپنی شرح الشفا میں ۳۷۳ھ درج کیا ہے، صاحب کشف الظنون نے مختلف کتابوں کے تحت میں مختلف جگہ ان کا ذکر کیا ہے، اور مختلف سنین ۳۷۵ھ (ذکر تفسیر القرآن) ۳۷۳ھ (ذکر شرح الجامع) ۳۸۳ھ (ذکر خزانۃ الفقہ) درج کئے ہیں، کفوی نے ۳۷۳ھ لکھا ہے، (الفوائد البہیہ ص ۹۲) اسی طرح خدیویہ مصر کی فہرست میں نوازل کے ذکر میں متوفی ۳۹۳ھ (جلد ۲ ص ۱۴۴) اور خزانۃ الفقہ کے تذکرہ کے موقع پر ۳۷۳ھ ہجری لکھا ہے، (جلد ۲ ص ۴۳) ہم نے آخر سے آخر تاریخ ۳۹۳ھ کو بلا ترجیح اختیار کر لیا ہے،

رسالہ ہے، اس پر صاحب ہدایہ نے بھی مختارات مجموع النوازل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے نوازل کا نسخہ بانکی پور اور خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۴) مین موجود ہے،

۱۴۔ الہدایہ:۔ تصنیف برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ (مطبوع ومتداول)

۱۵۔ النہایہ شرح ہدایہ تصنیف حسام الدین حسین بن علی بن حجاج صغناقی (تصنیف ۷۰۰ھ) المتوفی ۷۱۰ھ بانکی پور کتاب نمبر ۱۹۲۴ وخدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۵) مین موجود ہے،

۱۶۔ کفایہ شرح ہدایہ، تصنیف سید جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کرلانی (مطبوع ومتداول) اس کی نسبت تاج الشریعہ محبوبی کی طرف بھی کی گئی ہے، مگر صحیح نہین،

۱۷۔ وقایہ تصنیف محمود بن صدر الشریعہ احمد بن جمال الدین المحبوبی (الموجود ۶۷۳ھ) بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۵۳ وخدیویہ مقرر ج ۲ ص ۱۴۸

۱۸۔ الحاوی القدسی:۔ تصنیف احمد بن محمد بن سعید غزنوی متوفی ۵۹۳ھ، (بانکی پور کتاب نمبر ۱۹۲۶)

۱۹۔ جامع الجوامع کے نام سے ایک سے زیادہ کتابین ہین لیکن کون سی تاتارخانیہ کے ماخذ مین رہی ہے، اس کی تعیین کرنا دشوار ہے،

۲۰۔ فتاوی ناطقی مقدمہ تاتارخانیہ کی طرح کشف الظنون مین بھی صرف اس کا نام درج کرکے چھوڑ دیا گیا ہے، کسی کتب خانہ مین اس کا پتہ نہیں چلا،

۲۱۔ خزانۃ الفقہ تصنیف امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ خدیویہ (ج ۲ ص ۲۳) مین اس کا نسخہ موجود ہے

۲۲۔ الفتاوی الکبریٰ حسام الدین ابو محمد عمر بن عبد العزیز المقتول ۵۳۶ھ بانکی پور اور رامپور مین نسخے موجود ہین

۲۳۔ الفتاوی الصغری ۔ بانکی پور اور رام پور مین نسخے موجود ہین،

۲۴۔ ینبوع النوازل، مقدمہ تاتارخانیہ مین صرف "الینبوع" کے نام سے اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے ینبوع النوازل کے نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر مصنف کا نام اور زمانۂ تصنیف مذکور نہین

۲۵۔ المختار، تصنیف ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ خدیوی (جلد ۲ ص ۱۲۶) مین اس کا نسخہ موجود ہے،

۲۶۔ المضمرات کو جامع المضمرات والمشکلات بھی کہتے ہین، یہ قدوری کی شرح ہے، تصنیف شیخ یوسف بن عمر بن یوسف کادوری (حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۱۰۶)

۲۷۔ فتاوی نسفی، تصنیف نجم الدین عمر بن محمد نسفی، معروف بہ علامہ سمرقندی متوفی ۵۳۷ھ، کسی کتب خانہ مین اس کا نسخہ موجود ہے، اس وقت یاد نہین آتا، کہ کس فہرست مین نظر سے گذرا تھا،

۲۸۔ الصیرفیہ (فتاوی آہو) تصنیف مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی البخاری الصیرفی المعروف بآہو، اس کا تذکرہ مقدمہ تاتارخانیہ مین نہین ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ مین آیا ہے،

۲۹۔ فتاوی الصدر الشہید کے متعلق بھی کشف الظنون مین مذکور ہے، کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ مین آیا ہے، غالبًا یہ شیخ حسام الدین مقتول ۵۳۶ھ کی الفتاوی الکبری ہی کا دوسرا نام ہے۔

ماخذ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی دو کتابون کے سوا جتنی کتابین ہین، وہ تقریبًا سب کی سب چھٹی اور ساتوین صدی کی تصنیفات ہین، بلکہ آٹھوین صدی کے ہمعصر مصنفین کی کتابون سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، صدر اول کی تصنیفات کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ چھٹی سے آٹھوین صدی تک کی اہم فقہی تصنیفات مین ان کے مباحث، دلائل اور فتاوی منتقل ہو چکے تھے لیکن ذخیرہ اصل اُنکو نظرانداز کرنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہین سمجھی جا سکتی، خوشی کی بات ہے، کہ آگے چل کر عالمگیر کے عہد مین یہ کمی پوری ہو گئی، اس لحاظ سے فتاوی عالمگیریہ کو تاتارخانیہ پر تقدم حاصل ہے

باین ہمہ فتاویٰ تاتارخانیہ کی یہ اہمیت نظرانداز کئے جانے کے لائق نہین کہ چھٹی سے آٹھوین صدی ہجری تک کی تین صدیون مین فقہ حنفی کا جو کچھ سرمایہ اکٹھا ہوا تھا، تاتارخانیہ مین اس کا عطر کھینچ کر آگیا ہے، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی قابلِ قدر ہے،

انتخاب فتاویٰ تاتارخانیہ | یہی وجہ ہے کہ عالم اسلامی کے علمی علقون مین اس کو قبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ حلب کے ممتاز صاحب فضل اور فقہ حنفی کی مشہور تصنیف ملتقی الابحر کے مصنف شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۹۵۶ھ نے جو قسطنطنیہ کی جامع سلطان محمد کی امامت، خطابت اور دیار رومیہ کے منصب افتاء پر فائز تھے، اس کا ایک انتخاب تیار کیا، کشف الظنون مین ہے،

ثم الامام ابراهيم بن محمد الحلبى	امام ابراہیم بن محمد حلبی المتوفی ۹۵۶ھ نے
المتوفى سنة ۹۵۶ه لخصه فى مجلد	اس کی تلخیص ایک جلد مین تیار کی ہے،
وانتخب منه ما هو غريب او	اور اس مین نادر اور ایسے کثیر الوقوع مسائل
كثير الوقوع وليس فى الكتب	کو منتخب کیا ہے، جو بجز اس کے عام کتب
المتداولة والتزم بتصريح	متداولہ مین نہین پائے جاتے، اور کتابون
اسامى الكتب[۵]	کے نام کی تصریح کا التزام رکھا ہے،

شیخ ابراہیم حلبی کے مفصل سوانح حیات اعلام النبلاء ج ۵ ص ۶۰۵ و شذرات الذہب ج ۸ ص ۳۰۰ مین مذکور ہین، اور ان مین ان کی اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے،

فتاویٰ تاتارخانیہ کے نسخے | فتاویٰ تاتارخانیہ کے مختلف نسخے مختلف کتب خانون مین ہین، کتب خانہ مشرقی بانکی پور مین اس کی تین جلدین ہین، پہلی جلد نمبر ۱۵۱۷، کتاب الرضاع کے کچھ حصون پر آکر ختم ہوئی، اسی طرح کی ایک دوسری جلد تین حصون مین تقسیم ہے، پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے، اسکے آخری حصے ۹۶۳ھ کے مکتوب ہین، ان مین کتاب النفقات، کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب للایمان، کتاب المفقود، کتاب الشرکۃ اور کتاب الوقف

کے ابواب ہین، پھر پہلی جلد کا ایک دوسرا نسخہ کتاب الحج تک ہے، اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۳ھ کی لکھی ہوئی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حافظ شیخ عبدالحق حیدرآبادی کی ملکیت مین رہ چکا ہے، نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر لگی ہوئی ہے[۱]

کتب خانہ خدیویہ مصر مین بھی اس کے چند نسخے موجود ہین، ان مین سے چوتھی جلد محمد نویری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۸۶۲ھ کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی یہ تالیف نوین صدی مین عالم اسلامی مین پہنچ چکی تھی[۲]

اس کی سب سے زیادہ اور مکمل جلدین کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد مین ہین، اس مین پہلی سے نوین تک مسلسل نو جلدین ہین[۳] افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کی فہرست بہت اجمالی چھپی ہے جس سے کوئی مزید واقفیت حاصل نہین ہوئی،

رامپور کے کتب خانہ مین اس کے دو مجلد ہین، پہلا مجلد، جلد اول کا ہے، جو ۷۰۵ صفحات پر مشتمل ہے، اس مین کتاب الطہارۃ سے کتاب الوقف تک کے ابواب ہین، دوسرے مجلد مین ۹۰۲ صفحات ہین، اس مین کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین ہین، ان دونون جلدون کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے[۴]

برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ مین ایک کتاب منہاج البیان کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی ہین، اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۹۹ ہے[۵]

اس طرح ہندوستان کی یہ اہم فقہی تصنیف جو تیس جلدون مین بتائی جاتی ہے، ابھی تک

---

[۱] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۵، ۱۶ [۲] فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۳ ص ۸۶
[۳] فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۱۰۵۳، ۱۰۵۴ [۴] فہرست کتب عربی، مخطوطات کتب خانہ رامپور ص ۲۴۲
[۵] ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ص ۱۷۵،

قلمی شکل مین محض کتب خانون کی زینت بنی ہوئی ہے، حیدرآباد مین اس کے زیادہ مکمل نسخے موجود ہین، اور وہین دائرۃ المعارف اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ قدیم قلمی کتابون کی طبع و اشاعت کی خدمتین انجام دے رہے ہین، کیا اچھا ہو کہ ہندوستان کا یہ علمی سرمایہ زیور طبع سے آراستہ کر لیا جائے، تاکہ اس کی اشاعت سے چھٹی سے آٹھوین صدی ہجری تک کے فقہ حنفی کے بہت سے علمی نوادر کا مرقع نیز ہندوستان کے عہدِ اسلامی کا ایک مایۂ ناز سرمایہ منظر عام پر آجائے، اور اہلِ علم کے حلقہ کی ایک ضرورت پوری ہو،

عمادی غزنوی

از
جناب غلام مصطفیٰ خان ام اے ال ال بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج (امراؤتی (برار)

ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست (ج ۲ - ص ۵۵۰) بعد مین عمادی کے بعض ممدوحین، اور اس کے بعض سنین کی تعیین کی تھی، پھر علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بھی (بیست مقالہ ج ۲، ص ۲۶۵ بعد) عمادی کے بعض ممدوحین کے متعلق تحقیق کی ہے، لیکن ان دونون فاضلون نے اُس کلام کا تجزیہ نہین کیا، جس کو بعض کاتبون نے "عمادی" تخلص کے دو شاعرون کی بجائے ایک ہی کا سمجھ کر خلط ملط کر دیا ہے، ہم یہان کوشش کرتے ہین کہ ایسے کلام کو علیحدہ علیحدہ کر کے ان دونون شاعرون کے درباری تعلقات کی وضاحت کرین، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڈہ کے مخطوطے کی طرف رجوع کرتے ہین اس مخطوطے مین بھی سب سے قدیم[1] ممدوح سیف الدین عماد الدولہ[2] فرامرز بن رستم بن قارن

---

[1] مونس الاحرار (حبیب گنج، ص ۲۹۴) مین عمادی غزنوی کا ایک قصیدہ برکیارق کے چچا ارغون (م ۴۸۹ھ / ۱۰۹۶ء) (راحت الصدور، ص ۱۴۳) کی مدح مین ملتا ہے،

اے برسمن از مشک بعد ازدہ خالے مسکین دل من گشت ز خال تو بحالے

شاہ ہمہ شاہان ملک ارغون کہ ندارد در مردے و فرہنگ نظیرے و ہمالے

سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ / ۱۱۶۱ء) نے اسی کی تقلید مین ایک قصیدہ (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۰۹۳) لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے :-

اے یافتہ از چہرۂ تو حسن کمالے داده ست جمالیت خدا وه چه جمالے

[2] اس ممدوح اور اس کے خاندان کے متعلق رابینو کی کتاب "مازندران" (ص ۱۳۵) اور ظہیر الدین کی

حاکم مازندران ہے، اس کی مدح مین متعدد قصیدے ہین، کیونکہ یہ اس کا خاص ممدوح ہے، بلکہ صاحب راحت الصدور (ص ۲۱۰) نے لکھا ہے کہ شاعر نے اپنا تخلص اسی کے نام (لقب) "عماد الدولہ" کی وجہ سے اختیار کیا تھا، اس ممدوح کی حکمرانی کے متعلق تو کوئی بات تاریخ مین نہین ملتی، البتہ اس کے باپ شمس الملوک رستم بن قارن کی حکومت (مازندران) کے بارے مین کہ وہ ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء سے ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء تک تھی، ضرور حال معلوم ہو سکتا ہے، یہان شاعر کے مختلف قصائد کے چند ایسے اشعار نقل کرنا مناسب ہوگا جن سے اس ممدوح کے القاب کی توضیح ہوجائے،

قطب الملوک شاہ عماد دول کہ چرخ ہر ساعتے ز قدرت او امتحان برد

شاہ سیف الدین عماد الدولہ کز تعظیم او از کف او ہر چہ خواہد رایگان می افگند

قطب ملکان عماد دولت کز حرمت زمانہ شد مسلم

سرمایۂ داد و دین فرامرز کز ہیبت او حصار[۵] داریم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۱) تاریخ طبرستان (ص ۲۱۹ بعد) ملاحظہ فرمائین، ریو (فہرست برٹش میوزیم -۲- ۵۸۰ ب) کا خیال ہے کہ عمادی کا یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ عماد الدولہ کا باپ فرامرز تھا،

شاہ فرامرز زاد دولت و دین را عماد خسرو مازندران سایۂ نیک اختری

یہی قرات ہمارے مخطوطے مین بھی ہے لیکن علامہ قزوینی کا خیال (بیست مقالہ -۲- ۲۶۹ ح) صحیح ہے کہ اس کے پہلے مصرع مین "زاد" کی بجائے "راد" ہونا چاہئے، یہان بھی یہ عرض کردینا مناسب ہوگا کہ اس شعر کے پہلے جتنے اشعار تمہید مین ہین، وہ سب کے سب کلیات سنائی (غزلیات ص ۱۱۱- بمبئی ۱۳۲۸ھ) مین سنائی سے بھی منسوب ہین، اور وہ قصیدہ سلطان بہرام شاہ غزنوی (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح مین ہے،

[۵] علی گڑھ کے مخطوطے کی جو نقل راقم الحروف کو مل سکی ہے، اس مین کاتب نے اصل صفحات کے نمبر نہین دیئے، اس لئے نمبر دینے سے مجبوری ہے،

لیکن یہان یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس عماد الدولہ کی مدح کس عمادی نے کی تھی، ہم کو اسی مخطوطے کے حسب ذیل اشعار کی طرف رجوع ہونا پڑے گا،

اے مہر تو بر سپہر تمکین — ایمن شدہ از نماز پیشین

یک نکتہ بگوے تا بہ پیشیت — جبریل امین شود شکرچین

از نطف بخند تا بماند — در پردۂ شرم شکل پروین

سرمایۂ جان عماد دولت — ملجاء ممالک سلاطین

بے تو نہ بود کس و نہ باشد — مدحے نہ بود تمام تر زین

بے تو نہ کند ضمان تن جان — سریست درین سخن بہ تضمین

زین است کہ از دلم جدا نیست — ہستی و بدن براہ غزنین

جستم ہمہ آرزو بہ تصریح — گفتم ہمہ رمزہا بہ تلقین

آن باد ترا کہ خواست داری — آمین دو راست پیش از آمین

چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ اُسی عماد الدولہ کی مدح مین ہے، اور ساتوین شعر سے یہی وضاحت ہوتی ہے، کہ شاعر غزنین کا ہے یعنی اس ممدوح کی تعریف عمادی غزنوی نے کی تھی، ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ شاعر ایک سال سے زیادہ عماد الدولہ کے دربار سے وابستہ رہا،

اے کافر عشق تو مسلمان — دے دیو ہواے تو سلیمان

طاق است بہ عشق تو مجازی — بر طاق نہادہ وصل و ہجران

ہرچند مسلمی تو او را — در دولت شہریار ایران

قطب ملکان عماد دولت — سرمایۂ امن و پشت ایمان

شاہے کہ ز حضرتش رسیدہ — نزد ہمہ کس رسول احسان

عیداست شہا وعید یارین | رخ داشت ازین دیار پنہان
ممکن نہ بود بہ ہیچ حالے | عید این جا تو در خراسان
عید تو خجستہ باد ہر چند | بر من باشد ز عقل تاوان
زیراکہ ہر آنچہ گفتم اول | زین قول ہمی شود پشیمان
ہر چند نہ بودن سہ فرزند | نتوان گفتن بہ وصف یزدان
سود بیست زمایہ در گذشتن | این را عدم از وجود ایشان
سبحان اللہ شد از تمامے | کار تو چنانک وصف نتوان
در نعمت تو نکو نہ باشد | خوردن غم خاندان ویران

چھٹے شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پچھلے سال کی عید میں وہیں مازندران میں تھا لیکن اس کا ممدوح جیسا کہ ساتویں شعر سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت خراسان میں تھا، دسویں شعر میں شاعر اپنے تین لڑکوں کا ذکر کرتا ہے، اور آخر میں اپنے خاندان سے جو غزنین میں ہوگا، اپنی مجبوری ظاہر کر رہا ہے۔

اس ممدوح کی مدح میں متعدد قصیدے ہیں جن سے خیال ہوتا ہے، کہ وہ زیادہ عرصہ تک مازندران میں رہا ہوگا، پھر اُس کا مرثیہ بھی ملتا ہے، جس کے کچھ اشعار راحت الصدور (ص ۳۷۲) میں بھی ہیں،

درغم یار یار بایستے | یا غمم را کنار بایستے
تا بپایم ز روزگار مراد | مایہ ام روزگار بایستے
عوض چرخ اگر نخواہی یافت | باز مانہ شمار بایستے
در یکے غم چو جان بخواہم داد | یک چہ باشد ہزار بایستے

بر درد دوست بار تحمل نیست | بر در صبر بار بایستے
مست و دیوانہ چند خواہم بود | زیرک و ہوشیار بایستے
این کہ من شرمسارم از مردم | بخت من شرمسار بایستے
از فریب جہان عمادی را | نفسے زینہار بایستے
این ہمہ آرزو بیافتے | حضرت شہریار بایستے
شہ فرامرز کز معانی او | اختران را شمار بایستے
چون مدارا نہ کرد با او مرگ | آسمان بے مدار بایستے

ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے، جو ریو نے بھی نقل کی ہے،

اکنون کہ عماد دولہ در خاک آسود | از دیدۂ من خاک شو و خون آلود
در خاک نہادہ چون توانم دیدن | آن را کہ مرا ز خاک بر داشتہ بود

پھر ایک قصیدہ اسی عماد الدولہ کے لڑکے شمس الدولہ کے متعلق ملتا ہے، لیکن یہ ایسا شخص ہے جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ وہ قصیدہ یہ ہے :۔

ہر کرا عشقت اختیار کند | بے قراری بر و قرار کند
گل رخسار تو بدست خیال | دیدہ ہا را ز خواب خوار کند
بوے زلفت بہ ہر کجا کہ رسد | صفت بوے شہریار کند
شاہ شمس عماد دین و دول | کہ بدو عالم افتخار کند
ملکے خسروے، خداوندے | کہ کفش طعنہ بر بحار کند
آن شہی کز رکاب عالی تو | عقل افعال گوشوار کند
ہر چہ نقش وجود یافت کہ آن | نہ رضاے تو خواستار کند

بخداے و رسول و نعمت تو	کہ ازآن نعمش گذ ار کند
لالہ دل باشد وچو دریشیت	قامتِ خود بنفشہ وار کند
عید را مہرگان بہ میدان تاخت	تا ز درگاہ تو دراز کند
تا گمر سعی تو بہ عیدِ رضا	مہرگان را امیدوار کند

اگر آخری اشعار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ عید مہرگان مین کبھی ہوئی تھی تو وہ زمانہ ممکن ہے کہ ۵۲۲ھ ۱۱۲۸ء کا ہو، بہر حال مازندران کے بعد وہ محمود بن محمد بن ملک شاہ (المتوفی ۵۲۵ھ ۱۱۳۱ء) کے دربار مین آیا ہوگا، جہان اُس نے یہ قصیدہ پڑھا ہوگا،

بہ آنی کہ غم بر دلِ من گماری	من از غم نہ ترسم بیا تا چہ داری
نہ نالم ز غم گرچہ بسیار باشد	ولیکن بنالم ز بے غم گساری
ز خواری ہجر تو سر بر نہ تابم	کہ رسم قدیم است در ہجر خواری
کہ با تو بس آید کہ ہمچون عمادی	بہ ہر حال در کار خود مرد کاری
بہ آئین نگاری بہ شکرانہ باید	کہ مدح خداوند بر جان نگاری
قسیم درم را و محمود بن غزنین	کہ بر چرخ را پیش کند بردباری

ہمارے مخطوطے مین اس محمود سلجوقی کے متعلق کچھ اور نہین ملتا، لیکن اُس کے بھائی طغرل بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۲۹ھ ۱۱۳۴ء) کی مدح مین دو قصیدے ملتے ہین، ایک یہ ہی:۔

اے زلف درخت سپہر و اختر	وے روے و لبت بہشت و کوثر
طوطی سیاہ گوشہ بر لب	طاؤس سپید کار در بر
از دوستی رخ تو مارا	آید غم تو بہ بوے نادر
از ما بپذیر جان اگرچہ	در خورد تو نیست این محقر

جز روحِ امین مگس نہ باشد ۔۔۔ آن جا کہ لبِ تو گشت شکر

از خشک لبِ عمادیِ آخر ۔۔۔ بشنو غزلے چو چشم او تر

تا تازہ کند حکایتِ تو ۔۔۔ در بارگہِ شہِ مظفّر

سلطانِ سپہر قدر طغرل ۔۔۔ کز قبّۂ دانش است برتر

خاکِ درِ اوست چرخِ اعظم ۔۔۔ عشرِ کفِ اوست بحرِ اخضر

لیکن دوسرا قصیدہ اہم ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اسی عمادی (غزنوی) نے طغرل وغیرہ کی مدح کی تھی، وہ قصیدہ یہ ہے :-

دلم از دست بردۂ جانی ۔۔۔ چہ کنم با تو دوستی جانی

خونِ خود خوردم و بخواہم خورد ۔۔۔ از پئے وصلِ تو پشیمانی

جاودان مان کہ فرِ عشقِ تو بود ۔۔۔ کہ عمادی شدہ ست سلطانی

آستین بوسِ تو شود گردون ۔۔۔ گلستان بوس شاہِ ایرانی

شاہ طغرل کہ پیش گاہِ ازل ۔۔۔ آیتے ساختش جہان بانی

شہریارے کہ شحنۂ رایش ۔۔۔ رفت بالا ز حدِ امکانی

تنگ حالی نہ وہم پیدا کرد ۔۔۔ جاہِ او در فراخ میدانی

مدحش جہان بگیرد اگر ۔۔۔ دامن طبع من نیفشانی

زان نشستی بہ تخت جدّ و پدر ۔۔۔ تا در آفاق فتنہ ننشانی

تا لثت گفتم، ار چہ نتواند ۔۔۔ گفتن اندر ثنا ترا ثانی[1]

---

[1] سید حسن غزنوی نے ۵۴۰ھ کے قریب، مجد الدین ابو الحسن عمرانی کی مدح میں لکھا تھا، جو اسی زمین میں ہے:-

اے کہ تن را دل و دل را جانی ۔۔۔ از دل و جان چہ بہ کو تر آنی

تیسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عمادی نے اپنا تخلص اس دربار مین آکر بدل دیا ہے، اور عمادی کی بجائے وہ "سلطانی" ہو گیا ہے، راحت الصدور (ص ۲۰۹) مین اسی مانند دانی مداح (یعنی عمادی غزنوی) کو اس ممدوح سے وابستہ کہا گیا ہے، اور چونکہ اوس کے مؤلف کا زمانہ شاعر سے قریب تھا، اس لئے ماننا پڑتا ہے، کہ وہی عمادی ہوگا، اور وہ طغرل کے دربار مین آ گیا ہوگا، نوین شعر مین ممدوح کے والد محمد اور دادا ملک شاہ کے متعلق بھی اشارہ کیا ہے، اسی شعر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ طغرل کی تخت نشینی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہوگا، جب کہ یہ قصیدہ شاعر نے پیش کیا ہوگا، وہ زمانہ ۵۲۵ھ (۱۱۳۱ء) کا ہوگا،

شاعر کو طغرل سلجوقی کے دربار تک رسائی ایک "امیر بابہ" تقلغ کے ذریعہ ہوئی تھی، تاریخ مین اس شخص کا نام بھی نہین ہے، لیکن اس قصیدہ مین اس طرح ہے :-

دست درہم نمی کند کارم | پاے مردی نمی کند یارم
چہ کنم قحطِ مرد می ست آوخ | باکہ گویم کہ راست کن کارم
قدو در کاسہ ام کہ قلاّ شم | دست بر کیسہ ام کہ طرارم
لقبم دادہ اند سلطانی | چون عمادی چرا چنین خوارم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷) انوری نے بھی اسی زمین اور اسی کی مدح مین لکھا تھا :-

دلم اے دوست تو واری وانی | جان بہ بر نیز اگر بتوانی

سنائی نے بھی عمادی غزنوی کی تقلید کی تھی، جیسا کہ کلیات (ص ۲۰) مین ہے :- ع بر بر خوانِ عمادی من کشادم این فقع، کلیات (ص ۸۰) میں سنائی کا جو قصیدہ قاضی حسن کے متعلق ہے، اس کے متعلق عمادی غزنوی نے (مجموعۂ قصائد فارسی ۹۵۲ ص ۷۰، حبیب گنج) کہا ہے،

چون سنائی او فتاد از خطۂ غزنین بہ بلخ | تازہ کرد از مدحت قاضی حسن روی سخن

اس کی تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۳۲ء ص ۲۰۰) مین بھی دے چکے ہین،

ہمہ عیبم جز آن کہ ذرثنا	بر سر میر بار می بارم
عزالدین خدای قتلغ آن	کہ ز انعام او گران بارم
در ہنر خواجۂ جہانم زانک	بہ غلامی اوست اقرارم
اعتمادم بر آستانۂ تست	کہ بہ دوحی عمر بگذارم
جز بہ تقلید تو نہ پذرفتند	زیرکان زمانہ اشعارم
از تو سلطان شناختم گرنہ	من و سلطان کجا سزاوارم
نہ خورم غم چرا خورم کہ توئی	از پئے ہر مراد غم خوارم

چوتھے شعر میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ یہ نیا لقب (تخلص) "سلطانی" عمادی کی بجائے اختیار کیا گیا ہے، اور چونکہ طغرل کے دربار میں وہ تبدیلی ہوئی ہے، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، تو ظاہر ہے کہ (شعرہ - ۷) امیر بار[۵] قتلغ بھی اُسی دربار سے وابستہ تھا، اور اُسی کی سفارش (شعر نمبر ۱۰) پر ہمارا شاعر طغرل تک پہنچ سکا تھا،

طغرل کے دربار میں پہنچنے پر اوس کے وزیر قوام الدین ابوالقاسم (م ۵۲۷ھ) کی مدح بھی کی تھی لیکن ایک ہی قصیدہ اس کی مدح میں ملتا ہے، اس لئے اغلب ہے کہ اس کے قتل (۵۲۷ھ) تک مدح سرائی کا موقع کم ملا ہوگا، وہ قصیدہ یہ ہے :-

---

[۵] لباب (جلد ۲ ص ۲۶۲ - ۲۶۷) میں دو قصیدے اور بھی طغرل کی مدح میں ملتے ہیں، دوسرے قصیدے میں (لباب ۲ ص ۲۶۶ سطر ۱۲) امیر بار کی طرف اشارہ ہے [۶] آثار الوزراء (ق ۱۰۳ - الف - بانکی پور) میں کچھ اور اشعار اس کی مدح میں عمادی غزنوی کے ملتے ہیں، مثلاً :-

گردون توی فرازی چون خولفت سحاب	سلطان تو می نشانی چون گویت نذیر
از مہر توست اندر دانگین تو دہر	ابروے شام و سمہ و پستان صبح شیر

چشمے کہ ز تو نگار گیرد — در خون جگر قرار گیرد
بگرفت مرا غم تو باری — ہر روز چو من ہزار گیرد
در کوے تو ہر شب آسمان را — گیرد غم عشق وزار گیرد
وقت است کہ در غمت عمادی — جان و دل و دیدہ خوار گیرد
چون نام تو گویم از سر شکم — انگشت سخن نگار گیرد
بس ہر چہ ترا بدو رساند — از صاحب روزگار گیرد
بوالقاسم آن کہ از در او — انصاف بہ نام کار گیرد
از دست جہان کند توی تر — دستے کہ بہ زینہار گیرد
اے آنکہ بیک صریر کلکت — پہناے زمین سوار گیرد
چون شعلہ خشم تو بر آید — ابروے زحل شرار گیرد
بازیست خجستہ نامہ تو — کز چشم قضا شکار گیرد

اسی طرح ایک قصیدہ اس کے لڑکے جلال الدین کی مدح میں بھی ہے، جو محمد بن محمود بن محمد اور ارسلان بن طغرل بن محمد وغیرہ کا وزیر ہو گیا تھا، وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

دل و جانم بہ عشق تو ثمرند — ہمہ عالم بدین حدیث درند
زلف در روے ولبت نیامیزد — ہمہ از یک دگر شگرف تراند
تو نہ یاری ولیک از غم تو — ہمہ آفاق یار یک دگراند
آہوان اندر یں غمزۂ تو — کہ بجز مرغزار جان نچرند
عشق بازان روے تو بہ نیاز — مدح سازان صدر داوگرند
مقصد آسمان جلال الدین — کہ دو دستش زجود بار ورند

اے ہنر پرورے، سخا پیشہ — کہ ترا بر زمین ملک شمرند

در زمانہ بدین نظر کہ مراست — شرق و غرب از تو طالع نظرند

خواجگان جہان غلام تو اند — گرچہ از تو بہ سال بیشتر اند

اسی زمانہ مین اس عمادی نے جیسا کہ راحت الصدور (ص ۲۰۹) سے معلوم ہوتا ہے ایک مشہور واعظ عبادی کی مدح بھی کی تھی، اس کا پورا نام ابن خلکان نے ذ المظفر ابومنصور المظفری بن ابی الحسین بن اردشیر ابن ابومنصور العبادی المروزی الواعظ لکھا ہے، اس عبادی (المتوفی ۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء) کی مدح مین دو قصیدے ملتے ہین، پہلا یہ ہے:-

رہ می رویم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد — کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

مالش دہیم خاک سیہ را بہ آب سرخ — چون دست ما بہ زرد می اختر نمی رسد

بے نامہ ہدایت تو در طریق سمع — پیک سخن بہ منزل باور نمی رسد

بر آستان جاہ تو چرخ ار نہ داد بوس — عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

تعبیر رمز عشق میاموز عقل را — از بہر آن کہ یک کلہ در نمی رسد

شوق شراب عشق تو در ہر سحرگہے — الا بکام مفخر کشور نمی رسد

زنگ درنگ گو ہر عبادی آن کہ زاد — صد خیر می رسد کہ یکے شر نمی رسد

بے عقد عنبرینہ مدحش زہیچ ملک — مشک شرف بہ عارض دادر نمی رسد

اے خلد مجلسے کہ ترا نیست ہیچ لفظ — کز وے بما معاینہ کوثر نمی رسد

بے چشمہ صلاح تو در بوستان زہد — لالہ نمی شگوفد و عبہر نمی رسد[۱]

اس قصیدے کے سلسلے مین راحت الصدور (ص ۲۰۵) مین جو حکایت درج ہے، اس کا نقل کرنا

---

[۱] اس قصیدے کا چوتھا شعر مین نے راحت الصدور کی قرأت کے مطابق نقل کر دیا ہے، ورنہ علی گڈھ کے

بھی مناسب ہوگا، مؤلف لکھتا ہے :-

"شنیدم کہ عمادی کہ از شاعرانِ او (طغرل بن محمد بن ملک شاہ) بود، بر عبادی قصیدہ‌ٔ می خواند کہ شعر :-

رہ می روید و دیدہ بہ رہبر نمی رسد　　　کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

عبادی بر سر منبر بود، عمادی بدین بیت رسید کہ

بر آستانِ جاہِ تو چرخ ارنہ داد بوس　　　عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

عبادی گفت، امیر عمادی ہر آرزو کہ دارد بخواہد، عمادی ملازم قاضی را با خود داشت، گفت ہزار دینار شرح قرض محوسم و موکل این است، وجہ قرض می باید، عبادی سر فرو برد، یکے از مریدان گفت بود، عبادی سر بر آورد، گفت، امیر عمادی چو ہزار دینار با قرض دہد، فردا دیگر قرضش باید کہ بخورد، مریدے دیگر گفت، ہزار دیگر بود و عمادی بیاسود"

عبادی کی مدح کے دوسرے قصیدے کے بھی کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

قد قامت القیامہ کجا عشق داد بار　　　بل عشق صعب تر ز قیامت ہزار بار

اوّل قدم کہ عشق پیادہ کند فرود　　　آخر نفس بسود شود بر فلک سوار

کشتی کائنات درین بحر غرقہ شد　　　بے آن کہ اوفتاد یکے تختہ بر کنار

درزین متاز ہین کہ شست بارگی　　　صف مرد برہنہ کہ سخت است کارزار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مخطوط میں وہ اس طرح تھا :-

بر پایۂ سریر تو گر جان نہ داد بوس　　　عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

اسی تیسرے شعر میں علی گڈھ والے مخطوطے میں "طباق سمع" ہے، لیکن جامعۂ عثمانیہ کے مخطوطے (نمبر ۲۵-۵۳ / ۱۲۱) میں "طریق سمع" ہے،

دست از پئے دعا چہ برآری پس از نماز | سر را دلت بہ پیش شیاطین فگندہ خوار
از خیط نا عبادی اگر خیط بایدت | شو دست زن بہ دامن عبادی استوار

اسی زمانہ مین شاعر کو ایک اور ممدوح عبدالرحمٰن بن طغایرک ملا ہوگا، یہ سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) کا ایک امیر تھا، جو سلطان کے اشارہ پر ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء مین مارا گیا تھا، اسی کی مدح مین آٹھ بند کا ایک طویل ترکیب بند ملتا ہے، ہم یہان اس کے صرف دو شعر نقل کرتے ہین، جن مین اُس کا نام آیا ہے،

عبدالرحمٰن کہ گر بخواہد | از ہفت سپہر ششش بکاہد
عبدالرحمٰن کہ نوک پیکان | بر دیدۂ مشتری نگارد

ان مین کا پہلا شعر ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان (مترجمۂ براؤن ص ۵۹) مین اس سلسلے مین منقول ہے، کہ عبدالرحمٰن جس کی مدح شاعر نے اس طرح کی ہے، ایک مرتبہ چند ساتھیون کے ساتھ اردبیل مقام سے اسپہبد علاؤ الدولہ علی بن شہریار بن قارن (۵۱۱ھ/۱۱۲۱ء تا ۵۳۴ھ/۱۱۴۰ء) کے پاس آیا تھا، اور چند روز مہمان رہ کر واپس چلا گیا تھا،

اسی عبدالرحمٰن کے لڑکے فخر الدین کی مدح مین بھی ایک قصیدہ ملتا ہے :-

رایگان رخ نہ می نماید یار | بہ سخن راست می نہ گردد کار
از فریب و عتاب او فریاد | وز حساب و کتاب او زنہار
با دل ست این سخن نہ با قالب | با سرائے سخن نہ با دستار
می پذیرد کنار و بوس ولیک | از پئے عمر کو پذیرفتار
این چنین زندگی کہ آن من ست | می کنم چون عمادی استغفار
وائے این ہمنشین کہ چیست مرا | آرزو زان نگار خوش گفتار
بوسۂ لب بخواہ و دست بشو | کافرم گر کنم حدیث کنار

گر لب اوست نیست در سر ہست | سم اسپ خدایگان کبار
تخت بخش زمانہ فخر الدین | کز حوالی او گریزد عار

ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاعر نے عبد الرحمن کے قتل (۵۵۱ھ ۱۱۴۲ء) کے بعد لکھا ہو جب کہ اس کا لڑکا فخر الدین بغداد کی شحنگی سے معزول ہو کر طغانال (راحت الصدور ص ۲۳۰-۲۳۸) کا حاکم بنایا گیا تھا، اس کے بعد شاعر ۵۴۵ھ ۱۱۵۰ء کے قریب وفات پاتا ہے، جیسا کہ ابو العلاء گنجوی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے :-

سخن وران بہ من امروز اقتدا آرند | روا بود کہ مسلم قدوۂ ہمہ شعرا
چون رفت جان عمادی بمن گذاشت عمار | چو شد روان سنائی بمن گذاشت سنا
تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم | بشست باشد بستم چو شست گشتہ دوتا
بہ عقد ستین گشتہ ست پنجۂ عمرم | گہ وداع رحیل ست ازین فنا رفنا
سر ملوک منوچہر مہر چہر کزد | شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندان بقا[1]

ان اشعار سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

(۱) دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ سنائی غزنوی اور عمادی (غزنوی) اس وقت تک انتقال کر چکے تھے، یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ دوسرے عمادی (شہریاری) کے اشعار بہت بعد کے عہد تک کے ملتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی ہی ہوگا جس کی وفات کی خبر اس شعر میں ہے،

---

[1] ان اشعار کے متعلق تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۲ء - ص ۱۹۹) میں دے چکے ہیں، بعد میں استادی ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کی کتاب "فلکی شروانی" دیکھی، اس میں (ص ۹۵) بھی کچھ اشعار ہیں، لیکن سلسلے کے ساتھ نہیں ہیں، اس لئے یہ اشعار ضروری ہیں،

(۲) تیسرے اور چوتھے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالعلاء گنجوی کی عمر اُس وقت ۵۵ سال کی ہو چکی تھی، اور چھٹی دہائی مین تھی،

(۳) منوچہر خاقان شروان اس وقت زندہ تھا، موسیو خانیکوف (Thanikoff) نے تذکرۂ خاقانی (اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۳۶ء ص ۵۲) مین ابوالعلاء گنجوی کی مفروضہ تاریخ پیدائش ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء اور ۴۹۰ھ/۱۰۹۶ء کے درمیان بتائی ہے، اس حساب سے وہ اشعار شاعر کی ۵۵ سالہ عمر مین یعنی ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء اور ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء کے درمیان لکھے گئے ہون گے، یعنی جب کہ عمادی اور سنائی قضا کر چکے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ سنائی نے ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء مین معزی کا مرثیہ لکھا تھا، اس لئے وہ اشعار یقیناً ۵۴۲ھ کے بعد کے ہون گے، اب دوسری طرف آئیے تو معلوم ہوگا کہ منوچہر جس کی وفات زمبرہو (Manuel-Zambaur ص ۱۸۲ De Genealogie) کے قول کے مطابق ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء ہے، ان اشعار مین ممدوح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ اشعار ۵۵۰ھ کے پہلے اور ۵۴۲ھ کے بعد کسی وقت اُن شعراء کے انتقال کے بعد لکھے گیے ہون گے، اغلب ہے کہ وہ زمانہ ۵۴۵ھ ہی کا ہوگا، جب کہ سنائی کی وفات (محققین کے نزدیک) ہوئی تھی،

اب ہم دوسرے شاعر یعنی عمادی شہریاری کی طرف متوجہ ہوتے ہین، جو عمادی غزنوی (م ۵۲۵ھ) کے بہت بعد تک زندہ رہا ہے، علی گڈہ والے مخطوطے مین ایک قصیدہ یہ ملتا ہے :-

زان گہ کہ در تصرف این سبز گلشنم — در کام اژدہاے نیاز است مسکنم

در حلق ہیچ حلقۂ دامی شود مرا — ہر دانہ کہ از پئے صیدے پراگنم

محتاج آب و دانہ نیم از براے آنک — غم جاے نان و آب گرفتست در تنم

باز سپید وانشنم و در ہمہ جہان — جز آستان شاہ نہ باشد نشیمنم

خسرو ملک طغان کہ زبس لطف شاملش — از منت عطاے وی آسودہ شد تنم

۱ یہ قصیدہ دراصل سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) کی تقلید مین ہے، جس نے ۵۲۵ھ مین لکھا تھا :-

اس قصیدے میں ممدوح ملک طغان ابن ملک مؤید آی آبہ (۵۶۹ھ/۱۱۷۴ء تا ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) حاکم نیشاپور ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی (المتوفی تا ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کا قصیدہ نہیں ہے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ عمادی شہریاری کا ہو، کیونکہ مختلف تذکروں میں اُسی سے منسوب ہے، اور ایک ہی مجموعے میں پایا جاتا ہے، اسی طرح ذیل کا قصیدہ ہے، جو غلطی سے لباب (ج ۲، ص ۲۵ بعد) میں عمادی غزنوی سے منسوب کر دیا گیا ہے :-

گنبد مشکین شد دست چرخ زبوے ہبا — غالیہ پیوند گشت با دو رخسار یار

خسرو گردون کمند شاہ جہان پہلوان — آن کہ کند کوہ را ہیبت او اشک بار

بر در تو می رود عمر عمادی خوش است — گرچہ یقین داند آنک عمر نہ باشد دو بار

یہ قصیدہ اتابک محمد جہان پہلوان" (۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء تا ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) کی مدح میں ہے گو کہ علامہ قزوینی (بیست مقالہ ج ۲ ص ۲۷۶-۲۷۷ سطر ۲-۵) کو اس میں شک ہے، غالباً اس وجہ سے کہ جہان پہلوان" کسی بھی بادشاہ کا خطاب ہو سکتا ہے، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ

"این مدت طویل برای دورۂ فعالیت شاعر تا اندازۂ نادر است ولے مستبعد نیست عادۃً"

لیکن اُن کا یہ خیال محض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے بھی ایک ہی عمادی تصور کیا ہے، حالانکہ دو شاعر اس تخلص کے تھے، میرا خیال ہے کہ یہ قصیدہ اتابک محمد جہان پہلوان" ہی کی مدح میں ہے، بلکہ اس کے بہت بعد کے شہاب الدین غوری کے بھانجے ملک ناصر الدین الب غازی والی ہرات (المتوفی ۶۰۰ھ لباب۔ ج ۱، ص ۳۳۱) کی مدح میں بھی چند اشعار اسی عمادی شہریاری سے منسوب ملتے ہیں، اور وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) جان می برد بہ عشرت حوران گلشنم — دل می کشد بہ خدمت دیوان گلخنم
از سال پانصد و چہل و پنج گو ئیا — در می نگر کہ معجزۂ جدّ خود منم

لباب (ج ۱، ص ۱۸۱-۱۹۱) میں دو اور شاعروں کے اشعار اسی زمین میں ملتے ہیں،

شمس الدین محمد کی کتاب المعجم (مرتبۂ قزوینی۔ ص ۸۰) میں اس طرح ہیں :-

تا چند ز صحبت مجازی تا کے سخنان نا نمازی

خود قول بود بدین دروغے خود عشوہ بود بدین درازی

اکنون بارے شکر فراخ ست یعنی لب لعل الب غازی

ہمارے مخطوطے میں ان ممدوحین کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں، جن کے متعلق تاریخ بالکل خاموش ہے، اسی لئے یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ ایسا کونسا کلام کس عمادی کا ہو سکتا ہے تاہم اُن اشعار کا نقل کر دینا مناسب ہوگا، جن سے اُن کی شخصیتوں پر روشنی پڑ سکتی ہے :-

مشروح روح منتخب الدہر کز شرف رایش بر اوج گنبد دوّار می رود

مدی خرد محمد نعمان کہ از ہنر بر سیرت محمد مختار می رود

چون نسب گوئی امیر ابن الامیر چون لقب جوئی مجیر ابن الظہیر

بہ ہمہ روزگار لاف نجات از در سید امام زدہ ایم

فرق فرقد امام قطب الدین ہگی دین کدام قطب الدین

ناصر الدین پہلوان سخن پہلوان و خدایگان سخن

تکیہ گاہ افاضل دنیا آن کہ او را نہ دیدہ کس ہمتا

از بہر پناہ می نیاید جز عز الدولہ شہریاری

عبد الواحد کہ گوش گردون

نشنید چنو زمانہ وارے

راوی ہمایون کف عبد الجلیل نسخت اقبال زمین تا بہ لام

عنصر دولت محمد شرف الدین کز کف او حاصل بحار بر آمد

۵ عبد الصمد اکرم الخلایق	سرمایۂ بخت جاودانہ[۵]

[۵] سید حسن غزنوی کا بھی ایک ممدوح عبد الصمد ہے، جو عباسی ہے :-

گہر نتیجۂ بحراست بر خلافِ قیاس — نتیجہ آمد بحرے زگوہر عباسؓ

ابو المحاسن عبد الصمد کہ بخت ابد — بناے دولت او را بہ دو نہاد اساس

اسی عہد میں عبد الواسع جبلی (م ۵۵۵ھ) کا بھی ایک ممدوح اس نام کا ہے لیکن وہ سید یا علوی ہے :-

عبد الصمد عزیز ملوک و نصیر دین — کز عقل ہست عاقلۂ نسل بو البشرؑ

نور و سرور چشم و دل حمزہؓ و علیؑ — آن مایۂ بزرگی و پیرایہ ہنر

اس کے متعلق ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۶ء) میں دے چکے ہیں، لباب (ج ۲-ص ۱۲۴) میں ادیب صابر کے تین شعر کسی عمادی کے متعلق ملتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ غزنوی کے متعلق ہوں،

ہندوستان کی کہانی

ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے، تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے، تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں، از مولوی عبد السلام قدوائی ندوی،

ضخامت :- ۷۰ صفحے،

قیمت :- ۸ر

"منیجر"

ہندوستان مین علم حدیث

(بہ سلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابو یحیٰی امام خان صاحب نوشہروی

(۲)

امام شوکانی کی ممتاز و مجتہدانہ تصنیف منتقی کی شرح (نیل الاوطار) من اسرار منتقی الاخبار کو اسی نسبت بلند وتساوی فی العقائد کے تعلق سے امیر الملک ہی نے چھپوا کر اقصاے عالم مین پھیلایا، متن مین نیل اور حاشیہ پر عون الباری لحل ادلۃ البخاری ہے، یہ نواب صاحب کی تالیف ہے، نسخۂ صدیقی کے بعد ایک مرتبہ نیل الاوطار اور بھی چھپی، مگر اب دونون نایاب ہین،

امام اور نیل الاوطار کے تذکرہ مین امیر الملک کی مملکت علم کے اس باب کا حوالۂ قلم کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ممدوح ایسی کتابین کہان سے کس طریق سے اور کن حضرات کی وساطت سے حاصل فرماتے تھے، اس کا کچھ حال اپنی ایک مختصر تالیف العلم الخفاق من علم الاشتقاق مین فرماتے ہین، معارف (ج ۲۵ نمبر ۳ ص ۱۲۲) بضمن تنقید المبین اس کا ذکر جناب سید صاحب دام مجدہٗ کے قلم سے بھی آچکا ہے،

علم الاشتقاق ...... کا یہ باب جو ص ۱۱۸ سے ۱۲۵ تک مین پھیلا ہوا ہے، بہت ہی دلچسپ ہے، وہ وہ تمام خط و کتابت من وعن درج ہے، جو اس سلسلہ مین جاری رہی، چنانچہ ۲۸ اہل علم تھے، جو امیر ملک کی ہدایت کے مطابق ان جواہرات کی جستجو حجاز مین کرتے رہے، اور معادن نجد سے یہ ہیرے

نکالے گئے، اسی طرح بازار مصر میں اس یوسفِ گم گشتہ کی تلاش جاری رہی، ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں یہ موتی ڈھونڈے گئے، اور مولانا علی عباس چریاکوٹی، دکن (دولتِ خداداد حیدرآباد دکن) میں سرگرم جستجو ہوئے[۵] اور ممالک حجاز میں شیخ حسین بن محسن انصاری (۱۳۲۷ھ) جیسے تیز نظر جوہری قریہ بقریہ نظر جمائے رہے، یہ حضرت نواب کے شیخ فی الحدیث بھی تھے، نورتن صدیقی کے سرخیل یہی عرب شیخ ہیں، ان کے زمانہ قیام بھوپال میں شاگرد اپنے استاذ سے احادیث کے ماخذ میں استمداد کرتے ہیں، ایک ایک حدیث پر شیخ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ رقم پیش ہوتی ہے، اللہ اللہ یہ کیسی شاہانہ علم نوازی تھی،

بکوے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود!
کہ جوشِ شاہد و ساقی و شمع و مشعلہ بود!

شیخ گرم ملک کے باشندے ہیں، جلال میں آکر نواب والاجاہ امیر الملک بھوپال سے ایسے الفاظ بھی کہہ دیتے تھے، جو شیخ کے مزاج کے توموافق تھے، مگر ہندوستان کے ایک والیٔ ریاست کے لئے جو تختِ شاہی پر متمکن ہو، سر پر شاہی چتر، جلو میں خدم و حشم ہوں برداشت کرنا اس کے غیر معمولی تحمل و برداشت کی دلیل ہے،

در خراباتِ مغان نور خدا می بینم
وین عجب بین کہ چہ نورے ز کجا می بینم،

سر پر کلاہ و چتری سہی، مگر صفتیں سب درویشانہ تھیں، او ما یسے درویش کہ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پر رو کر صدیق الحسن جیسا دیدہ ور پیدا کر سکی،

ہر نکتہ کہ گفتم در وصفِ آن شمائل
ہر کس شنید او گفتا للہ در قائل

---

[۵] علم الاشتقاق ..... ص ۱۰۱ تا ۱۰۴

ان کے شیخ الحدیث کی زبان سے جو کچھ ادا ہوتا لب بہ لعل شکر خا سمجھ کر جواب تلخ بھی گوارا کر لیتے،
پروردۂ مہد علم یمن، پروان چڑھے تو نعمت علم کے دوش پر، کھولت میں بھی عصائے پیری علم ہی ہے،

سر تسلیم من و خاک درِ میکدہ ہا
مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت

اور ان ۲۰ حضرات کی اس خط و کتابت میں سے جو تلاش نوادر کے لئے ہے، صرف جناب شیخ حسین محدث یمنی الانصاری کے توسط سے جو گرانمایہ جواہر دستیاب ہوئے، ان میں نیل الاوطار کی ساتون جلدون کے علاوہ حسب ذیل کتابیں تھیں،

۱۔ " تیسیر البیان للموزعی مجلد "
۲۔ " قوت المغتذی علی الترمذی للسیوطی
۳۔ " حاشیہ علی النسائی
۴۔ ادب الکاتب
۵۔ نثر الجواہر علی حدیث ابی ذر للشوکانی،
۶۔ الدرالنضید فی اخلاص کلمۃ التوحید،
۷۔ رسالتین فی رد القول بفناء النار،
۸۔ رسالہ للشوکانی ایضاً فی مذہب السلف من اجزاء الصفات علی ظاہرہا من غیر تاویل،
۹۔ تفسیر ابن القیم اس نام سے ایک کتاب ملی، جو دراصل علامہ ابن جوزی کی تفسیر مسمی زاد المسیر تھی،
۱۰۔ فتاوی الشوکانی،
۱۱۔ حاشیہ تیسیر الوصول،

۱۲۔ روح الروح[1]،

۱۳۔ فتح الباری مع مقدمہ کا نسخہ فقیہ عمر سندھی کے اخلاف سے حاصل ہوا،

۱۴۔ الدرر الفاخرۃ الشاملہ لسعادۃ الدنیا والآخرۃ

اس کے بعد حضرت شیخ حسین بن محسن محدث الانصاری کی سعی و برکت سے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۵۴ھ ۱۸۹۶ء

تک ذیل کے خزائن علم امیر ملک ریاست دین کے قبضہ میں پہنچے،

۱ زاد المعاد .... مجلد ۱،

۲ مجمع الزوائد کا فظ الہیثمی .... مجلد ۵

۳ جلدین بالاستکتاب، مجلد ۲

۴ ضوء النہار علی الازہار للسیوطی مجلد ۲

۵ نہج الغفار علی ضوء النہار للسید محمد الامیر مجلد ۲

۶ الدرر الفاخرہ للشوکانی، مجلد ۱

۷ شرح تنقیح الانظار للسید محمد الامیر نسخہ المولف ..... مجلد ۱

۸ شرح العمدۃ لابن دقیق العید مع حاشیہ السید محمد الامیر بخط احسن الجمیع، ..... مجلد ۱

۹ النصف الاول ایضاً من العمدۃ للسید الامیر نسخہ ولد المصنف، .... بخطہ

۱۰۔ فتح الرحمان فیما اشکل منہ آیات القرآن، للقاضی زکریا الانصاری، ..... مجلد ۱

۱۱ طوق الحمامہ شرح القصیدۃ البسامہ شرحین کاملین، .... مجلد ۲

۱۲ کتاب نزہۃ الناظرین فیمن ولی مصر من الخلفاء والسلاطین للشیخ مرعی،

۱۳۔ کتاب السیادۃ للقلعی .... مجلد ۱

---

[1] علم الاشتقاق ..... ۲۰۵ تا ۲۰۵ ، صتہ تا صتہ،

۱۴۔ کتاب ما وقع من الغلط لشعراء العرب مع الشرح .... مجلد ۱

۱۵۔ فلک القاموس ترجمہ صاحب العواصم والقواصم مع تلخیص خلاصہ ما فی العواصم تلخیصاً حسناً لحفیدۃ صاحب العواصم .... کراستین

۱۶۔ تکملۃ فتاوی الشوکانی ...... مجلد ۱ [۵۱]

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ سند اہل شوق کے لئے امام شوکانی کے ان شیوخ سند کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن کا وطن ہندوستان ہے، اگرچہ یہاں سرو حدیث کے وہ نغمے پیدا نہیں ہوئے، جو دوسرے اسلامی ملکوں کی شہرت کا سبب بنے، مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں، یہ آواز مدھم سی سنائی دے رہی ہے، افسوس یہ ہے کہ فقہ و قیاس کے ہنگاموں میں یہ بھی دب گئی کہ سنانے والے ہی ترکِ وطن پر مائل ہوگئے، (الا ماشاء اللہ ربک) ان مہاجرین وطن میں سب سے پہلے ابوالحسین عبد الغافر غزنوی (م ۵۲۹ھ ۱۱۳۴ء) اور ان کے صاحبزادے ہیں، جن کا وطن غزنہ تھا، مگر نیشاپوری الفارسی کہلائے [۵۲] اسی طرح امام حسن صغانی اللاہوری صاحب مشارق الانوار (م ۶۵۰ھ ۱۲۵۲ء) شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندی صاحب حاشیۃ البخاری (م ۱۱۳۹ھ ۱۷۲۶ء) سید بلگرامی مرتضیٰ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰ء) شیخ محمد عابد سندی المدنی (م ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء)

---

[۵۱] علم الاشتقاق .... ص ۶۰ و ۶۱ [۵۲] شیخ عبد الغافر غزنوی کا ہندوستانی ہونا بر بنائے نص مولانا عبد الحئی صاحب لکھنوی ہے، غزنہ کے متعلق ہے "من اول بلاد الھند ذکرہ السمعانی" (الفوائد البھیۃ ص ۲۰) مولانا مرحوم کی تحریر کے مطابق (یعنی فی تذکرۃ الخطابی مؤلف معالم السنن شرح سنن ابی داؤد) فرماتے ہیں،

"ان سے الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ ابو الحسین عبد الغافر الفارسی اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، الحاکم تاریخ نیشاپور میں ذکر کیا ہے۔ (تعلیق الممجد ص ۲۴)"

لیکن نواب صاحب نے اس نام: عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر بن محمد الفارسی الحافظ،

شیخ محمد حیات سندی (۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) قطب الدین محمد اور سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی وغیرہ ہیں

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ السند حسب ذیل ہیں :-

۱- قطب الدین محمد بن احمد بن محمد النہروانی (یہ صحیح بخاری میں ۵ واسطوں سے) اور مشارق الانوار

صغانی اللاہوری میں بھی شیخ السند ہیں،[۱]

۲- قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کے والد یعنی احمد بن محمد المذکور،[۲]

۳- عبد اللہ بن[۳] ملا سعد اللہ اللاہوری (صحیح بخاری میں)

۴- شیخ ابو الحسن[۴] عبد الہادی سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)

۵- شیخ محمد[۵] حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء)

۶- عبد الغافر (ابو الحسین) غزنوی نیشاپوری فارسی (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۳) سے جن صاحب کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ مولانا عبد الحی صاحب کے مسمی (عبد الغافر) نہیں، بلکہ اُن کے پوتے ہیں، جو المفہم شرح غریب صحیح مسلم، وکتاب مجمع الغرائب فی غریب الحدیث کے مولف بھی ہیں، اِن کا سنہ وفات ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء ہے، (اتحاف النبلاء المتقین ص ۳۰۲) یہ ابو الحسین عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر نہ تو خطابی کے شاگرد ہو سکتے ہیں کہ خطابی کا سال وفات ۳۸۸ھ/۹۹۸ء ہے، (اتحاف النبلاء ص ۲۴۶) اور عبد الغافر (ابو الحسین) حاکم صاحب مستدرک کے ہم سبق بھی نہیں، کہ حاکم کی تاریخ وفات ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء ہے،

[۱] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۲، ۹۶ [۲] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱، [۳] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱، [۴] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۰ [۵] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی صفحہ ۵۹ [۶] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۲۰، ص ۵، ص ۳ وصفحہ ۳۲، وصفحہ ۴۰ وصفحہ ۶۰، وصفحہ ۷،

۷۔ حسین بن ابوالحسین[1] عبدالغافر (المذکور) غزنوی نیشاپوری،

۸۔ سید غضنفر[2] بن سید جعفر نہروالی، مشکوٰۃ و مؤلفات جامی (مولانا عبدالرحمٰن) میں،

۹۔ میر کلان محدث اکبرآبادی جن کا ذکر بسلسلۂ شیوخ ملا علی قاری (جناب فخرالاماثل) مولانا سید سلیمان صاحب نے بھی معارف میں فرمایا ہے[3]۔ (باقی)

---

[1] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۹۰، [2] ص ۹۰ [3] ص ۳۲ و ۳۳ [4] معارف ج ۲۲ نمبر ۴ ص ۲۶۶ [5] اتحاف الاکابر، ص ۹۰،

حیات شبلی

حصۂ اول

یہ کتاب تنہا علامۂ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہیں، بلکہ اُن کی وفات ۱۹۱۴ئہ تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامۂ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ اگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر اور خصوصاً ان کے بعض ہم عہد ہمعصر علماء کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہیں، ضمناً ان تعلیمی اداروں کی جن سے مولانا کا تعلق رہا ہے مجمل تاریخ بھی پیش کر دی گئی ہے، ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہیں،

کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت:۔ غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیہ مجلد:۔ للعہ

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین

جس طرح ہر جاندار کے لئے جسم کے ساتھ روح کا ہونا ضروری ہے، کہ اسی پر اس کی زندگی کا مدار ہے، اور روح کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہین رہ سکتا، بالکل یہی حال انسانی اعمال کا ہے کہ اس کے ہر عمل کی ایک روح ہوتی ہے، اگر کوئی عمل اس روح سے خالی ہے تو اس کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت،

روح صرف انسانی اعمال مین ہوتی ہے

لیکن انسان اور حیوان کے اعمال مین بڑا فرق ہے، حیوانات چونکہ علم وعقل اور فہم وتدبر سے محروم ہین، اس لئے کسی کام کے مکلف نہین، اُن سے افعال کا صدور طبعی طور پر ہوتا ہے، تشریع کو اس مین دخل نہین ہوتا، اس لئے ان کے اعمال کے صحیح، غیر صحیح، باروح و بے روح ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہین ہوتا، لیکن انسان . . . کا حال ایسا نہین ہے، چونکہ اسے علم وعقل اور فہم وتدبر عطا کیا گیا ہے اس لئے اس کے افعال کے صدور مین تکوین سے زیادہ تشریع کو دخل ہے، اس کے افعال کی نوعیت وہ نہین ہے، جو حیوانات کی ہے، اس کا ہر عمل طبعی طور پر تشریع کی پابندیون مین جکڑا ہوا ہے، اس لئے عمل کے صحیح وغیر صحیح اور باروح و بے روح ہونے کا سوال صرف انسان ہی کے اعمال مین پیدا ہوتا ہے، اور وہی اس کا مکلف ہے،

کافر و مومن کے اعمال کا فرق

جس طرح حیوان اور انسان کے افعال مین بہت بڑا فرق ہے، اسی طرح انسان کے دو گروہون مومن و کافر کے افعال مین بھی کافی فرق ہے،

انسان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گو کافر بھی تکلیف شرعی کا مورد ہے، اور اس کی تمام پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے لیکن عملاً چونکہ اس کی زندگی میں تشریع کی کارفرمائی نہیں ہوتی، اور اپنے کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا اس لئے اسے اپنے اعمال کے صحیح خالص اور باروح ہونے کی بھی کوئی پروا نہیں ہوتی، لیکن مومن کا حال ایسا نہیں ہے، وہ اپنے کو بالقوہ اور بالفعل دونوں طرح تشریع کے حدود وقیود میں محسوس کرتا ہے، اس لئے اسے ہر عمل کے وقت اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے کہ اس کا یہ عمل تشریعی پابندیوں کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں؟ وہ جو عمل کر رہا ہے، اس میں روح بھی پڑ رہی ہے یا نہیں؟ وہ عنداللہ مقبول بھی ہوں گے یا نہیں؟ اس بنا پر کافر و مومن کے اعمال میں بھی عملاً وہی فرق ہے، جو انسان و حیوان کے افعال و اعمال میں ہے،

اس سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ جس طرح انسان کا جسم بغیر روح کے بے حقیقت ہے، اسی طرح اس کا عمل بھی بغیر اس کی روح کے لاشۂ محض ہے۔

نماز ایک امر تشریعی ہے، اس کے لئے بھی جسم و روح ہے، اس کی ادائگی کے بہت سے ارکان شرائط، اور اس کے مقبول و صحیح ہونے کے بہت سے اسباب و ذرائع ہیں، اس لئے ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ جب بارگاہ قدوسی میں حاضر ہو، تو ان ضوابط اور ذرائع کا لحاظ رکھے تاکہ اس کا یہ عمل ضائع نہ ہونے پائے، اور وہ عنداللہ مقبول بھی ہو، یوں تو نماز کے مقبول اور صحیح ہونے کے لئے بہت سے شرائط و ارکان اور ضوابط ہیں، مگر سب کی حیثیت یکساں نہیں ہے، بعض کی حیثیت اصل کی ہے، بعض کی فرع کی، بعض جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں بعض برگ و بار کی، لیکن نماز میں جس چیز کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے اور جس کے گرد سارے دوسرے ارکان گردش کرتے ہیں، وہ صفت خشوع ہے، اس کو نماز سے وہی نسبت و تعلق ہے، جو روح کو جسم اور غذا کو زندگی سے ہے، اگر نماز اس خشوع سے خالی ہے، تو خدائے قدوس کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں،

ہم کو قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کی روشنی میں اس کی حقیقت و ماہیت، اہمیت وفضیلت اور اس کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا چاہئیں، اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے، کہ اس صفت سے متصف ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا کیا مقامات اور درجات ہیں،

خشوع کے لغوی معنی ہیں بدن جھکانا، آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا، اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا (لسان العرب) یعنی ہر عضو سے عجز وانکسار کا اظہار ہو رہا ہو، قرآن نے خشوع کو ان تمام معنوں میں استعمال کیا ہے،

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا، (حشر-۳)	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اوس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا،
وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا، (طٰہٰ-۱۱)	اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیبت کے) دب جادیں گی، سو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا،
(قمر-۱) خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ	اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی،
اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، (حدید-۲)	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا موقع نہیں آیا، کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے، اس کے سامنے جھک جاویں،

مگر یہ سب تو خشوع کے مظاہر ہیں، خشوع کا اصلی مقام قلب ہے، اعضاء وجوارح سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے، کہ قلب کی اس کیفیت کا اظہار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے، قلب میں خشوع وخضوع

خوف ورجاء، ہیبت وجلال کی جو کیفیت پیدا ہوگی، اعضا سے اسی کا اظہار ہوگا، ایک شخص نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ

لوخشع قلبه خشعت جوارحه	یعنی اگر اس کے دل میں خوف ہوتا، تو اس کے اعضاء سے بھی خشیت ظاہر ہوتی،

بعض علماء نے خشوع کی تعریف میں لکھا ہے،

(الخشوع) هو معنی یقوم بالنفس یظهر عنه سکون فی الاطراف	خشوع ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو دل میں قائم ہو جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ اعضاء سے سکون و طمانیت ظاہر ہوتی ہے،

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

الخشوع قیام القلب بین یدی الرب بالخضوع والذل والجمعیة علیه،	خشوع یہ ہے کہ بارگاہ قدسی میں دل کو عجز و نیاز اور جمعیت و سکون سے حاضر رکھا جائے،

خشوع کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ کسی پر ہیبت جلال شخص کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت آپ کے ذہن و جسم پر جو اثر مترتب ہوگا، یا جو کیفیت طاری ہوگی اسی کو عربی میں خشوع کہتے ہیں، نماز میں بندہ اپنے سب سے بڑے مالک الملک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اس سے زیادہ پر ہیبت و پر جلال ذات کونسی ہو سکتی ہے اس لئے اس کے ذہن و جسم، قلب و دماغ پر اس وقت اس کیفیت کا طاری ہونا یا طاری کرنا ضروری ہے، عبادت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے، کہ جب عبد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی ہر ادا سے عبدیت کا اظہار ہو، جس کا تقاضا عجز و نیاز تواضع و خاکساری ہے،

نماز میں جن لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے، اور جو اس صفت سے متصف ہوتے ہیں، خدا تعالی نے انہی کیلئے دین دنیا کی فلاح اور جنۃ الفردوس کا وعدہ کیا ہے،

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی	یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو
صلاتھم خاشعون	اپنی نماز میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں
اولئک ھم الوارثون الذین	اور ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں
یرثون الفردوس ھم فیھا	جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے،
خالدون، (مومنون - ۱)	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں،

خاشعون خائفون، ساکنون	یعنی خاشعین فی الصلاۃ وہ لوگ ہیں جن کا دل خشیت الٰہی سے لبریز اور جسم پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہو،

حضرت ابو درداؓ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

اعظام المقام واخلاص المقال	جب اس کے سامنے کھڑے ہو جائے تو
والیقین التام وجمع الاھتمام	اس کی عظمت سے دل معمور ہو، جو اس سے
یتبع ذلک ترک الالتفات	کہا جا رہا ہو، اس میں اخلاص ہو، دل یقین کی دولت سے مالا مال ہو، جمعیت خاطر اور اہتمام ہو، پھر اسی کے ضمن میں ترک التفات

ایک دوسری جگہ قرآن نے جہاں مومنین کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، اور ان صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے، ایک صفت خشوع بھی ہے،

والصابرین والصابرات و — صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
الخاشعین والخاشعات …… — عورتیں اور خشوع رکھنے والے مرد اور
اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجراً — خشوع رکھنے والی عورتیں … ان کے لئے اللہ
عظیماً۔ (احزاب - ۶) — تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے،

بعض لوگوں پر یہ کیفیت صرف نماز ہی میں نہیں طاری ہوتی، بلکہ ہر وقت طاری رہتی ہے، جہاں محبوب حقیقی کا ذکر چھڑا، اُن کے دل میں خشیت طاری ہوگئی، جہاں ان کا کلام پڑھا گیا، وہ سُن کر لرزہ براندام ہوگئے،

اللہ تعالیٰ انہی کے بارے میں فرماتا ہے،

اذا یتلی علیھم یخرون للاذقان — اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہی روتے ہوئے
ویبکون ویزیدھم خشوعاً (بنی اسرائیل) — اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے،

سورۂ انبیاء میں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے، کہ

ویدعوننا رغباً ورھباً وکانوا — اور وہ لوگ (انبیاء) امید و بیم کے ساتھ
لنا خاشعین، — ہماری عبادت کرتے ہیں، اور ہمارے سامنے
(انبیاء ۵) — دب کر رہتے ہیں،

صفت خشوع کے پیدا کرنے کے لئے کوشش و مجاہدہ

مگر اس مقام کے حصول کے لئے مسلسل کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے، جب ذہن و چشم قلب و دماغ پر پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ہیبت و جلال کا تصور چھا جائے، اس وقت یہ مقام حاصل ہوتا ہے چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی اس وقت تک اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، جب تک ان میں اس کی پوری صلاحیت پیدا نہیں ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت

الم یان للذین آمنوا ان تخشع	کیا ایمان والون کے لئے اس بات کا
قلوبھم لذکر اللہ وما نزل	موقع نہین آیا، کہ ان کے دل خدا کی
من الحق،	نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس
(حدید ۲)	کے سامنے جھک جائین،

کی تفسیر کے سلسلہ مین فرماتے ہین،

ما کان بین اسلامنا وبین عتابنا	یعنی ہمارے قبول اسلام اور اس آیت
اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ الا	کے ذریعہ خشوع کے نہ پیدا کرنے والون
اربع سنین	کے بارے مین عتاب کے درمیان چار
	سال کا فصل ہوا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین :-

ان اللہ استبطاء قلوب المومنین	پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کو
فعاتبھم علی راس ثلاث عشرۃ	اس کے لئے آہستہ آہستہ تیار کیا، پھر نزول
سنین من نزول القرآن[1]	قرآن کے تیرہ برس بعد وعید فرمائی،

برائیون کے زہر سے بچنے کے لئے نماز سب سے بڑا تریاق ہے، انسان دنیا کے کاروبار مین لگا ہوتا ہے، اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہین ہین اسی حالت مین جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے

---

[1] پہلی روایت مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اسلام اور نزول آیت کے درمیان کا فصل بتایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نزول قرآن اور اس آیت کے نزول کے درمیان کا فصل بتایا ہے۔ اس لئے دونون مین کوئی تعارض نہین ہے،

تو اس کے دل و دماغ اور جسم و اعضا پر ہر قسم کی پابندی عائد ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر نماز کی ادائگی بڑی ہی شاق ہوتی ہے، لیکن جو لوگ کہ اس کیفیت خشوع سے سرشار ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ تمام دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں،

وَاسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ	اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ
وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ	نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلوب
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا	میں خشوع (کی دولت) ہو ان پر کچھ بھی
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ	دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں،
	جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک
	ملنے والے اپنے رب سے اور اسی کی طرف واپس (جانے والے ہیں)

اس آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ خاشعین کی صفت الذین یظنون انھم ملقوا ربھم لائی گئی ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ کے ذہن پر جزاے اعمال اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور پورے طور پر چھایا ہوا ہو، اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو کہ ایک دن اسے مالک یوم الدین کے سامنے حاضر ہونا ہے، جب تک یہ تصور اس کے ذہن پر چھایا ہوا نہ ہوگا، اس پر خشوع کی پوری کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ جب اس کا پورا اذعان ہو کہ ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، ایک دن ان کا محاسبہ ہوگا، اور ہمیں اس کی جزا یا سزا ملے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا، ہمارے ذہن پر عجز و نیاز، خوف و خشیت کی کیفیت طاری، اور ہماری ساری ذہنی و جسمانی توجہ اسی عمل کی طرف مبذول ہو جائے گی، اور ہم کو محسوس ہوگا، کہ ہم اپنے مالک الملک کے سامنے کھڑے ہیں، خشوع کا یہی مقصد اور اس کی یہی روح ہے، کہ بندہ ماسوا سے بالکل کٹ کر پوری عبدیت کے ساتھ خداے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے،

خشوع کے بارے میں ایک نکتہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ خشوع کا مطالبہ تو انسان کے ہر فرد سے ہے، مومن دنیا میں اپنے عجز وانکسار ذلت ومسکنت اور نیازمندی سے (خشوع کے) اسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے، اس لئے قیامت میں وہ اس کی جزا میں عزت ووقار اور انعام الٰہی سے سرفراز ہوگا، لیکن کافر دنیا میں اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتا، اس لئے مومن کی یہ اختیاری ذلت ومسکنت اس کی (کافر کی) طرف منتقل کردی جائے گی، اور اس سے یہ مطالبہ قہر وغضب کے ساتھ پورا کرایا جائے گا، مومن سے دنیا میں اس اختیاری ذلت کا مطالبہ عقبی کی عزت کے لئے کیا گیا تھا، کافر نے چونکہ اس کو پورا نہیں کیا، اس لئے اس سے قیامت میں یہ مطالبہ اس کی روسیاہی ورسوائی کی صورت میں پورا کرایا جائے گا[۱]، چنانچہ قرآن نے اسے بار بار بیان کیا ہے،

خشعًا ابصارھم،	(قیامت کے روز) ان کی (کفار) آنکھیں جھکی ہونگی
خاشعین من الذل ینظرون من طرف خفی،	مارے ذلت کے جھکے ہوں گے، شست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے،
وجوہ یومئذٍ خاشعۃ	بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہوں گے

(باقی)

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی واکبر تک کے حالات،

قیمت:۔ صہ ضخامت:۔ ۵۴۸ صفحے

منیجر

[۱] فتوحات مکیہ

استفسار و جواب

راے پنڈت چندر بھان برہمن

اور

ان کی تصنیفات

جناب پرسرام وتس صاحب مونگا، ضلع فیروز پور، "پنڈت چندر بھان برہمن جو حضرت شاہجہان صاحبقران اور ان کے ولی عہد داراشکوہ کے میر منشی تھے، میرے اجداد میں سے تھے، ان کی تصانیف منشآت برہمن، چہار چمن، نگار نامہ، گلدستہ، تحفۃ الفصحا، مجموعۃ الفقرا، تذکرہ فارسی شعرا وغیرہ نہیں ملتیں، آپ کی وسعت مطالعہ اور معلومات کا ذکر میرے مسلمان دوست اکسٹرا اسسٹنٹ صاحب نے کیا، تو میں نے آپ کو تکلیف دی، تحریر فرمادیں کہ میں کہاں کہاں سے ان کتابوں کو اور ان کی کسی سوانحعمری یا تذکرہ کو دیکھ پا سکتا ہوں، وہ ذرائع تحریر فرمادیں، تاکہ میں ان کی زیارت کرسکوں، احسان مروت اور مہربانی سے میری دعائیں حاصل کیجئے"

معارف:- گرامی نامہ ملا، خوشی ہوئی کہ راے پنڈت چندر بھان برہمن کی یاد کو تازہ کرنے والے ان کے اخلاف موجود ہیں، ان شخصیتوں کے نام اور ان کے کارنامے ہندوستان کے اس درخشاں عہد کو یاد دلاتے ہیں، جب یہاں ہندو اور مسلمان شیر و شکر تھے، اور اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ایک دوسرے سے یگانگی رکھتے تھے، لطف و محبت سے پیش آتے، اور وضعداری کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی

وہ ذاتی جذبات و احساسات کا پاس و احترام رکھتے تھے،

رائے چندر بھان متخلص بہ برہمن، شاہجہانی دور کے مشہور ارباب قلم مین سے تھے، ان کی جن کتابون کے نام آپ نے لکھے ہین، ان مین سے بعض مشہور کتب خانون مین موجود ہین، اور اتفاق سے مصنف نے اپنی بعض کتابون مین اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی قلمبند کردی ہے، اور اس کا نسخہ محفوظ رہ گیا ہے، پھر ان کے شعر و ادب کا ذوق رکھنے کی مناسبت سے تذکرہ کی کتابون مین اُن کے مختصر حالات ملتے ہین، اور درباری تعلق سے ان کا ذکر بعض سیاسی تاریخون مین بھی آیا ہے، چنانچہ عمل صالح محمد صالح کنبوہ المتوفی ۱۰۸۵ھ، مراۃ جہان نما شیخ محمد بقا المتوفی ۱۰۹۲ھ، تذکرہ مراۃ الخیال شیر خان لودی (تصنیف ۱۱۰۲ھ) تذکرہ حسینی میر حسن دوست (تصنیف ۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب احمد علی سندیلوی (تصنیف ۱۲۱۸ھ) تذکرہ خوش نویسان غلام محمد ہفت قلمی المتوفی ۱۲۳۹ھ، اور نشتر عشق حسین قلی خان عشق مین ذکر آیا ہے،

موجودہ زمانہ کی تصنیفات مین سے امرائے ہنود محمد سعید احمد مارہروی طبع ۱۹۱۰ء، ایجوکیشن ان مسلم انڈیا سید محمد جعفر طبع ۱۹۳۶ء "دی ریلیجیس پالیسی آف دی مغل ایمپرر"، سری رام شرما طبع ۱۹۴۰ء ادبیات فارسی مین ہندوؤن کا حصہ ڈاکٹر سید عبد اللہ طبع ۱۹۴۲ء مین بھی تذکرہ آیا ہے، ان مین سے اول و آخر الذکر کتابون مین کسی قدر تفصیل سے ہے،

ان ماخذ خصوصاً ان کی تصنیف چہار چمن (موجود در برٹش میوزیم) سے ان کے مختصر سوانح اور مخطوطات کی فہرستون سے ان کی کتاب کا حال ذیل مین پیش ہے،

وہ پنجاب کے ایک برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد کا نام پنڈت دھرم داس تھا، ان کی ولادت لاہور مین ہوئی، اور یہین نشو و نما پائی، شیر خان لودی نے مراۃ الخیال مین، اور اس کے

۱؎ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷ بحوالہ چہار چمن۔

حوالہ سے بعض تذکرہ نگارون نے ان کا وطن اکبرآباد لکھا ہے[۱] مگر یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے اکبرآباد سے اُن کے گہرے روابط قائم ہوگئے تھے لیکن جیسا کہ انھون نے خود لکھا ہے ان کا مولد و منشا لاہور ہی تھا،

ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور ہی مین حاصل کی، اور اس دور کے مشہور باکمال ملا عبد الحکیم سیالکوٹی[۲] کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا،[۳] فنِ خطاطی مین بھی کمال حاصل کیا، خطِ نستعلیق کی تحصیل آقا عبد الرشید سے کی تھی، اور خطِ شکستہ کفایت خان سے حاصل کیا تھا، تذکرہ خوشنویسان مین خوش نویس کی حیثیت سے بھی ان کا ذکر آیا ہے[۴]،

تعلیم سے فراغت کے بعد امیر عبد الکریم میر عمارات لاہور و اکبرآباد کی ملازمت سے وابستہ ہوئے، ان کے بھائی اودے بھان عاقل خان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے، اس تعلق سے ان کو بھی شاہی ملازمت سے وابستگی ہوئی، اور اس زمانہ کے مشہور امیر ملا عبد الشکور شیرازی معروف بہ خطاب افضل خان کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوگئے، افضل خان ترقی کرکے شاہجہان کے پہلے سالِ جلوس مین "وزیر الکل" کے عہدہ پر سرفراز ہوا تھا، اور پنڈت چندر بھان افضل خان کے کاتب (سکریٹری) کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے[۵] اور قیام لاہور ہی مین رہا،

افضل خان نے ۱۰۴۸ھ مین وفات پائی[۶]، اس کے بعد ہی جب شاہجہان ۱۲ سنہ جلوس شاہجہانی مین لاہور آیا، تو افضل خان کے متعلقین اور وابستگان کو اپنے حضور مین طلب کیا، اس تعلق سے پنڈت چندر بھان کو بھی شاہجہان کی خدمت مین شرفیابی کا موقع ملا، اس نے خطِ شکستہ مین اپنی ذیل کی

۱؎ تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۱۳ ۲؎ برٹش میوزیم کی فہرست مین ملا عبد الکریم چھپا ہے، مگر یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ان کے استاد کو حیثیت سے دوسرے مآخذ مخزن الغرائب وغیرہ مین ملا عبد الحکیم کا نام مذکور ہے ۳؎ تذکرہ خوشنویسان ص ۵۵ ۴؎ عمل صالح (قلمی) ورق ۱۳، ۵؎ نشتر عشق قلمی جلد ۱ ورق ۹ در ادبیات فارسی صفحہ ۱۴ امرائے ہنود صفحہ ۱۴۳ ۶؎ افضل خان کے سوانح کے لئے دیکھئے مآثر الامراء جلد ۱ صفحہ ۱۴۵،

رباعی لکھ کر شاہجہان کی خدمت مین پیش کی :-

شاہے کہ مطیع اوست دو عالم گردد | ہر جا کہ سریست پیش او خم گردد
از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف | خواہد کہ شرف نیست آدم گردد[۱]

مگر رؔیو کا خیال ہے کہ برہمن پہلی مرتبہ ۱۰۵۵ھ؁ مین سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر جب شاہجہان بدخشان کی مہم کی تیاری مین مصروف تھا، دربار شاہجہانی مین حاضر ہوا، اور اس کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا[۲] لیکن دونون روایتون مین کوئی ایسا تضاد نہین، ہوسکتا ہے کہ وہ افضل خان کی وفات کے بعد اس کے عملہ کے ساتھ شاہجہان کے حکم سے دار السلطنت کے عملہ مین شامل کرلیا گیا ہو اور مقرب درباری کی حیثیت سے پہلی مرتبہ سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر اپنی نظم سنائی ہو، اور الطاف شاہانہ سو سرفراز کیا گیا ہو،

بہرحال شاہجہان نے اس کو اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا، اور اس کے خدمات مرکزی حکومت کے صدر دفتر مین منتقل ہوگئے، وہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے "وقائع نویس حضور" کے منصب پر مامور کیا گیا، اب وہ شاہجہان کے دربار مین حاضر رہتا[۳] اور روزانہ کے وقائع قلمبند کیا کرتا، ضرورت کے وقت کبھی وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا چنانچہ وہ ایک موقع پر شاہجہان کی طرف سے بیجاپور کے دربار مین بھیجا گیا،[۴] داراشکوہ کو اس سے غیر معمولی انس پیدا ہوگیا تھا چنانچہ اس نے شاہجہان سے کہہ کر اس کے خدمات مستعار حاصل کرلئے، اور وہ داراشکوہ کا میر منشی مقرر ہوگیا، مگر علامہ سعد اللہ کی وفات کے بعد شاہجہان کو اس کی دوبارہ ضرورت ہوئی تو پھر اس کی خدمات مرکزی حکومت سے

---

[۱] امرائے ہنود ص ۱۵۳ [۲] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۲ ص ۸۳۰، [۳] چہار چمن، در فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷،

[۴] مرآۃ جہان نما ص ۱۳۱ (قلمی) در برٹش میوزیم جلد ۳ ص ۱۰۸۷،

وابستہ ہوگئے، اب شاہجہان نے اس کو راے کے خطاب سے بھی ممتاز کیا[۵۱]، دورِ حاضر کی اصطلاح میں اس کے عہدہ کو "فیسر انچارج آف دی دار الانشاء ، دی سکریٹریٹ" سے موسوم کیا گیا ہے[۵۲]،

وہ شاہجہان کے آخر دور یعنی داراشکوہ کے ساتھ قتل سے پہلے تک اپنے عہدہ میر منشی پر مامور رہا، اور اپنے قدردان داراشکوہ کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ بھی شاہی خدمت سے سبکدوش ہوگیا، اور بنارس مین جاکر عزلت گزینی کی زندگی اختیار کرلی[۵۳]

وفات | بنارس ہی مین اپنی زندگی کے اخیر دن پورے کئے، اور وہین وفات پائی، سال وفات مین اختلاف ہے، مراۃ جہان نما مین ۱۰۶۸ھ مکتوب ہے، مراۃ الخیال مین ۱۰۷۳ھ ہے، اور تذکرہ شمع انجمن مین ۱۰۶۲ھ کہا گیا ہے، اول الذکر روایت کو ریو نے ترجیح دیا ہے[۵۴] لیکن یہ قرین قیاس معلوم نہین ہوتا، ۱۰۶۸ھ مین اورنگزیب اور داراشکوہ کی لڑائی ہوئی، اور داراشکوہ کا آفتاب اقبال غروب ہوا ہے، چندر بھان نے داراشکوہ کے قتل ہونے یا یون کہئے کہ عالمگیر کے تسلط حاصل کرنے کے بعد مرکزی حکومت سے اپنا رشتہ منقطع کیا ہے، اس لئے وہ گویا ۱۰۶۸ھ کے آخر مین بنارس آیا، چند سال پہلے عزلت گزینی کی زندگی گذارنے کا ذکر آتا ہے، اس لئے عجب نہین کہ تذکرہ مراۃ الخیال کی روایت صحیح ہو، کہ اس نے ۱۰۷۳ھ مین بنارس مین وفات پائی، اور وہین آخری مراسم ادا ہوئے،

یادگارین | اولاد مین اپنے ایک لڑکے تیج بھان کا ذکر انشاے برہمن مین کیا ہے، (ورق ۹۶) آگرہ مین اس کی چند یادگار عمارتین بھی تھین، ایک خوشنما باغ تعمیر کرایا تھا، جو باغ چندر بھان کے نام سے موسوم ہوا، ایک بڑا تالاب کھدوایا تھا، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ مین وہ باغ کسی انگریز کے قبضہ مین

---

[۵۱] مرآۃ ہندو ص ۱۰۳ [۵۲] دی ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز ص ۱۰۱ [۵۳] مراۃ الخیال ص ۲۱۵،
[۵۴] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۱۰۸۷، مراۃ الخیال صفحہ ۲۱۵، تذکرہ خوشنویسان بر حاشیہ صفحہ ۵۵،

چلا گیا تھا، یہ سکندرہ کی سڑک پر آگرہ اور سکندرہ کے درمیان واقع ہے، اس کا دروازہ سنگِ سرخ کا تھا، یہ باغ پھر لالہ سورج بھان کی اولاد کے قبضہ مین چلا گیا تھا،

آگرہ مین پنڈت چندر بھان کی بعض دوسری عمارتون کے موجود ہونے کا ذکر منشی سیل چند کی تفریح العمارات مین آیا ہے، مگر اب وہ سب ناپید ہو چکی ہین[۵۱]،

سیرت و کردار | چندر بھان طبعاً مذہبی آدمی تھا، مذہبی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا، مذہبی عقائد پر اس نے بابا لعل داس اور دارا شکوہ کے ایک مکالمہ کا ترجمہ فارسی مین کیا تھا، اور جیسا کہ گذرا، آخر زندگی تیرتھ گاہ بنارس مین گذار دی، اس کو اپنے ہندو ہونے پر فخر تھا، زنار دار کے لقب کو اپنے لئے پسند کرتا تھا، اپنی زنار داری سے اپنا لگاؤ یون ظاہر کیا ہے،

مرا برشتۂ زنار الفتے خاص است　　بہ یادگار من از برہمن ہمین دارم

طبیعت مین سوز و گداز تھا، حاجتمندون سے ہمدردی کرتا، اور اُن کی ضرورتین پوری کرنے کے لئے سفارشین کرتا تھا، اس کے مکاتیب مین اس کی شہادتین جا بجا موجود ہین، طبیعت مین مذہبی رواداری بھی تھی، یہان تک کہ محمد صالح کنبوہ صاحبِ عمل صالح لکھتا ہے :-

"ہر چند بصورت ہندو است لیکن دم در اسلام می زند،

اس کے ساتھ اپنے مذہبی عقائد اور ہندوانہ مراسم و روایات کی دل سے قدر کرتا تھا، اس کی جھلک اس کے مکاتیب مین جا بجا موجود ہے، مثلاً اس کا ایک طریقۂ ادا ہے :-

"برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبین و زنار عقیدت در گلو دارد"[۵۲]

اس طرح وہ ایک خوش خصال نیک دل، روادار اور اپنے عقیدے کا ایک مخلص برہمن تھا

---

۵۱ امرائے ہنود ص ۲۰۱، و ادبیات فارسی ص ۴، ۵۲ ادبیات فارسی ص ۴، بحوالہ عمل صالح، نسخہ عشق، تفریح العمارات، منشآت برہمن،

ادب، انشا، اور شاعری | محمد صالح کنبوہ نے اس کو شاہجہانی عہد کے ممتاز شعراء اور نثر نگاروں میں شمار کیا ہے[51] وہ اپنی نظم و نثر میں سادہ نگاری کو پسند کرتا تھا، صاحب دیوان تھا، تذکرہ حسینی میں ہے:

"دیوانے و انشائے بسیار سادہ یادگار گذاشتہ"[52]

کلمات الشعراء کے مصنف کا بیان ہے:-

"بطرز قدیم شستہ و صاف در ہندوان غنیمت بود"

محمد صالح اور بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہو کہ اس نے انشا میں ابو الفضل کا تتبع کیا ہے، مگر یہ پورے طور پر صحیح نہیں ہے، ابو الفضل کے طرز انشاء کی کچھ نہ کچھ جھلک اس کی تحریر میں ضرور پائی جاتی ہو مگر اس میں ابو الفضل کی دقت پسندی نہ تھی، اس کا طرز انشاء قدیم اسلوب میں صاف و شستہ تھا بلکہ عمومی حیثیت سے اس کی سادہ نگاری کا ایسا شہرہ تھا، کہ شیر خان لودی نے داراشکوہ کے اس سے دلچسپی رکھنے پر اس نے بھی تعجب کیا ہے کہ داراشکوہ اور برہمن کے طرز انشاء میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ لکھتا ہے:-

"نسخہ چار چمن بر مطلب نویسی و سادگی عبارات وے گواہی می دہد، و قماش نظمش نیز پوشیدہ است عجب کہ شاہزادہ باآن ہمہ مستعدان کہ در عرصہ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحہ خاطر ارباب دانش چون شفقہائے موسم بہار ہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود"[53]

افسوس ہو کہ شیر خان لودی نے اپنے تذکرہ مرآۃ الخیال میں چندر بھان کا تذکرہ خوشگوار لب و لہجہ میں نہیں کیا ہے اس نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، اور اس کے حوالہ سے دوسرے تذکرہ نگاروں

---

[51] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۵ بحوالہ عمل صالح (قلمی) ورق ۱۰۰۰۔ [52] تذکرہ حسینی صفحہ ۳۰
[53] تذکرہ مرآۃ الخیال ص ۲۱۳، ۲۱۴۔

نے بھی اس کو لکھا ہے کہ ایک مرتبہ داراشکوہ نے شاہجہان کے سامنے اس کے ذوق شعری کی تعریف کی، شاہجہان کی فرمایش پر اس نے اپنا ایک شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان یہ شعر سن کر چین بجبین ہوا، اہل دربار سے مخاطب ہوا کہ کوئی اس کو برجستہ جواب دے، افضل خان نے بڑھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو استاد کے ایک شعر سے اس کا جواب دوں بادشاہ نے اشارہ کیا، تو افضل خان نے شیخ سعدی کا مشہور شعر پڑھا،

خرِ عیسیٰ گرش بمکہ برند
چون بیاید ہنوز خر باشد[۵۱]

بادشاہ یہ سن کر شگفتہ ہو گیا، اور چندر بھان غسل خانہ کے دروازہ سے نکل کر چلا گیا، شاہجہان نے داراشکوہ کو فہمایش کی کہ آیندہ ایسے اشعار اس مجلس میں نہ پیش کئے جائیں[۵۲]

یہ ایک درباری لطیفہ ہو سکتا ہے، لیکن شیر خان نے اس واقعہ کو جس انداز میں قلمبند کیا ہے اور اس پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اس کو موزون نہیں کہا جا سکتا،

---

[۵۱] مراۃ الخیال میں اس کی قرات یوں ہی ہے، مخزن الغرائب میں ان الفاظ میں ہے، جیسے یہ مشہور ہے،

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود
چون بیاید ہنوز خر باشد

[۵۲] بعض اہل قلم نے اس واقعہ میں افضل خان کے شریک ہونے سے اس پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن افضل خان سے مراد وزیر الکل ملا عبدالشکور نہیں ہو سکتے کہ ان کا انتقال ۱۰۴۸ھ میں ہو چکا تھا، (مآثر الامراء جلد ۱ ص ۱۵۰) اور جیسا کہ اوپر گذرا چندر بھان کا تعلق دربار شاہجہانی سے افضل خان کی وفات کے بعد ہوا تھا، اس لئے یہان افضل خان سے مراد وہ شاہجہانی امیر ہے، جو شاہجہان کا معتمد خاص تھا، اورنگ زیب اور شاہجہان کے آخری اختلاف کے موقع پر نامہ و پیام میں خلیل اللہ خان کے ساتھ شاہجہان کی طرف سے اورنگزیب کے پاس گیا تھا، اور آخر وقت تک شاہجہان کا معتمد رہا تھا، (عمل صالح وغیرہ)

شیر خان لودی کا باپ شاہزادہ شجاع کے صاحب نیابت دانش مند تھا، شجاع و دارا شکوہ کا اختلاف معلوم ہے،
شاید شیر خان کی اس غیر جانبداری کا سبب کوئی ایسی سیاسی مصلحت رہی ہو جو مصنف کو ورثہ میں ملی ہو، بہرحال
شیر خان نے یہ خاص طور پر تصریح کی ہے کہ دارا شکوہ چندر بھان سے غیر معمولی التفات رکھتا تھا، اور وہ
اس کی نظم و نثر کا قدر دان تھا، اوس نے اس کے دیوان سے ایک غزل اپنے تذکرہ مین نقل کی ہے اور
لکھا ہے کہ "راقم الحروف این غزل را در تمام دیوانش انتخاب زدہ"[۱]

کنم ز سادہ دلی بند دیدہ مژگان را … بمشت حسن نتوان بست راہ طوفان را

جگر فشان شدہ ام باز جاے آن دارد … کہ لالہ زار کنم دامن و گریبان را

ہمیشہ زلف ترا اضطراب کار ماست … چگونہ جمع کند خاطر پریشان را

شبے خیال تو آمد بخواب و آسودیم … دگر ز ہم نہ کشادیم چشم گریان را

برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را[۱]

احمد علی سندیلوی نے بھی اپنی مخزن الغرائب مین اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کیا ہے لیکن
وہ تمام تر مراۃ الخیال سے ماخوذ ہے، کوئی نئی بات نہین، البتہ ایک شعر کی نسبت جو برہمن کی طرف کی جاتی ہے
اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے، کہ

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ … کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد[۲]

سندیلوی کا یہ شبہہ ممکن ہے کہ اس عام روایت کی وجہ سے ہو جو بے سند مشہور ہو گئی ہے کہ کسی پجاری برہمن
نے عالمگیر کے سامنے جب اس نے بنارس مین مندر کے توڑنے کا حکم دیا، تو اسی موقع پر اوس نے برجستہ موزون
کر کے عالمگیر کو سنایا، اور وہ شرمندہ ہوا، یہ فسانہ افسانہ ہی فسانہ ہے، اگر اسی سبب سے سندیلوی نے چندر بھان

---

[۱] مراۃ الخیال ص ۲۱۳ تا ۲۱۵ [۲] مخزن الغرائب ورق ۹۰

سے اس نے اس شعر کو چھین لینا چاہا، تو یہ صحیح نہیں، حقیقت یہ ہے کہ

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار ... بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کہنے والا ہی

بہ بین کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ ... کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

کہہ سکتا ہے شاعرانہ شوخ چشمیون سے بڑے بڑے باکمال زاہد شعراء کے دامن محفوظ نہین، تو اگر کفر آشنا دل" رکھنے پر فخر کرنے والے بیچارے برہمن کی زبان سے یہ شعر موزون ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے،

تصنیفات چندر بھان برہمن کی حسب ذیل کتابین مختلف کتب خانون مین موجود ہین :-

۱- چہار چمن، کا نسخہ برٹش میوزیم مین ہے کتاب کا نمبر ۱۶۸۶۳ ہے، یہ ۸۳ صفحات پر مشتمل ہے، ہر سطر مین ۱۰ سطرین ہین، خط نستعلیق اور تاریخ کتابت یکم رجب ۱۱۲۳ھ ہے، یہ کتاب ۳۰۴ صفحون کے ایک مجموعہ مین ہے، جو چہار چمن، رقعات شیخ ابوالفضل، انوار سہیلی اور کوئی ایک اور مجموعہ مکاتیب پر مشتمل ہے،

چہار چمن چار بابون مین جن کو چمن سے موسوم کیا گیا ہے تقسیم ہے، چمن اول مین شاہی دربار کے مختلف جشنون کا مرقع کھینچا گیا ہے، اور ان یادگار موقعون پر مصنف نے جو نظمین پڑھی تھین، ان کو درج کیا ہے، دوسرے چمن مین جو اس نسخہ مین ۱۰ وین صفحہ سے شروع ہوتا ہے، دربار کی شان و شوکت اور شاہجہان کے معمولات یومیہ اس کے نئے دار السلطنت شاہجہان آباد اور مملکت کے اہم صوبون اور شہرون کا حال بیان کیا گیا ہے، تیسرے چمن مین جو ۵۵ وین صفحہ سے شروع ہوتا ہے، مصنف کے سوانح حیات اور اس کے چند مکاتیب درج ہین، اور چوتھے چمن مین جو ۱۰ وین صفحہ سے ہے، چند اخلاقی اور مذہبی تخیلات پیش کئے گئے ہین، یہ آخری باب ۸۳ صفحہ پر ختم ہوجاتا ہے،

کتاب کا زمانۂ تصنیف ۱۰۵۷ھ کے بعد تقریبا اسی کے لگ بھگ ہے، صفحہ ۵۰ پر ایک واقعہ کا تذکرہ جو اس سنہ مین پیش آیا تھا، ایک تازہ واقعہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے،

اس نسخہ کا آغاز چمن اول مشتمل بر سیرابی و شادابی ہمیشہ بہار کے فقرہ سے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کتاب کے مقدمہ کے ابتدائی فقرے موجود نہیں ہیں، برٹش میوزیم میں اس کا دوسرا نسخہ بھی ہے، اس کا نمبر ۱۸۹۲ ایڈیشنل ہے، یہ ۱۲۱ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، یہ نسخہ دسمبر ۱۸۴۹ء کا لکھا ہوا ہے، مرتب فہرست نے اس کو شاہجہانی عہد کی تاریخ کے ذخیرہ میں درج کیا ہے، اس میں چمن اول ورق ۳۵، دوم ۴۰، سوم ۸۰ اور چہارم ۱۰۹ سے شروع ہوتا ہے، اس نسخہ کی ابتدا میں ۲۰-۲۰ اوراق کا ایک مقدمہ بھی ہے، یہ مقدمہ ذیل کے فقرے سے شروع ہوتا ہے،

"الحمد للہ ......اگرچہ در عہد سعادت آئین و زمان میمنت قرین الخ"

مصنف نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس تصنیف کو بادشاہ کی خدمت میں اس کے نام سے معنون کرکے پیش کیا تھا، یہ مکتوب اس کی دوسری تصنیف انشاے برہمن میں جس کا ذکر آگے آتا ہے، موجود ہے، اور چہار چمن کے اس نسخہ میں پہلے نسخہ کے برخلاف سرنامہ کے طور پر نقل کر لیا گیا ہے، اس کا اندازہ اس کے ابتدائی فقرے سے ہوتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ برٹش میوزیم کے فہرست نگار ریو کو اس کا اندازہ نہ ہو سکا، اور اس نے لکھا،

"اس کا ورق ۲ و ۳، ایک جداگانہ دستی تحریر پر مشتمل ہے، جس میں اسی تصنیف کی ایک دوسری تمہید ہے، جو مرزا فخرالدین دہلوی کے نسخہ سے اس میں نقل کی گئی ہے، اس تمہید کی ابتداء اس فقرہ سے ہوتی ہے،"

"چون اداے شکر نعمت[1] حضرت صمدیت الخ"

مصنف کی دوسری تصنیف انشاے برہمن میں جس میں اس کے مکاتیب جمع کئے گئے ہیں، برہمن کا پہلا مکتوب یہی ہے، اور اسی فقرے سے شروع ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے معنون

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۹۳۵. انشاے برہمن میں "نعمت" کے بجائے "نعما" آیا ہے،

کرنے کے لئے جو مکتوب شاہجہان کو لکھا تھا، اور اس کو انشائے برہمن میں داخل کیا تھا، کسی صاحبِ ذوق نے اس مکتوب کو اس تصنیف چہار چمن کا سرنامہ بنا دیا، اور اس نسخہ سے چہار چمن کے اس نسخہ میں نقل کیا گیا ہے،

بہرحال چہار چمن کا زیادہ مکمل نسخہ جس میں سرنامہ اور مقدمہ دونوں موجود ہیں، برٹش میوزیم کا یہی دوسرا نسخہ ہے۔

مؤلف امرائے ہنود نے چندر بھان برہمن کی تحریر کے نمونہ کے طور پر چند صفحے نقل کئے ہیں، عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چہار چمن ہی کے اقتباسات ہیں، ان میں جا بجا برہمن کی غزل، رباعی اور بعض قطعات بھی ہیں جن کو اس نے شاہجہان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا، ایک غزل کا مطلع ہے،

روئیت بتافتاب دہد آب و تاب را　　　اے از تو صد شرف شرفِ آفتاب را

مقطع میں ہے :۔

شاہ بلند اختر گردون جناب را　　　ہان برہمن مدام دعا کن ز روے صدق

ایک جگہ لکھتا ہے :۔

" و چون این برہمن عقیدت کیش کہ درمنشیان این درگاہ آسمان جاہ منسلک است در روزہائے عظیم نشل نوروز جہان افروز می گزرانید، در جشن مبارک آئین نیز رباعی خواندہ بہ عنایت خلعت سرفرازی یافت رباعی

در جشن مبارک شہنشاہ جہان　　　شاہنشہِ آفاق خدیو گیہان

دریا شدہ از آبِ گہر روے زمین　　　ہر خانہ شد از لعل بدخشاں کان[1] "

۲۔ انشائے برہمن کا تذکرہ اوپر گذرا، مصنف نے شاہجہان اور دوسرے امرائے دولت کو

---

[1] امرائے ہنود ص ۱۸۰

مختلف حضرات سے مختلف موقعون پر جو خطوط لکھے تھے، ان کو اس مین جمع کیا گیا ہے، خطوط کی ترتیب مکتوب الیہ کی ذاتی وجاہت و مرتبت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے قائم کی گئی ہے، جیساکہ اوپر گذرا، پہلا خط شاہجہان کے نام سے ہے، جس کے ذریعہ اُس نے اپنی تصنیف چہار چمن کو اس کی خدمت مین پیش کیا ہے، اور وہ "چون ادائے شکر نعمائے حضرت صمدیت" سے شروع ہوتا ہے، اس کا نسخہ بھی برٹش میوزیم مین محفوظ ہے، کتاب کا نمبر ۲۶۱۴۲ ہے، یہ مجموعہ ۵۰ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ مین ۱۹ سطرین ہین، خط نستعلیق ہے کتابت کی تاریخ ۲۵ ربیع ۱۱۶۶ھ ہے، اس مجموعہ کا نہ کوئی مقدمہ ہے اور نہ اس کو کسی نام سے موسوم کیا گیا ہے،[51] مرتب فہرست نے "انشائے برہمن" سے موسوم کیا ہے، اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی مین بھی ہے، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے اس کو منشآت برہمن سے موسوم کیا ہے[52]

۲- سوال وجواب لعل داس و داراشکوہ کا نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ مین ہے، کتاب کا نمبر ۱۴۵۴ ہے، ہندو فقراء کے مذہبی عقائد پر بابا لعل داس اور شاہزادہ داراشکوہ مین ایک مکالمہ ہوا تھا، جس کو سوال وجواب کی صورت مین قلمبند کیا گیا تھا، یہ رسالہ ہندی زبان مین تھا، پنڈت چندر بھان نے اس کو فارسی زبان مین منتقل کیا ہے، اس کا آغاز اس فقرہ سے ہے،

"گوشت (؟) سرسری بابا لعل داس و شاہزادہ داراشکوہ کہ درمیان ہر دو عزیزان مذکور شدہ"

پہلا سوال یون شروع ہوتا ہے،

"درنادر پند چگونہ فرق توان کرد الخ"

بانکی پور کا نسخہ ۲۴ صفر سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہی کا مکتوب ہے، خط شکست ہے[53] نیز یہ رسالہ

---

[51] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹ و ص ۳۹۰ [52] ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی مین ہندوؤن کا حصہ" (ص ۴۰) مین اس رسالہ پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، تفصیلات کے لئے اس کی طرف رجوع کرین، [53] فہرست مخطوطات بانکی پور، ج ۱۶ ص ۱۳۲،

چرنجی لال کی ترتیب و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۵۵ء مین دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کا ایک ملخص بھی کسی نے تیار کیا تھا، جو ایک مجموعہ مین برٹش میوزیم مین موجود ہے، اس کا نمبر ۱۶۹۹۰ ہے، اس کے سرنامہ مین ہے :-

"انتخاب جواب و سوال بابالال داس و بادشاہ زادہ حق پژوہ دارا شکوہ"،

اور رسالہ کا آغاز اس طرح ہے،

"اوّل آن کہ از ورود کلمہ مغلطہ آدم در بہشت میرود"

اس انتخاب کا ایک نسخہ کنگ کالج لائبریری مین بھی موجود ہے، پروفیسر ایٹمر نے اپنی فہرست مین اس کا تذکرہ کیا ہے[1]،

۳۔ تحفۃ الانوار کا کچھ حصہ برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ انتخابات مین پایا جاتا ہے، اس مین چند اخلاقی کہانیان ہین، کتاب ۱۴ بابون مین تقسیم ہے، لیکن تحفۃ الانوار کے مصنف کا نام مذکور نہین، غالباً اس مجموعہ مین برہمن ہی کی کتاب کے اقتباسات لئے گئے ہین، اس مجموعہ کا نمبر ۱۶۸۴۲ ہے، اس مین ۲۰۶ ورق تک تحفۃ الانوار کا حصہ ہے، یہ مجموعہ تقریباً ۱۸۵۰ء کا خط نستعلیق مین لکھا ہوا ہے[2]،

افسوس ہے کہ پنڈت چندر بھان برہمن کی باقی دوسری کتابون، گلدستہ، نگارخانہ، تحفۃ الفصحاء، مجموعۃ الفقرا اور دیوان برہمن کے متعلق زیادہ چھان بین کرنے کا موقع نہ مل سکا، براہ کرم کسی اور موقع پر یاد دہانی فرمائین، تو کسی فرصت کے وقت مین مزید جستجو کی جائے گی، عجب نہین کہ ان کی بعض اور کتابین ہندوستان ہی کے کتب خانون مین سے کسی جگہ مل جائین، اور آپ اپنے مورث اعلیٰ کی مزید ادبی خدمات کو دیکھ کر اپنی آنکھون کو ٹھنڈک پہنچا سکین،

"س"

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۱۰۸۱ [2] ج ۳ ص ۱۰۱۴

ادبیات

احوال ومقامات

از جناب انور کرمانی

جو مردِ قلندر ہے فاق ہے وہی آخر ۔۔۔ اسرار ور موز ازل تفصیل خودی آخر

سرمایہ حکیمی کا آشوبِ ظن و تخمین! ۔۔۔ تقدیر فراست ہو، آشفتہ سری آخر

بے ذوقِ تمنا ہے افکار کی رنگینی ۔۔۔ پُر سوز تھے دل جس سے وہ آگ بجھی آخر

اللہ رے ساقی نے خود تھام لیا مجھکو ۔۔۔ یہ لغزشِ مستانہ کام آہی گئی آخر

نیرنگ تحیر ہے دنیاے محبت بھی! ۔۔۔ اک تشنہ لبی اوّل اک تشنہ لبی آخر

اقوام و ملل جس سے ہوتی ہیں فلک پیما ۔۔۔ وہ رمز غلاموں پہ بھی فاش ہوئی آخر

بیدار اگر دل ہو شاہی ہو فقیری بھی ۔۔۔ بن جاتی ہے بال و پر بے بال و پری آخر

اظہارِ تمنا کے انداز کوئی دیکھے! ۔۔۔ بلبل کی نوا بھی ہے پھولوں کی ہنسی آخر

ہوجائیں گے خود پیدا انداز براہیمی ۔۔۔ بتخانۂ آذر ہے، تہذیبِ نوی آخر

حشر جذبات

جناب ثاقب کانپوری

جذباتِ حسن وعشق کا طوفان لئے ہوئے ۔۔۔ بیخود ہیں اہلِ ہوش یہ سامان لئے ہوئے

روتا ہوں آج عشق کی ناکامیوں پہ میں
منہ پر ردائے گرد بیابان لیے ہوئے

آنکھوں کو کیا ضرورتِ نظارۂ چمن
ہر نقش جب ہے حسن گلستان لئے ہوئے

محفوظ ہو گیا ہے نظر میں جمالِ دوست
ہر بزم میں ہوں دیدۂ حیران لئے ہوئے

اس سے زیادہ اور کرے دل کیا نگاہ و ناز
خاموش ہوں میں لذتِ پیکان لئے ہوئے

بربادیٔ حیات ہی راس آ گئی مجھے
اب حسن خود ہے دید کا ارمان لئے ہوئے

یا خود مجھی کو اب نہیں احساسِ سوزِ دل
یا انتہائے درد ہے درمان لئے ہوئے

تیری تسلیوں سے نہ بڑھ جائے اضطراب
ہوں اشکہائے غم تہِ مژگان لئے ہوئے

کچھ تو بتا دے راز مجھے اے ہوائے شوق
کیوں پھر رہی ہے خاک پریشان لئے ہوئے

ممکن نہیں ہے دہر میں آزادیٔ حیات
ہر زندگی ہے کاہشِ زندان لئے ہوئے

ثاقب مری نظر میں ہے اُن کی ادائے حسن
بیٹھے رہیں وہ جلوۂ پنہان لئے ہوئے

عرفانِ حیات

از جناب عرشی شاہ آبادی

دردِ بغیر زندگی اصل میں زندگی نہیں
رنج نہ ہو تو پھر خوشی تکملۂ خوشی نہیں

کشتۂ جورِ آسمان عرصۂ کائنات میں
عیش ہی عیش ہو مدام یہ کوئی زندگی نہیں

بادۂ شوق ہے بہت ہو تو کوئی حریفِ شوق
میکدۂ حجاز میں آج بھی کچھ کمی نہیں

وہ ہیں اگر اسی میں خوش صدمۂ غم اٹھائے جا
اُن کی خوشی خوشی سمجھ اپنی خوشی خوشی نہیں

ضبط ہی ضبط ہو تمام عشق سے لیکے حسن تک
آہ بہ لب کبھی ہو غم، وہ غمِ عاشقی نہیں

ہے غمِ ہجر جاودان آپ کا یہ خیال ہے
خوشیِ زار کوئی شے دہر کی دائمی نہیں

وفیات

کرنول علاقہ مدراس کے ایک عالمِ دین کی وفات

احاطۂ مدراس کا وہ خطہ جس کو اب آندھرا کہنے لگے ہیں، اور جو مدراس اور حیدرآباد دکن کے بیچ میں واقع ہے وہ بھی کبھی اسلام کی قوت کا مرکز تھا، اس میں کرنول نامی مشہور مقام ہے، جہاں پہلے ایک نوابی قائم تھی، وہ مٹ چکی ہے، اور اس کا یادگار خاندان حیدرآباد دکن منتقل ہوگیا ہے، وہاں کی اسلامی طاقت کے زوال سے وہاں کے مسلمانوں کی علمی و دینی کیفیت بھی زوال کے قریب پہنچ چکی تھی، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندہ کو مامور فرمایا، ان کا نام مولانا حاجی محمد عمر صاحب تھا، اُن کے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں ان کو بڑی عزت حاصل تھی، حکومت نے شمس العلماء کے لقب سے ملقب کیا تھا، اور عام مسلمانوں نے بھی ان کی دینی قیادت اور رہبری کو قبول کیا، موصوف نے اسی برس کی عمر پائی، اور یہ پوری عمر علوم دینی کی تعلیم و تدریس میں بسر کرکے گذشتہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو وفات پائی، ان کی وفات سے اس علاقہ میں علوم قدیمہ کا خاتمہ ہوگیا، مرحوم مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور جس جلسہ میں ندوہ کی ابتدائی تحریک کی گئی تھی، اسی میں ان کی دستار بندی ہوئی تھی، ۱۳۱۱ھ میں کانپور سے فارغ ہوکر واپسی کے بعد کرنول میں قیام کیا، اور آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، وہاں ایک چھوٹے سے مدرسہ کا انتظام جسکی ماہوار آمدنی پندرہ بیس روپیہ سے زیادہ نہ تھی، اپنے ہاتھ میں لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت

دی، مرحوم کے مساعی کی بدولت آج اس کے املاک و عمارات تقریباً تین لاکھ کے مساوی ہیں، آندھرا، اور مدراس علاقہ کے اردو فارسی، و عربی اساتذہ میں تقریباً تین ربع بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے فیض تلمذ رکھتے ہیں، کانپور میں حضرت مولانا تھانوی سے مثنوی پڑھی تھی اور ان کے سلسلۂ ارادت میں شامل تھے، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی فیض پایا اور مسلسلیت وغیرہ کی اجازت لی تھی، افسوس ہے کہ وہ گنجینۂ علم مفقود ہو گیا، رنج اس بات کا ہے کہ یہ جگہ کچھ ایسی خالی ہوئی ہے کہ اب اس کے پر ہونے کے آثار نہیں، اسلاف کی زندگی کا نمونہ تھے، باوجود ہر طرح کے آرام کے ہمیشہ خود اختیاری فقر کی زندگی پسند کی اور دنیاوی املاک میں سے نہ زمین چھوڑی نہ مکان اور نہ نقد ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ دنیا سے ایسے روانہ ہوں کہ ترکہ کا حساب نہ دینا پڑے، وہی بعینہٖ پیش آیا، رحمہ اللہ،

ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد سے واقف تھے، اور اصلاح نصاب کے مسئلہ سے متفق تھے، اسی لئے انھوں نے اپنے مدرسہ میں بہت سی اصلاحات جاری کیں، اور مدرسہ کو پرانے علوم کے ساتھ نئے طرز و طریق سے آشنا کیا، مرحوم نے اپنا لائق جانشین چھوڑا، افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس کو مرحوم نے پہلے عربی علوم پڑھا کر عالم بنایا، پھر افضل العلماء کا عربی امتحان مدراس یونیورسٹی سے دلاکر انگریزی پڑھائی اور انکو ایم اے کرایا، فراغت کے بعد وہ محمڈن کالج مدراس میں پہلے استاد مقرر ہوئے پھر چند سال ہوئے کہ لندن جاکر علم تفسیر پر ریسرچ کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی، اور اب وہ محمڈن کالج مدراس کے پرنسپل ہیں، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنے باپ سے علم و عمل دونوں کی برکت حاصل کی ہے،

مرحوم سے مجھ سے مدراس کے سفر میں کئی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بڑے نیک و صالح اور متقی بزرگ تھے، وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، سادہ بیان تھا تکلف و تصنع سے تمامتر بری تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمائے، اور جس مدرسہ کو انھوں نے اپنی روحانی یادگار چھوڑا ہے، وہ اُن کی جسمانی یادگار کے زیر سایہ قائم و باقی رہے،

"س"

باب التقریظ والانتقاد

طوفانِ محبت

مصنفہ نواب ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی، ملنے کا پتہ "کتابخانہ" عابد روڈ

حیدر آباد دکن، قیمت عے، ومعہ مجلد،

اردو شاعری آج کل جس دور سے گذر رہی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امید نہ تھی کہ اب اصناف شاعری میں سے کوئی پرانی قسم کی مثنوی لکھ کر پیش کریگا، اب ناولوں رومانوں، چھوٹی کہانیوں کے عہد میں کس کو ہمت ہوگی کہ وہ نظم کے ان دو مصرعوں میں حسن وعشق کا کوئی افسانہ چھیڑے گا یہی سبب ہے کہ آج اس زمانہ میں جب کہ غزل کہنے والے ہزاروں لاکھوں ہیں حسن وعشق کی مثنوی کہنے والا ایک بھی نہیں، اس ماحول میں جناب ہوش بلگرامی کی مثنوی "طوفان محبت" کو دیکھ کر جو ابھی ابھی حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے بڑا تعجب ہوا،

بلگرام کی سرزمین کو شعر وسخن، اور علم وادب کے ساتھ جو فطری مناسبت ہے، وہ ظاہر ہے اس فطری مناسبت اور ذاتی صلاحیت کے علاوہ جناب ہوش کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کے سایۂ عاطفت میں جگہ پائی، نواب صاحب مرحوم نہایت مشکل پسند نقاد فن تھے، جس کا اندازہ ان کے انتخابات دیوان میر سے ہوگا،

ہوش صاحب نے اپنی اس مثنوی کی طرح اپنے عہد ادب کے آغاز ہی میں ڈالی تھی، اس کے بعد

زمانہ کے انقلابات نے اون کو کہاں کہاں پہنچایا، مگر وہ حسن وعشق کے اس صحیفہ کو جہاں گئے، اپنے سینہ سے لگائے رہے، یہاں تک کہ غالباً ربع صدی کے بعد اب وہ صحیفہ چھپ کر منظر عام پر آیا ہے،

مثنوی، ۹۲ صفحوں میں تمام ہوئی ہے، شروع میں مصنف کا منثور دیباچہ ہے، جس میں صنف مثنوی کی خصوصیات، اور اپنی اس مثنوی کے مقاصد بیان کئے ہیں، اس کے بعد جناب نیاز صاحب فتحپوری کا مقدمہ ہے جس میں مثنوی اور صاحب مثنوی کا تعارف ہے، اس کے بعد مثنوی کا آغاز ہوتا ہے،

مثنوی کا آغاز بدستور حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے، جس کا عنوان "اعتراف عبدیت" ہے، جس کا طرز تعبیر حکیمانہ ہے، اس کے بعد عشق کے بجائے جو اکثر موہوم حقیقت ثابت ہوئی ہے، مصنف نے "محبت و مودت" کے مناقب بیان کئے ہیں، اور اس کے بعد "لذت درد" کے عنوان سے بارگاہ الٰہی سے محبت و مودت کی دولت مانگی گئی ہے صفحہ۔ اسے قصہ کا آغاز ہوتا ہے، غدر سے کچھ پہلے کی دلی کا قصہ ہے، ایک خاندان کے افراد بچھڑتے ہیں، اور پھر بخت و اتفاق سے حسن وعشق کی راہ سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، قصہ نہایت مختصر پلاٹ بالکل سادہ ہے، باتیں تمامتر فطری ہیں، نہ سحر و جادو ہے، نہ طلسمات ہے، نہ کہیں مبالغہ کا طوفان نہ غلو کا بیان ہے، نہ دور از کار تشبیہیں ہیں، نہ لفظوں کا ضلع جگت ہے، اور نہ کہیں بے شرمی اور بے حجابی کے مضامین ہیں، حالانکہ یہی وہ عنوانات ہیں جو ہماری پرانی مثنویوں کے اصلی عناصر ہیں، لیکن جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس کی ہر چیز معیاری ہے، مصرعے حشو و زوائد سے پاک، قافیے آورد سے خالی، بولی صاف زبان نکھری، معنی تعقید اور اغلاق سے بری اور خیالات کے لحاظ سے تمامتر حکمت و موعظت اور اخلاق حکیمانہ کی مثال حسن وعشق کے بیان میں بھی کہیں متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور کوئی ایسا سماں نہیں دکھایا گیا، جہاں چشم ادب کو شرم سے نگاہ نیچی کرنی پڑے، جگہ جگہ دین و اخلاق کے ایسے موتی اس میں بکھیرے ہیں، جو مصنف کے ذخیرۂ ادب کی لازوال دولت ہیں، اور مثنوی کا آخری حصہ تو سراسر تبلیغی ہے،

مصنف کے کلام کی روانی قافیوں کی برجستگی، فارسی ترکیبوں کی دلآویزی، اور مضمون کی بلندی کا

اندازہ ان چند اشعار سے ہوگا،

ستارے سے پلکوں پہ کچھ آگئے زباں رُک گئی ہونٹ تھرا گئے

بدل کر رہیں گے یہ لیل و نہار پھر آئے گی اک دن چمن میں بہار

میں ہر چند خود ہوں رہینِ ستم اسیرِ بلا کشتۂ رنج و غم

نہیں مجھ سا گم کردہ منزل کوئی کوئی ناخدا ہے نہ ساحل کوئی

یہ حالت بھی اک دن بدل جائیگی گھڑی رنج و حرماں کی ٹل جائیگی

خواجہ میر اثر وغیرہ اساتذۂ مثنوی کی پیروی میں مصنف نے بھی مثنوی کی اسی بحر میں غزلیں کہہ کر شامل کی ہیں، ایک غزل ہے،

لہو ہوکے آنکھوں سے بہ جائے دل کسی کا کسی پر اگر آئے دل

فضا حسن کی مسکراتی رہی میں کہتا رہا ہائے دل ہائے دل

کبھی آکے اسے کاش وہ دیکھتے اُجڑتی ہوئی میری دنیائے دل

کہوں کچھ تو شرم وفا روک دے جو خاموش بیٹھوں تو گھبرائے دل

کسی کے تصور میں کھو جائیے اسی طرح شاید بہل جائے دل

تغافل کے صدقے یہ پوچھے کوئی کہاں تک مصیبت سہے جائے دل

محبت کا یہ کیف اترے نہ ہوش الٰہی نہ اب ہوش میں آئے دل

مصنف کی طبعی نفاست پسندی کے مطابق کو طباعت کے اہتمام کرنے والوں نے بھی پورا کیا ہے، اعلیٰ درجہ کا کاغذ، خوش نما ٹائپ، خوبصورت انگریزی جلد،

"ض"

مطبوعات جدیدہ

احکام قرآنی از جناب ایم عبدالرحمن خان صاحب ناشر ایم نثار اللہ خان صاحب نمبر ۲۹ ریلوے روڈ، لاہور، حجم ۲۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ہے۔

جناب مصنف اس سے پہلے بھی قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ میں اپنی بعض مفید کتابیں شائع کرا چکے ہیں، احکام قرآنی کے نام سے ان کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ مختلف عنوانوں کے تحت منتخب کرکے مختلف بابوں میں درج کی ہیں، یہ آیات کریمہ مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں عقیدہ وعمل، عبادت وحقوق عباد، اور اخلاق ومعاشرت سے وابستہ ہیں، اگر ابواب مختلف عنوانات عقائد، عبادات، اوامر ونواہی اخلاق وحقوق، معاشرت، وتجارت وغیرہ میں تقسیم کئے جاتے، اور آیتیں تحتانی عنوانوں کے ساتھ باب کے جامع عنوان کے تحت درج کیجاتیں تو کتاب میں زیادہ جامعیت اور اس سے استفادہ کرنے میں مزید سہولت حاصل ہوتی، بایں ہمہ اس تصنیف میں قرآن مجید کے احکام کا ایسا خلاصہ آگیا ہے، جو مسلمانوں کی حیات کا دستور بن سکتا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے حلقہ میں اسکی عام اشاعت ہو کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں، کتاب پر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ اور دوسرے علمائے کرام نے حوصلہ افزا تقریظیں بھی لکھی ہیں،

Cabinet Mission and After (وزارتی مشن اور ما بعد)

از جناب شیخ محمد اشرف صاحب حجم ۴۲۲ صفحے، کاغذ اور چھپائی بہتر، قیمت سے، پتہ:- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

شیخ محمد اشرف انگریزی کتابوں کی طبع و اشاعت میں ہندوستان کے ناشرین میں امتیاز حاصل کرچکے ہیں۔ وہ مختلف موضوعوں پر قابلِ قدر کتابیں انگریزی زبان میں شائع کرتے رہتے ہیں، ان کی نئی کتاب عنوانِ بالا سے شائع ہوئی ہے، اور اس مکتبہ کی خصوصیات کی حامل ہے، اس میں وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان سے لیکر کانگریس کے عارضی حکومت میں داخل ہونے تک ہندوستان کی سیاسی حالت کی روداد لکھی گئی ہے، جس کے مختلف ابواب میں وزارتی وفد کے ورود ہند، گفتگو کے آغاز اور اس کے مختلف مراحل کو دکھایا گیا ہے، اور مختلف سرکاری اعلانات، لیگ کانگریس، وائسرائے، اور وزارتی وفد کے باہمی مراسلات، لیگ اور کانگریس کے سکریٹری اعلانات، مجالس کی کارروائیاں، اور مختلف لیڈروں کے مختلف موقعوں پر شائع کرائے ہوئے بیانات وغیرہ کو یکجا کیا ہے، اس طرح اس سلسلہ کی تقریباً سب ہی ضروری چیزیں اس میں آگئی ہیں، اور خصوصاً حوالہ (ریفرنیس) کے لئے یہ ایک اچھا مجموعہ تیار ہوگیا ہے، امید ہے کہ اس کو پسند کیا جائے گا،

انگلستان اور بین الاقوامی زر کے منصوبے } مترجمہ جناب محمد احمد خان صاحب بی اے، حجم ۲۵ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ:- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ حیدر آباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر کو طے کرنے کے لئے حکومت انگلستان نے لارڈ کینز کی سرکردگی میں تجاویز مرتب کرائی تھیں، تاکہ بین الاقوامی تجارت کو زر کے بدلتے ہوئے حالات کے اثرات سے بچایا جا سکے، چنانچہ موصوف نے بین الاقوامی مجلسِ حساب کے قائم کرنے کے لئے اپنی تجویزوں کا خاکہ تیار کیا تھا، جس کو دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے غور و فکر کے لئے شائع کیا گیا تھا، زیر نظر رسالہ انہی تجاویز کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے،

امریکہ اور بین الاقوامی زر کے منصوبے } مترجمہ جناب عطاء الرحمن صاحب علوی بی اے، حجم ۲۸ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ:- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ، حیدر آباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر پر انگلستان کی طرح امریکہ میں بھی تجاویز مرتب کی گئی تھیں، تاکہ ان پر منتشر کیہ

غور و فکر کیا جا سکے، زیر نظر رسالہ میں امریکہ کی تجاویز کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے یہ ترجمہ بھی صاف سلیس اور عام فہم ہے، اقتصادیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ دونوں رسالے دلچسپ اور مفید ہوں گے،

حقائق الاسلام (حصہ اول) از جناب حافظ محمد سرور صاحب کوہاٹی، حجم ۲۲۴ صفحے تقطیع

چھوٹی قیمت سے ر، پتہ :- دفتر جماعت اسلامیہ، نزد محلہ جمعہ خان کوہاٹ، صوبہ سرحد،

حقائق الاسلام میں مصنف نے انسانوں کی تخلیق اور انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد کو واضح کرکے اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کو پیش کیا ہے، پھر انہی عقائد و تعلیمات کی روشنی میں انسانی سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ و رذیلہ کا جائزہ لیا گیا ہے، اور صدر اول کے مسلمانوں کی سیرت کی بلندی اور رفتہ رفتہ پستی کی طرف مسلمانوں کی رجعت کو دکھایا ہے، اور اس کے اسباب و علل کو نمایاں کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اسلام نام ہے ایمان و عمل صالح کا، اور مسلمانوں کی زندگی کو اسی پیمانہ پر اترنا چاہئے، آخر میں کفر و اسلام میں ایک دوسرے سے امتیاز دکھا کر مسلمانوں کو کفریہ عقائد، اعمال اور تعلیمات سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، مباحث پر اظہار خیال اور طرز ادا میں کچھ پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے، اگر انھیں سمیٹ کر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا جاتا تو کتاب کے افادی پہلو زیادہ نمایاں ہوتے، بایں ہمہ یہ تصنیف عام اسلامی حلقہ کے لئے مفید ہوگی، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

مقدمۂ مشکوٰۃ شریف، ترجمہ جناب مولوی خواجہ محمد علی صاحب ناشر مکتبہ اسلامی، لاہور،

حجم ۱۱۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت :- عہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا مقدمۂ مشکوٰۃ حدیث کے طلبہ کے لئے شمع راہ کا کام دیتا ہے، یہ مقدمہ انھوں نے اپنی شرح مشکوٰۃ کے لئے لکھا تھا، مگر اس قدر مقبول ہوا کہ مشکوٰۃ کے مطبوعہ نسخوں کا جزو بن گیا، اس میں علم حدیث کے مبادی بڑے اختصار و جامعیت سے بیان کئے گئے ہیں، مترجم نے اس کو طلبہ کی آسانی کے لئے شگفتہ اردو میں منتقل کر دیا ہے، اور

ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن کو بھی چھاپ دیا ہے، مترجم نے دیباچہ مین مشکٰوۃ اور اس کی شرحون کا حال بیان کیا ہے، اس سلسلہ مین بعض مسامحتین سرزد ہوگئی تھین، جن کی تصحیح مترجم نے کرلی ہے،

حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت | از حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، ناشر ادارہ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھانس منڈی، حیدرآباد دکن، حجم ۱۶ صفحے قیمت :- ۳ر

معارف مئی ۱۹۴۶ء مین حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خطبۂ صدارت جو جمعیۃ علماء صوبۂ بمبئی کے اجلاس مین پڑھا گیا تھا، شائع ہوا تھا، اس کے بعض حصہ کو ناشر نے "حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت" کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، اور اپنی طرف سے مضمون مین تحتانی سرخیان قائم کی ہین، سیاسیات کے موجودہ بحران مین اس کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا،

اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاحِ عالم | از جناب حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی، حجم ۴۵ صفحے، قیمت :- ۸ر پتہ :- دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ اسلامی ریاست کی روح عبدیت اور اتباعِ امرالٰہی ہے، اور اسی کی تاسیس سے دنیا کی فلاح وابستہ ہے،

روحانی اقوال مرتبہ جناب حافظ سکندر بخت صاحب حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ منیجر کتبخانہ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین مختلف دینی و اخلاقی عنوانون پر مختلف احادیث، آثار اور بزرگانِ دین کے ملفوظات یکجا کئے گئے ہین، اور ان سے مختلف مذہبی اوامر و نواہی اور سبق آموز پند و نصائح پیش کئے گئے ہین،

اہلبیت، مصنفہ مولوی ابوالمرجان محمد فضل اللہ صاحب مبارکپوری، پتہ :- صوفی پورہ

مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ، حجم ۸۴ صفحے، قیمت ۸ر

مصنف نے اس رسالہ مین کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہین، نیز عصمت اہل بیت کے عقیدہ کا رد کیا ہے،

راہِ سلوک از مولوی حکیم سید محمد طٰہٰ صاحب کمال، ندوی، پتہ :- آبگلہ، ڈاکخانہ، بنیادگنج ضلع گیا، حجم ۲۰ صفحے، قیمت درج نہین،

مصنف نے دکھایا ہے کہ اولیاے صالحین سے محبت رکھ کر ان کا اتباع کرنے ہی سے راہِ سلوک طے ہوتی ہے،

وسیلۃ النجاۃ از مولانا سید شاہ امیر الدین مرحوم :- پتہ :- سعید برادرس پبلشرز الہ آباد، حجم ۸۴ صفحے، قیمت :- ۴ر

وسیلۃ النجاۃ مین نماز کے مستحبات، مختلف اعمال صالحہ کے فضائل اور اوراد و اشغال کے طریقے، مختلف احادیث و آثار کے متن مع ترجمہ سے مختصراً بیان کئے گئے ہین،

مقاصدِ قرآن، از مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، حجم ۸۰ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ :- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن،

اس رسالہ مین قرآن مجید کی تعلیمات دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہین، اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے، کہ ایمان باللہ و روز آخر اور عمل صالح آسمانی مذاہب کی مشترک تعلیم ہے، دوسری قومون نے ان کو بھلایا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش فرما کر نوع انسانی کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس رسالہ کا مطالعہ اور اس کی عام اشاعت مفید ہوگی،

جلد ۵۹ ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

استفسار و جواب

وفیات

شذرات

ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان کی اجتماعی زندگی اور مذہبی تنظیم کا شیرازہ ایسا بکھر گیا، کہ ملت کے پورے نظام مین ابتری و پراگندگی پھیل گئی، نصف صدی پہلے سے مسلمانون نے حکومت سے نظر التفات کی التجائین کرکے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کی بار بار کوششین کین، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے، مجالس قانون ساز مین بھی انھون نے انفرادی کوششون سے اپنی تمدنی و مذہبی ضرورتون کو مختلف بل پیش کئے، مگر ان کا نتیجہ بھی کچھ اطمینان کے قابل نہین نکلا، معارف نے آج سے اٹھائیس برس پہلے حکومت کو ان مسائل کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر نہ حکومت ہی نے ادھر توجہ کی، اور نہ مسلمانون نے،

ہندوستان کے اسلامی عہد مین صدر جہان کا منصب انہی ضرورتون سے قائم تھا، اس کی نگرانی مین مسلمانون کے مذہبی احکام و فرائض انجام پاتے تھے، اس عہد کے خاتمہ کے بعد برطانوی حکومت کے ابتدائی زمانہ مین بھی یہ عہدے قائم رہے اور دیسی ریاستون مین برائے نام سہی وہ آج بھی موجود ہین، حیدرآباد کے صدر الصدور یا ناظم امور مذہبی کا منصب، یا بھوپال مین دار القضا کا محکمہ پچھلے ہی دور کی نشانیان ہین، پھر ہندو ریاستون مین بڑودہ کے "قاضی" گوالیار کے "مفتی" اور برطانوی ہند مین بنگال کے "قاضی نکاح" بیسوین صدی مین بھی وہان کے سرکاری عہدہ دار ہین اور اگر یورپی سلطنتون کے زیر اثر ممالک کی مثال لائی جائے، تو الجزائر، ٹیونس، اور طرابلس وغیرہ کے مذہبی امور کے ادارے اب تک چلے آرہے ہین

خلافت کی تحریک اور امارت شرعیہ کی تاسیس مین اسی نظام کے دوبارہ قیام کا خیال غالب تھا، مگر افسوس ہو کہ ایک بیرونی

حکومت نے مسلمانون کی زندگی کی اس بڑی ضرورت کا احساس نہین کیا لیکن اب جبکہ ایک نئے ہندوستان کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور اسلامی اکثریت اور اسلامی اقلیت کے صوبون مین مسلم لیگ اور کانگریس کی حکومتین قائم ہین، اور ملک کے لئے ایک نئے نظامنامہ کا خاکہ تیار کیا جا رہا ہے یہی وہ وقت ہے جب اس مسئلہ پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے اب ۳۵ء ایکٹ کی ماتحت حکومتین چراغ سحری ہین جون ۴۸ء تک نیا ہندوستان اپنے نئے رنگ روپ مین سامنے آنے والا ہے، ہندوستان کا آیندہ نظام خواہ جیسا بھی ہو اس کے نقشہ مین جس اعتبار سے جس قسم کے رنگ بھی بھرے جائین بہرحال وہ آج برطانوی ہند سے ایک مختلف ہندوستان ہوگا، اسلامی اکثریت کے صوبون مین اسلامی طاقت غالب ہوگی اس لئے وہان اس نظام پر غور کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہ ہوگا لیکن اسلامی اقلیت کے صوبے بھی مسلمانون کی اس ضرورت سے چشم پوشی نہین کر سکتے،

———— ...... ————

ہمین اس سلسلہ مین قضاۃ کا تقرر کرنا ہے، کہ نکاح و طلاق اور خلع کے مقدمون کا شرعی احکام کے مطابق فیصلہ ہو سکے، مسجدون کے آباد ہونے کا نظام بنانا ہے، کہ ان کے لئے ائمہ و خطیب مقرر کرنے کی سہولتین حاصل ہون پھر مذہبی اوقاف کے انتظام کو نئی شکل مین لے آنا ہے، یہ اور اس قسم کی ساری ضرورتین شیخ الاسلام ہی کی مرکزی مسند سے پوری کیجا سکتی ہین، ضرورت ہے کہ صوبون مین اور اگر متحد مرکزی حکومت بنے تو مرکز مین امور مذہبی کے انصرام کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے، جو پوری تنفیذی قوت کے مالک ہونے کے ساتھ وہ صوبہ یا مرکز کی حکومت کا ایک شریک جزء ہو، مگر وہ صوبہ یا مرکز کے حکمران طبقہ مین سو صرف مسلم عناصر سے وابستہ رہے اور صوبہ کی اسمبلی کے مسلمان ممبرون کے سامنے جوابدہ ہو، اس کے ساتھ اس شعبہ کا صدر حکومت کے کابینہ کا ایک رکن یا وزیر ہو،

———— ...... ————

اگر اقلیت کے صوبون مین مسلمانون کو باعزت زندگی کے ساتھ رہنا ہے، تو انھین اکثریت کے صوبون کے مسائل کے ساتھ خاص طور پر ان مسائل پر بھی غور کرنا ہے کہ ان صوبون مین ان کی اجتماعی زندگی کی پراگندگی

کا خاتمہ ہو، آزاد ہندوستان میں ہر مذہب و ملّت کی مذہبی آزادی و ثقافتی تحفظ کا اعلان بار بار دہرایا گیا ہے، اب ان کاغذی اعلانوں کی آزمایش کا وقت آپہنچا ہی، اس قسم کے کسی مذہبی شعبہ کا قیام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ اکثریت کے صوبوں میں ہوں، یا اقلیت کے، ان کی اہم دینی و اجتماعی ضرورت ہی، اس لئے اگر موجودہ ناپائدار حکومتوں سے کسی زکوٰۃ یا بیت المال بل کو منظور کرانے کی کوششوں کے بجائے ملک کے ممتاز علماء و ارباب فکر وسیع پیمانہ پر نظام حکومت سے منسلک ایک مذہبی شعبہ کی داغ بیل ڈالنے کی ایک اسکیم مرتب کرنے پر اپنا وقت صرف کریں، تو زیادہ مناسب ہوگا،

اس اسکیم کے ضروری اجزاء میں شرعی مسائل و احکام کا اجراء و نفاذ کرنا اور اسلامی اوقاف، مساجد، دینی درسگاہیں، دار الافتاء، دار القضاء اور ان کے ماتحت نکاح، طلاق، خلع، تفریق، شفعہ، وراثت، رویت ہلال، رمضان و عیدین کی تاریخ کی تعیین اور انتظام حج وغیرہ کے وسائل مہیا کرنا، داخل ہونگے، پھر اسی شعبہ کے ماتحت عشر و زکوٰۃ و صدقات اور عمومی اوقاف کے محاصل کو دینی اشرائط کے مطابق وصول کرنا، اور ان کو شرعی حدود و قیود کے مطابق صرف کرنا ہوگا، یہ اور ایسے ہی بیسیوں مسائل ہیں جو ہماری اجتماعی ضرورتوں کے لئے ہماری شیرازہ بندی کے منتظر ہیں، نیز یہ بھی اشارہ کر دینا ضروری ہو کہ شرعی محاصل اور شرعی مقدمات کے اسٹامپ سے اس صیغہ کے سارے مصارف پورے کئے جا سکتے ہیں، اور مرکز یا کسی صوبہ کے خزانہ پر جداگانہ مالی بار کے پڑنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا ہے، امید ہے کہ ملک کے ارباب فکر اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے،

اس وقت اصل ضرورت اسی نوعیت کے کسی مسودۂ قانون کی ہے، امید ہو کہ اسلامی اخبارات خواہ وہ جس سیاسی مسلک و مشرب کے ہوں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو ارباب فکر رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے سامنے لائینگے

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

"مولانا عبدالسلام صاحب ندوی آج کل ڈاکٹر اقبال پر ایک مکمل تصنیف کی ترتیب مین مصروف ہین، ذیل مین اس کا ایک حصہ جس مین اقبالؒ کے فلسفۂ خودی پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے، پیش کیا جاتا ہے" "س"

خودی اخیر دور مین ڈاکٹر صاحب کی شاعری کی شہرت اسی فلسفہ کی بدولت ہوئی، اور اس کی تشریح ایک مضمون نگار نے اس طرح کی ہے،

"صوفی کہتے ہین کہ چیونٹی بنو تاکہ لوگ تمھیں پانون کے نیچے روند کر زندان ہست و بود سے نجات دلائین، بھڑ نہ بنو، کیونکہ اگر بھڑ بنوگے تو خواہ مخواہ کسی کو ڈنک مارو گے، وہ بیچارہ درد سے چیخنے چلانے لگے گا، اور ممکن ہے کہ اس کی بد دعا سے تم بلکہ بھڑون کی تمام قوم قہر الٰہی کی مستوجب بن جائے، بھیڑ بنو تاکہ لوگ تمھارے بالون سے گرم کپڑے بنا کر موسم سرما کی شدت سے اپنے تن بدن کو محفوظ کر سکین، اور تمھارے گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکین، بھیڑیا نہ بنو، کیونکہ اگر بھیڑیا بنوگے تو ناچار روزانہ کئی جانورون کو ہلاک کروگے، اور ان کی بد دعائیں لوگے، مچھلی بنو

تاکہ آدمی تمھین پکڑ پکڑ کر کھائین، اپنا اور اپنے بچون کا پیٹ پالین، نہنگ نہ بنو، ورنہ انسانون اور مچھلیون کی ہلاکت کا باعث بنوگے، اور یہ فعل نہایت قبیح ہے، وغیرہ وغیرہ"

علامہ اقبال کہتے ہین کہ چیونٹی نہ بنو ورنہ لوگ تمھین پاؤن کے نیچے کچل کر مار ڈالین گے، بھڑ بنو اور جو کوئی سامنے آئے، اسے ڈنک مارو، بھیڑ نہ بنو، ورنہ لوگ تمھین مار کر کھا جائینگے، بھیڑیا بنو تاکہ جو کوئی ملے اُسے ہڑپ کر جاؤ، اور آدمی ملے تو اُسے چٹ کر جاؤ، شبنم کا قطرہ نہ بنو، شیر یا چیتا بنو، سانپ بنو، اژدہا بنو، عقاب بنو، شہباز بنو، الغرض اگر جمادی زندگی پسند ہو تو پتھر بنو تاکہ کسی کا سر توڑ سکو، حیوانی جامہ مین رہنا چاہو تو کسی قسم کا کوئی درندہ بن جاؤ تاکہ باقی جانورون کو چیر پھاڑ سکو، سُست عناصر صوفیون کی باتین نہ سنو، وہ اپنی جان کے بھی دشمن ہین، اور تمھاری جان کے بھی"[1]

لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ خودی کی نہایت غلط اور خطرناک تشریح ہے، نہ ہمارے صوفیہ ایسا کہتے، اور نہ ڈاکٹر صاحب انسانون کو موذی جانور بننے کی تعلیم دیتے، اُن کے فلسفہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اخلاقی فضائل کی دو قسمین ہین،

۱- ایک ایجابی، مثلاً خودداری، دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، استقلال، عزم و ثبات، وقار، صبر و سکون، مطالبۂ حق، جد و جہد، سعی و محنت وغیرہ وغیرہ،

۲- دوسری سلبی، مثلاً زہد و تقشف، توکل، قناعت، تواضع و خاکساری، عفو و درگذر، حلم و بردباری وغیرہ وغیرہ،

ہمارے صوفیہ نے فضائلِ اخلاق کی ان دونون قسمون مین سے صرف سلبی اخلاق کو اختیار کیا تھا، چنانچہ ایک صوفی کا قول ہے،

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۲۴۴، ۲۴۵،

"جو شخص شرف کے اعلیٰ درجہ کو پہنچنا چاہتا ہے، اوس کو سات چیزون کے مقابلہ مین سات چیزون کو اختیار کرنا چاہئے، یعنی (۱) احتیاج کو دولتمندی (۲) بھوک کو شکم سیری (۳) پستی کو بلندی (۴) ذلت کو عزت (۵) خاکساری کو غرور (۶) غم کو خوشی (۷) اور موت کو زندگی کے مقابلے مین،

نطشے نے مسیحی اخلاق پر جو اعتراضات کئے ہین، وہ اسی دوسرے قسم کے سلبی اخلاق سے تعلق رکھتے ہین، لیکی نے تاریخ اخلاق یورپ کی دوسری جلد مین لکھا ہے، کہ

"انکسار اور فروتنی کا وصف تمام تر مسیحیت کا پیدا کردہ ہے،...... اور گو یہ وصف بھی ایک زمانہ تک نہایت موزون و مناسب رہا تاہم تمدن کی روز افزون ترقی کی رفتار کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا، ترقی تمدن کے لئے لازمی ہے، کہ قوم مین خودداری ہو، اور حریت کے جذبات موجود ہون، اور انکسار و تواضع اس کے دشمن ہین، خانقاہانہ طرز زندگی کا مثل فوجی طرز زندگی کے آقتضا یہ ہے کہ استبدادی حکومت ہو تاہم سپاہیون مین تو پھر بھی فی الجملہ خودی و خودداری موجود ہوتی ہے لیکن اسے بالکل مٹا دینا جو خانقاہانہ زندگی کا مطمح نظر تھا، کسی طرح ترقی تمدن کے حق مین مفید نہین پڑ سکتا تھا، اور پھر بڑے بڑے زاہدون مین تو اس جذبہ سے اور فضائل پیدا ہوتے بھی رہتے ہین، لیکن عوام مین تجربہ سے معلوم ہوا کہ انکسار بالکل غلامانہ زندگی کے مرادف ہو جاتا ہے"۔

ان دونون قسمون کے علاوہ اخلاق کی دو قسمین اور ہین،

۱- ایک انفرادی مثلاً تجرد اور عزلت گزینی وغیرہ،

۲- دوسرے اجتماعی مثلاً، دیانت، امانت، مہمان نوازی حاجت برآری اور حسن معاشرت وغیرہ،

ان دونون قسمون مین سے بھی ہمارے صوفیہ نے زیادہ تر انفرادی اخلاق اختیار کئے، اور

اجتماعی اخلاق مین زیادہ تران اخلاق کو انتخاب کیا جن کی بنیاد ضعف پر قائم ہے، مثلاً رحم و احسان ایک اجتماعی وصف ہے، اور اُن سے بڑے بڑے اجتماعی کام لئے جا سکتے ہین، مثلاً

۱- غلامون کی آزادی مین حصہ لینا، اور اس کے لئے جد و جہد کرنا،

۲- شفاخانے اور محتاج خانے کھولنا،

۳- مریضون کی خدمت و تیمار داری، اور مردون کی تجہیز و تکفین کرنا،

۴- قتل و خونریزی اور لوٹ مار سے ملک کی حفاظت کرنا،

۵- زمانۂ جنگ مین بادشاہون کے درمیان مصالحت کرواکے ملک کو جنگ کے نقصانات سے بچانا،

۶- حکام کو ظلم و تشدد سے روکنا،

۷- مجرمون کو رہا کرانا،

۸- یتیمون اور بیواؤن کی مدد کرنا،

۹- رفاہِ عام کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا مثلاً بھولے ہوؤن کو راستہ دکھانا،

۱۰- غلط کار آدمیون کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتانا، بے روزگارون کو روزی سے لگانا، بلا کرایہ کشتی چلانا، یا سبیل لگانا وغیرہ وغیرہ،

لیکن عیسائی مذہب جو اپنے زہد و تقشف کی وجہ سے صوفیانہ روش سے بہت زیادہ مشابہ ہے اس معاملہ مین ہمارے صوفیون سے بازی لے گیا ہے، اور بہت سے پادریون اور راہبون نے جیسا کہ تاریخ اخلاق یورپ مین بہ تفصیل مذکور ہے، یہ تمام اخلاقی خدمتین انجام دی ہین، لیکن ہمارے صوفیہ کے رحم و ہمدردی مین اس قسم کی اخلاقی کوششون کا بہت کم سراغ ملتا ہے، کیونکہ جب کسی مذہب مین رہبانیت کا عنصر زیادہ شامل ہو جاتا ہے، تو اس کے پیرون سے اس قسم کے اخلاقی فضائل سلب ہو جاتے ہین، عیسائی پادریون نے بھی اُسی وقت یہ تمام خدمتین انجام دی تھین، جب ان پر رہبانیت کا بہت زیادہ غلبہ

نہین ہوا تھا لیکن ہمارے صوفیون کے لطف و احسان کی صورت یہ تھی، کہ وہ جانورون کو آزار دینے سے اجتناب کرتے تھے، یہان تک کہ موذی جانورون کو بھی نہین ستاتے تھے، چنانچہ ملا عبدالرحمان جامی نفحات الانس مین لکھتے ہین :-

"امیر چہ سفال فروش کژدم از دکان برداشتے و بہ بارہ بروے وآنجا گذاشتے، مردے وقت خوش گشت فرشتہ، خود را دید، وے را گفت چہ باید کرد تا کسے شمارا بہ بیند گفت ہیچ جانور را نباید آزرد آن مرد، ہیچ جانور را می آزرد فرشتہ را می دید، روزے مورچہ وے را بگزید چیزے بروے زد مورچہ بیفتاد و پس ازان ہرگز فرشتہ را ندید!"

خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات مین ہے کہ

"ہرکہ دو ماہ گاو ذبح کند یک خون کردہ باشد و ہرکہ چہار مادہ گاو ذبح کند دو خون کردہ باشد و ہرکہ دہ گوسفند ذبح کند یک خون کردہ باشد[۱]"

حدیثون مین بھی اگرچہ جانورون پر رحم کرنے کا حکم موجود ہے لیکن موذی جانور اس سے مستثنیٰ ہین، اور جانورون کے ذبح کرنے کی کوئی ممانعت نہین، بہرحال ہمارے صوفیہ کا اخلاقی نظام زیادہ تر سلبی اور انفرادی فضائل تک محدود ہے، اور امام غزالی نے احیاء العلوم مین انہی اخلاقی فضائل سے بحث کی ہے، اس لئے جو لوگ عزلت گزینی اور خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہین، وہ تو ان کی اخلاقی کتابون سے فائدہ اٹھا سکتے ہین لیکن مدبرین سیاست یعنی وزراء و سفراء کو اُن سے کوئی اخلاقی فائدہ نہین پہونچ سکتا لیکن اسلام کا نظام اخلاق صرف انہی فضائل تک محدود نہین ہے، بلکہ اوس نے اپنی جامعیت کی بنا پر ایجابی، سلبی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان مین بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، اوس کو اس طرح رفع کر دیا ہے کہ سب کے

---

[۱] نفحات الانس بحوالہ آثر الکرام جلد اول ص ۱۳۱،

مواقع الگ الگ کر دیئے ہین، مثلاً عام زندگی مین تواضع وخاکساری کی تعلیم اس طرح دی ہے،

ولا تمش فی الارض مرحاان اللہ | اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) خدا کسی
لا یحب کل مختال فخور (لقمان-۲) | اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہین کرتا،

لیکن جہان خاکسارانہ روش اختیار کرنے سے انسان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے، وہان اسلام نے قوت کے اظہار کا حکم دیا ہے، چنانچہ جب صحابہ حجۃ الوداع کے لئے آئے تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے ان کو کمزور کر دیا تھا اس لئے کفار نے طنزاً کہا کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانۂ کعبہ کا طواف نہین کر سکتے، اس پر آپ نے صحابہ کو حکم دیا، کہ طواف کا تین چکر اکڑ کر کرین تاکہ مشرکون پر ان کی طاقت کا اظہار ہو، یہ سنت آج تک باقی ہے جس کو رمل کہتے ہین، اور جس کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہین،

قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد مین پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے خاکساری کے بجائے کبر وغرور کو پسند کیا ہے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ بعض غرور کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، جنگ وصدقہ کے موقع پر اترانا خدا کو پسند ہے، اور ظلم وفخر پر اترانا ناپسند[۱]،

حضرت ابودجانہؓ ایک نہایت بہادر صحابی تھے، وہ غزوۂ احد مین شریک ہوے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار کو ہاتھ مین لے کر فرمایا، کہ کون اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے گا ؟ بہت سے صحابہ آپ کی طرف بڑھے لیکن آپ نے وہ تلوار کسی کو نہین دی، یہان تک کہ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور کہا کہ اس کا حق کیا ہے" ؟ ارشاد ہوا کہ" دشمن پر اس کو اس قدر چلاؤ کہ ٹیڑھی ہو جائے، بعض روایتون مین ہے کہ مسلمان پر اس کو نہ چلانا، اور کافر سے نہ بھاگنا، انھون نے کہا کہ مین اس کا حق ادا کرون گا، اب آپ نے ان کو وہ تلوار عنایت فرمائی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب،

تلوار لے کر اکڑتے تنتے ہوے چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مغرورانہ چال دیکھی تو فرمایا، کہ اس موقع کے سوا خدا ہر جگہ اس چال کو ناپسند فرماتا ہے،[۱]

اسلام نے عام طور پر اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے، کہ "جو مسلمان لوگون سے میل جول پیدا کرتا ہے، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو برداشت کرلیتا ہے" وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگون سے میل جول نہین پیدا کرتا، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو نہین سہتا،[۲] لیکن بعض حالتون مین انفرادی اخلاق کی تعلیم بھی دی ہے،

خیر مال المسلم غنم یتبع بھا	مسلمان کا بہترین مال وہ بکریان ہین
شعف الجبال ومواقع القطر	جن کو وہ پہاڑون کی چوٹیون اور
یفر بدینه من الفتن،[۳]	شاداب مقامات پر چراتا ہے، اور اس
	طرح اپنے دین کو فتنون سے محفوظ
	رکھنے کے لئے اس کو لے بھاگتا ہے،

اس قسم کی اور بھی متعدد حدیثین ہین، لیکن محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ اس قسم کی عزلت گزینی صرف اس حالت مین جائز ہے، جب ملک گیری کی ہوس مین باہم مسلمانون مین خانہ جنگی ہو جائے اور ایک مسلمان اس کا فیصلہ نہ کرسکے کہ اس مین کونسا فریق حق پر ہے، یا یہ کہ وہ اس فتنہ کے ازالہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، ورنہ عام حالات مین مسلمانون سے میل جول رکھنا، اخلاقی حیثیت سے افضل ہو؛ لیکن بہرحال اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی وسعت ہر قسم کے ایجابی سلبی، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو شامل ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اسی اسلامی نظام اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان کے مختلف محل و مواقع متعین کر دیئے ہین،

---

[۱] اسد الغابہ و اصابہ تذکرہ حضرت ابودجانہ رض [۲] ترمذی کتاب الزہد ص ۲۱۲ [۳] بخاری کتاب الفتن،

قلندران کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند | ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند | بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر | بروز رزم خود آگاہ و تن فراموش اند

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است | اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو
تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ | آنچنان زی کہ بہ ہر ذرہ رسانی پرتو

مصاف زندگی مین سیرت فولاد پیدا کر | شبستان محبت مین حریر و پرنیان ہو جا
گذر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیابان سے | گلستان راہ مین آئے تو جوئے نغمہ خوان ہو جا

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت | یہ چار عناصر ہون تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ مین ٹھنڈک ہو وہ شبنم | دریاؤن کے دل جس سے دہل جائین وہ طوفان

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ | مقصود سمجھ میرے نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانون کو سلامت | دے ان کو سبق خود شکنی خودنگری کا

ہو حلقۂ یاران تو ہو بریشم کی طرح نرم | رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

لیکن یہ اسلامی نظام اخلاق صرف اُس وقت قائم ہو سکتا ہے، جب انسان کو اپنی خودی کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جائے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے خودی کو اپنی شاعری کا ایک مستقل موضوع قرار دیا ہے، اور مثنوی اسرار خودی مین سادہ طور پر اس کی حقیقت بتائی ہے، لیکن اثبات خودی کے تمام مقدمات اس مین مذکور نہین ہین، اس لئے ہم ان کے پورے مجموعۂ کلام سے ان تمام مقدمات کو اخذ کرکے اس موقع پر درج کرتے ہین،

(۱) خودی اثبات خودی کے لئے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان مین پہلا مقدمہ خود خودی ہے، یعنی یہ کہ خود خودی کوئی چیز ہے یا نہین ؟ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ مقدمہ بدیہی ہے، اور خود

انسان کے اندر سے ایک آواز آتی ہے، کہ "مین ہون"

من از بود و نبود خود خموشم اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن این نواے سادۂ کیست؟ کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

قدیم فلاسفہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ انسان پر بہت سے حالات ایسے گذرتے ہین، کہ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا، لیکن باوجود اس کے وہ یہ جانتا ہے کہ "مین ہون" اور اس سے انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ، روح جسم سے الگ کوئی چیز ہے، ابھی ہم کو اس سے بحث نہین، کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن بہرحال فلاسفہ قدیم بھی اس مسئلہ مین ڈاکٹر صاحب کے ہم خیال ہین، کہ مین یا "انا" کا وجود بدیہی ہے؛

ڈاکٹر صاحب نے خودی کے وجود پر ایک فلسفیانہ استدلال بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز مین شک کیا جا سکتا ہے،

توان گفتن جہان رنگ و بو نیست زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
توان گفتن کہ خوابے یا فسونے است حجاب چہرۂ آن بیچگون است
توان گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است فریب پردہاے چشم و گوش است

لیکن باین ہمہ جو چیز دنیا کی تمام چیزون مین شک کرتی ہے، اس کا وجود یقینی ہے شک کے معنی سوچنے کے ہین، اور سوچنے کے معنی ہونے کے ہین، لیکن مین سوچتا ہون اس لئے مین ہون، اب

اگر گوئی کہ من وہم و گمان است نمودش چون نمود این و آن است
بگو با من کہ داراے گمان کیست؟ یکے در خود نگر آن بے نشان کیست؟
خودی پنہان ز حجت بے نیاز است یکے اندیش و دریاب این چہ راز است
خودی را حق بدان باطل مپندار خودی را کشت بے حاصل مپندار[۱]

---

[۱] ماخوذ از زبور عجم اقبال ص ۹-۱۰-۱۱

لیکن یہ خودی بذاتِ خود پیدا نہین ہوئی ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے،

خودی را از وجودِ حق وجودے ‌‌ ‌‌ خودی را از نمودِ حق نمودے

نمیدانم کہ این تابندہ گوہر ‌‌ ‌‌ کجا بودے اگر دریا نبودے

اس موقع پر خدا کی ذات کے لئے انھون نے وہی دریا کا لفظ استعمال کیا ہے، جو صوفی شعراء عام طور پر استعمال کرتے ہین لیکن صوفیون سے اس مسئلہ مین الگ ہو گئے ہین کہ انسان اس دریا کا ایک قطرہ ہے بلکہ اس کو گوہر تابندہ قرار دیا ہے تاکہ خدا کی عظمت و شان کے ساتھ انسان کی خودداری بھی قائم رہے، دریا اور گوہر دونون لازم و ملزوم ہین، اس لئے انسانی خودی کا وجود خدا کے بغیر ہو ہی نہین سکتا،

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب ‌‌ ‌‌ ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

زمن گو صوفیانِ با صفا را ‌‌ ‌‌ خدا جویانِ معنی آشنا را

غلامِ ہمتِ آن خود پرستم ‌‌ ‌‌ کہ از نورِ خودی بیند خدا را

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی؟ ‌‌ ‌‌ کہ او پیداست تو زیرِ نقابی

تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی ‌‌ ‌‌ تلاشِ خود کنی جز او نیابی

لیکن باوجود اس احتیاج و ارتباط کے وہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کے قائل نہین، بلکہ اُن کے نزدیک انسانی خودی خدا کی ذات سے بالکل الگ ایک مستقل چیز ہے،

خودی روشن ز نورِ کبریائی است ‌‌ ‌‌ رسائی ہائے او از نارسائی است

جدائی از مقامات وصالش ‌‌ ‌‌ وصالش از مقاماتِ جدائی است

وصالِ ما وصال اندر فراق است ‌‌ ‌‌ کشود این گرہ غیر از نظر نیست

گہر گم گشتۂ آغوشِ دریاست ‌‌ ‌‌ ولیکن آب بحر آبِ گہر نیست

اور اس کو اسی انفرادی استقلال کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے، صوفیہ کہتے ہین، کہ اس کو

ذاتِ خداوندی میں جذب ہوجانا چاہئے، لیکن ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عمدہ شاعرانہ تشبیہ کے ذریعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خودی کو بذاتِ خود قائم رہ کراپنے نظری اقتضاءات کو پورا کرنا چاہئے، اگر وہ شبنم کا قطرہ ہے، تو اوس کو پھولوں کی پنکھڑیوں پر گرنا چاہئے، سمندر میں گر کر موتی نہیں بننا چاہئے، اس مضمون کو اس طریقہ سے اداکرتے ہیں، کہ لوگوں نے شبنم سے صوفیانہ لہجہ میں کہا،

گفتند فرود آے زاوجِ مہ و پرویز برخود زن و با بحر پر آشوب بیامیز

با موجِ در آویز

نقشِ دگر انگیز

تابندہ گہر خیز

لیکن شبنم نے جواب دیا،

من عیش ہم آغوشی دریا نخریدم آن بادہ کہ از خویش ربایدنچشیدم

از خود نہ رمیدم

زآفاق بریدم

بر لالہ چکیدم

انسانی خودی کے علاوہ کائنات کی بھی ایک خودی ہے،

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی ہر ذرہ شہید کبریائی

اور اجزاے کائنات کی خودی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑھنا، ابھرنا، نشو و نما حاصل کرنا اور اپنی مخفی صلاحیتوں کو روبہ کار لانا چاہتی ہے،

چہ لذت یارب اندر ہست و بود است دل ہر ذرہ در جوش نمود است

شگافد شاخ را چون غنچۂ گل تبسم ریزہ از ذوقِ وجود است

بگردون فکر تو دارد رسائی   ولے از خویشتن نا آشنائی
یکے بر خود کشا چون دانہ چشمے   کہ از زیر زمین نخلے بر آئی
ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا   تو ہی آمادۂ ظہور نہین

کائنات کی خودی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی چیزون کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے،

من بگل گفتم بگو اے سینہ چاک   چون بگیری رنگ و بو از باد و خاک
گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش   چون پیامے گیری از برق خموش
جان بہ تن مارا ز جذب این و آن   جذب تو پیدا و جذب ما نہان
(تار ریڈیو)

۲- شرفِ انسان اثباتِ خودی کا یہ دوسرا مقدمہ ہے، ہمارے صوفیہ بھی انسان کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہین، لیکن ان کے نزدیک نفسِ انسانیت اس فضیلت کا سبب نہین ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا پرتو ہے،

راز دو جہان و مردۂ و زندۂ آن   از خود بشنو کہ ترجمانی ہمہ را
ما پرتو نور بادشاہ ازلیم   فرزند نہ ایم آدم و حوا را

لیکن ڈاکٹر صاحب انسان کو خدا سے الگ جیسا کہ ہم پہلے مقدمہ مین بیان کر چکے ہین، ایک مستقل ہستی مانتے ہین اس لئے اُن کے نزدیک اس کو جو شرف حاصل ہو وہ محض انسانیت کی وجہ سے ہے، اور انسانی فضیلت کا یہی بلند درجہ ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب نے مختلف شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے،

(۱) انسان کو تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے،

عالم آب و خاک و باد سرّ عیان ہے تو کہ مین   وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان ہے تو کہ مین
تو کفِ خاک و بے بصر مین کفِ خاک خود نگر   کشتِ وجود کے لئے آبِ روان ہے تو کہ مین

(۲) وہ فرشتون پر بھی فضیلت رکھتا ہے، فرشتے اگرچہ آسمان سے بھی پرے رہتے ہین لیکن ان کی نگاہ بھی انسان ہی کا نظارہ کرتی ہے،

فرشتہ گرچہ برون از طلسم افلاک است
نگاہ او بہ تماشائے این کف خاک است

اور انسان کو ان پر جو فضیلت ہے وہ خودی کی وجہ سے ہے

بہ نوریان زمین پا بگل پیامے گوے
حذر ز مشت غبارے کہ خویشتن نگراست

(۳) انسان کا وجود ایک لازوال چیز ہے، زمانہ کی گردش اس کو فرسودہ نہین کرسکتی،

لحد مین بھی یہی غیب وحضور رہتا ہی ۔۔۔ اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہی
مہ و ستارہ مثال شرار یک دونفس ۔۔۔ مئے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہی
فرشتہ موت کا چھوتا ہی گو بدن تیرا ۔۔۔ ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہی

(۴) انسان خدا کا اصلی مقصد ہے، اور وہ اس کی تلاش مین سرگردان رہتا ہے، اس مضمون کو ڈاکٹر صاحب نے سادہ طور پر یون بیان کیا تھا،

خدا ہم در تلاش آدمے ہست

لیکن ایک مسلسل غزل مین ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو نہایت لطیف شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے، صوفی کہتے ہین کہ ہر چیز مین خدا کا نور جلوہ گر ہے اور ہم کو ہر چیز مین اس کے جلوہ کو دیکھنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہین لیکن الٹ کر کہتے ہین کہ خدا ہر چیز مین اس لئے جلوہ گر ہوتا ہے، کہ انسان کو اس مین تلاش کرے،

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو است ۔۔۔ چون ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست

گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش | گاہے درون سینۂ مرغان بہ ہاؤہوست
در نرگس آرمید کہ بیند جمال ما | چندان کرشمہ دان کہ نگاہش بگفتگوست
آہے سحرگہے کہ زند در فراق ما | بیرون و اندرون زبر و زیر و چار سواست
ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکیے | نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست
پنہان بذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز | پیدا چو ماہتاب و بآغوش کاخ و کوست
در خاکدان ما گہر زندگی گم است | این گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

غرض یہ وہ بلند رتبہ ہستی ہے، کہ جب پیدا ہوئی تو عالم مین زلزلہ آگیا، اور زمین سے آسمان تک ایک غلغلہ برپا ہو گیا،

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد | حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
خبرے رفت ز گردون بہ شبستان ازل | حذر اے پردگیان پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بآغوش حیات | چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور | خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر | تا ازین گنبد دیرینہ درے پیدا شد

(۳) تسخیر فطرت اثبات خودی کا یہ تیسرا مقدمہ ہے، اور پہلے دونون مقدمات کا تتمہ بلکہ نتیجہ ہے، پہلے مقدمہ مین یہ ثابت ہو چکا ہے، کہ کائنات کی خودی اپنے گرد و پیش کی چیزون کو جذب کرتی ہے، اور انسان بھی چونکہ کائنات ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس مین بھی قدرتی طور پر یہ قوت جاذبہ موجود ہے، لیکن چونکہ وہ کائنات مین جیسا کہ دوسرے مقدمہ مین ثابت کیا گیا ہے، سب سے بلند تر ہستی ہے اس لئے اس مین یہ قوت اور بھی کامل ترین طریقہ سے پائی جاتی ہے، اور وہ صرف اپنے گرد و پیش ہی کو نہین، بلکہ تمام دنیا کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہے،

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار شمشیر کے مانند ہے برندہ و براق
اوس مرد خدا اسے کوئی نسبت نہیں تجھکو تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

دو گیتی را بہ خود باید کشیدن نباید از حضور خود رمیدن
نگہ دید و خود بیبا نہ آورد کہ بیاید جہان چارسو را
مے آشامے کہ دل کر دند نامش بخویش اندر کشید این رنگ و بو را

کمال زندگی خواہی؟ بیاموز کشادن چشم و جز بر خود نہ بستن
فرو بردن جہان را چون دم آب طلسم زیر و بالا در شکستن
جہان رنگ و بو دانی و لے دل چیست میدانی ہے کز حلقۂ آفاق ساز گرد خود ہالہ

لیکن اس قسم کی مکمل خودی صرف اسلام پیدا کر سکتا ہے، اس لئے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اسی جاذبیت کا دوسرا نام تسخیر فطرت ہے، اور اس کی مختلف صورتیں ہیں،

(۱) ایک صورت تو وہ ہے جس میں انسان کی جد و جہد کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود خداوند تعالےٰ نے قدرت کی تمام بڑی بڑی طاقتوں کو انسان کا مسخر اور فرمانبردار بنا دیا ہے، اور ان کے ذریعہ سے انسان پر اپنا احسان جتایا ہے سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور اس قسم کی دوسری آیتوں میں تسخیر کی یہی صورت مذکور ہے اور ڈاکٹر صاحب نے نہایت سادہ طور پر اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے جہان ہے تیرے لئے تو نہیں جہان کے لئے

لیکن اس مضمون کو ایک مستقل نظم میں جس کی سرخی روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے ہے نہایت

پرجوش شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے،

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوۂ بے پردہ کو پردون مین چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ فضا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہین تیرے تصرف مین یہ بادل یہ گھٹائین
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائین

یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائین
تھین پیش نظر کل تو فرشتون کی ادائین

آئینۂ ایام مین آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھون کے اشارے
دیکھین گے تجھے دور سے گردون کے ستارے

ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے
پہنچین گے فلک تک تری آہون کے شرارے

تعمیر خودی کر اثر آہ رسا دیکھ

۲- دوسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی جسمانی قوت اور سعی و محنت کے ذریعہ سے فطرت کی قوتون کو مسخر کرتا ہے، اور اس نظم کے آخری دو بندون مین اسی طرف اشارہ ہے،

خورشید جہان تاب کی ضو تیرے شرر مین
آباد ہے اک تازہ جہان تیرے ہنر مین

جچتے نہین بخشے ہوے فردوس نظر مین
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر مین

اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنس محبت کا خریدار ازل سے

تو پیر صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے

ہے راکب تقدیر جہان تیری رضا دیکھ

(۳) تیسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی عقلی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے،

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را
اہرمنِ شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر مقامات پر عقل کی مذمت کی ہے، لیکن اس سے وہ عقل مراد ہے، جو محض خیالی پلاؤ پکا کر قوتِ عمل کو ضعیف کرتی ہے،

من آن علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم — کہ از تیغ و سپر بیگانہ ساز د مرد غازی را
بہر نرخے کہ این کالہ بگیری سود مند افتد — بزور بازوے حیدر بدہ ادراک رازی را

لیکن جو عقل قوتِ عمل کو تیز کرتی ہو ڈاکٹر صاحب اس کے مخالف نہیں، بلکہ موید ہیں، یعنی وہ فلسفہ کے مخالف ہیں، سائنس کے نہیں، چنانچہ شاہ امان اللہ خان کو اس کی طرف اس طرح توجہ دلاتے ہیں،

زندگی جہد است و استحقاق نیست — جز بعلم انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیر کثیر — ہر کجا این خیر را بینی بگیر
سید کل صاحبِ ام الکتاب — پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عین ذات را بے پردہ دید — رب زدنی از زبانِ او چکید
علم اشیاء علّم الاسما ستے — ہم عصا و ہم ید بیضا ستے
علم اشیا داد مغرب را فروغ — حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ
جانِ ما را لذتِ احساس نیست — خاک رہ جز ریزۂ الماس نیست
علم و دولت نظم کارِ ملت است — علم و دولت اعتبارِ ملت است
آن یکے از سینۂ احرار گیر — وان دگر از سینۂ کہسار گیر
دشنہ زن در پیکرِ این کائنات — در شکم دارد گہر چون سومنات
لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست — برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

(۴) چوتھی صورت وہ ہے جس مین انسان روحانی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے، اور یہ صرف اولیاء و انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ قوت نہ جسمانی طاقت سے پیدا ہوتی، نہ عقل و علم سے حاصل ہوتی، بلکہ صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے۔

از محبت چون خودی محکم شود — قوتش فرمانده عالم شود
پنجۂ او پنجۂ حق می شود — ماہ از انگشت او شق می شود

۴ - مسئلۂ خیر و شر، اثبات خودی کا یہ چوتھا مقدمہ ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حکمائے اسلام کے نظریات یہ ہین،

۱- خیر ایجابی اور شر ایک سلبی چیز ہے، یعنی دنیا مین خیر کا وجود تو ہے، لیکن شر کا وجود نہین،

۲- خیر شر پر غالب ہے اور خیر کی تعداد و مقدار شر سے زیادہ ہے، دنیا مین اگرچہ مرض کا وجود ہے، لیکن صحت اس سے زیادہ پائی جاتی ہے، دنیا اگرچہ رنج و غم سے خالی نہین، لیکن خوشی اور مسرت کا وجود ان سے زیادہ ہے، لیکن اس کے بالکل برعکس محمد بن زکریا رازی کے نزدیک شر وجودی اور خیر سلبی ہے یعنی لطف و مسرت کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہین ہے، کہ رنج و الم زائل ہو جائین، کھانے پینے کی لذت کے معنی صرف یہ ہین، کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے نجات مل گئی، یہی حال اور تمام لذتون کا ہے کہ وہ کسی نہ کسی تکلیف اور رنج و الم کا ازالہ ہین، اور شوپنہار کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ دنیا مین واقعی جو چیزین موجود بالذات ہین، وہ دکھ، مصیبت اور حاجت ہین، ان سے کبھی وقتی طور پر چھٹکارا مل جایا کرتا ہے تو اسی مہلت کا نام انسان نے خوشی یا مسرت رکھ چھوڑا ہے[1]، وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ درد و الم ایجابی ہین، اور لذت و مسرت محض سلبی، مسرت یا لذت ہمیشہ کسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہش یعنی احتیاج ہر لذت کے پہلے پائی جاتی ہے، جون ہی خواہش کی تشفی ہو جاتی ہے، لذت موقوف ہو جاتی ہے، لہذا تشفی یا مسرت دراصل کسی احتیاج یا درد سے نجات یابی ہے[2]، اس بنا پر

کائنات کی انتہائی حقیقت کے قلب مین شر ہی شر پایا جاتا ہے، زندگی کا مایۂ خمیر بھی شر ہے، تمام چیزین شر ہین، یعنی جو بھی چیز وجود رکھتی ہے، وہ شر ہے[۵] امام رازی نے بھی زکریا رازی کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ عام طور پر جو چیز دنیا مین پائی جاتی ہے، وہ یا تو رنج والم ہے، یا رنج والم کا ازالہ ہے، ان مین بعض آلام تو نہایت قوی ہوتے ہین، مثلاً امراض، اور بعض ضعیف جن سے انسان کو کسی حالت مین نجات نہین مل سکتی مثلاً غم و فکر، خوف واندیشہ، غصہ و ندامت، روزی، اور کاروبار کی فکر، بدبو، ناگوار چیزون کا دیکھنا، کھٹی مچھر اور کھٹملون کی تکلیفین جن کا کوئی شمار نہین کیا جا سکتا، اس سے حکما کے دونون پہلے نظریے غلط ثابت ہوتے ہین، نہ دنیا مین خیر کا وجود ہے، نہ خیر شر پر غالب ہے، بلکہ اس کے برخلاف رنج والم کو لذتون پر غلبہ حاصل ہے، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ، ہم نے انسان کو تکلیف مین پیدا کیا،

اور تفسیر کبیر مین امام صاحب کی رائے کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے، کہ اس دنیا مین کوئی لذت نہین ہے، بلکہ جس چیز کو لذت خیال کیا جاتا ہے، وہ کسی تکلیف سے بچنے کی ایک صورت ہے، کھانے اور پہننے کی لذت، بھوک، سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا نام ہے، اس لئے انسان کے لئے صرف دو چیزین ہین، یا تکلیف یا تکلیف سے بچنا، اور اس آیت کے یہی معنی ہین، اس بنا پر تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہین ہے، کیونکہ لذت کا وجود ہی نہین ہے، بلکہ صبر و استقلال کے ساتھ تکلیفون کا مقابلہ کرنا اور دوسرون کو تکلیفون سے نجات دلانا ہے، اور اس پوری سورہ مین تخلیق انسانی کا یہی مقصد بتایا گیا ہے،

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ	کیا ہم نے انسان کو دو آنکھین اور زبان
هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ	اور دو ہونٹھ نہین دیئے، اور اس کو (نیکی اور
مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ	بدی) کے دونون رستے (بھی) دکھا دیئے
فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	پھر بھی وہ گھاٹی پھاند کر نہین نکلا اور آپ کو خبر

[۵] قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس از میر ولی الدین ص ۲،

أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ، ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ،

(بلد - ۱)

تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا (مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوکھ کے دن یتیم کو (خاص کر جب وہ اپنا) رشتہ دار (بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی مارتا اُسکو چاہئے تھا کہ اس گھاٹی مین سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگون کے (زمرے) مین ہوتا، جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے، اور نیز ایک دوسرے کو (خلق خدا) پر رحم کرنے کی۔

اسی مقصد کو فلسفیانہ طریقے پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، کہ تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہین، بلکہ انسانی شخصیت کا تحقق و کمال ہے، جو کائنات کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ایسی دنیا کا تصور ناممکن ہے، جہان روحین ترقی و تکمیل پا کر شخصیت کا تحقق تو کر سکین لیکن جہان نہ درد و غم ہو اور نہ رنج و تعب، نہ حزن و ابتلا ہو، اور نہ آزمائش و بلا، غیر تشفی خواہشات ان کی سوزش و تکلیف، امراض و قواے فطری کی کورانہ بے رخی سے پیدا ہونے والی عذاب ناک اذیتین آسمانی بلائین و آفتین، یہ سب محرکات ہین، جو انسان کے صبر و ہمت کو آزماتے ہین، اوس کو مصائب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتے ہین، بھوکھ، جنسی محبت، پدری شفقت، اجتماعی و اکتسابی جبلتون کے بغیر جو انسان کے سینون مین تشفی کے لئے موجزن ہوتے ہین، انسان نہ فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے

اور نہ شخصیت کا تحقق کرسکتا ہے، اوس کی ابتدائی اشتہارات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتی ہیں، اور محنت و مشقت سے سائنس کے اور راحت کے سامان پیدا ہوتے ہیں، اور یہ فطرت پر زیادہ غلبہ کا باعث ہوتے ہیں، اور یہی فن ادب، سائنس اور حیات معاشری کے لطیف اغراض و غایات کے نشو و نما و تشفی کا سبب بنتے ہیں، اس کی خواہشات اوس کو خاندان و جماعت کی تخلیق پر آمادہ کرتی ہیں ہماری اور خشکی، سمندر اور ہوا کی معاندانہ قوتوں کا مقابلہ اس کی فکر و عمل اور معاشری اشتراک کی قوتوں کو ترقی دیتا ہے، ہماری مشترکہ قسمت گو صبر و عمل کے دائرے سے بھی باہر کیوں نہ ہو، دوستی و محبت کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے، اس طرح انسان ظاہراً شکست سے فتحمندی حاصل کرتا ہے، ان قوتوں پر غلبہ و تسلط پاتا ہے، جو اس کے خلاف برسر جنگ نظر آتی ہیں[۵۱]

(باقی)

---

[۵۱] قنوطیت از میر ولی الدین ص ۷۰، ۷۱،

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ ر تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ ر تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

حدیث و آثار میں خشوع کی اہمیت و فضیلت

اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، یہ فعل چونکہ خشوع کے منافی تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لوخشع قلبہ لخشعت جوارحہ[1] اگر اس کا قلب خشوع سے متاثر ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے،

ایک مرتبہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں سے نماز میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو خشوع کے منافی تھے، آپ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ

واللہ لا یخفی علی رکوعکم و خشوعکم[2] خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع و خشوع پوشیدہ نہیں ہے،

---

[1] روح المعانی [2] بخاری باب الخشوع فی الصلوٰۃ،

مسند احمد ابن حنبل مین فضل ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے، جس سے خشوع کے مظاہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا،

الصّلوٰۃ مثنی مثنیٰ[۱] تشھد فی	رات کی نماز دو دو رکعت پڑھو، پھر چاہئے
کلّ رکعتین و تضرع وتخشع	کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، اور گریہ و
وتمسکن ثم تقنع یدیک الی	زاری خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب
ربک...... تقول یا رب یا ربّ	سے ہاتھ اٹھا کر کہو اے میرے رب، اے
فمن لم یفعل ذٰلک فقال	میرے پروردگار، اور جو شخص ایسا نہین کرتا،
فیہ قولا شدیدًا[۲]،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے
	مین بڑی سخت وعید فرمائی ہے،

اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ مین ملا علی قاریؒ فرماتے ہین کہ لفظ تخشّع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر یہ کیفیت نہ پیدا ہو، تو بہ تکلف اسے یہ کیفیت پیدا کرنا چاہئے[۳]،

ایک حدیث مین ہے،

لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع[۴]	جو شخص نماز مین بہ تکلف بھی خشوع نہ پیدا کرے اس کی نماز نہین ہوتی،

ایک حدیث مین ہے کہ قیامت کے قریب دلون سے جو پہلی چیز اٹھالی جائے گی وہ "خشوع" ہے

دوسری روایت مین ہے :۔

اوّل شئ یرفع من ھذہ الامۃ	اس امت سے پہلی چیز جو سلب کیجائے گی

۱؎ اس سے مراد رات کی نماز ہے، جیسا کہ بخاری مین ابن عمرؓ سے روایت ہے ۲؎ مسند فضل بن عباسؓ ترمذی باب التخشع ۳؎ الفتح الربانی تبویب مسند احمد ۴؎ مسند الفردوس، الجامع الصغیر،

الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعا | وہ خشوع (کی دولت) ہے،

صحاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے، کہ

اللھم انی اعوذ بك من قلب لا یخشع[۱] | اے اللہ میں غیر خاشع قلب سے پناہ چاہتا ہوں،

آپ رکوع میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے،

خشع لك سمعی وبصری ومخی وعظمی، | اے اللہ تیرے لئے میرے کان، آنکھیں، دماغ اور ہڈیاں سب جھک گئے ہیں،

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خشوع پیدا کرنے کی بار بار ترغیب و تاکید فرماتے، اور صحابہ کو اس کے سلب ہو جانے سے خوف دلایا کرتے تھے، اور بغیر خشوع قلب کی نماز سے پناہ مانگا کرتے تھے،

ہمیں اپنی نمازوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے، کہ اس میں یہ صفتیں پیدا ہو رہی ہیں یا نہیں، اور ہم اس کے بدلہ اجر و ثواب فلاح و سعادت کے مستحق ہوں گے، یا زجر و توبیخ عذاب و عتاب کے،

صحابہ اور خشوع

قرآن و حدیث کے احکام کے سامنے سر نیاز جھکا دینا، کمال ایمان کی دلیل اور سب سے بڑی سعادت ہے، صحابہ کرام کی سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی زبان سے جو کچھ اور جس طرح سنتے تھے، اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال لیتے تھے، ادھر کوئی آیت نازل ہوئی، ادھر صحابہ کے عمل سے اس کی تفسیر ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا، صحابہ نے اسے عملی جامہ پہنا دیا، زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا، اور صحابہ اس کا نمونہ بن گئے، اب ہم کو صحابہ کرام کی عملی زندگی میں اسی خشوع کی تفسیر دیکھنی چاہئے، کہ ان کی نمازوں میں اس صفت خشوع

---

[۱] ترمذی، نسائی و الجامع الصغیر

کی کہاں تک کار فرمائی تھی، اور ان کی پوری زندگی پر اس کا کیا اثر تھا، اور پھر غور کریں کہ عملی تعلیمات کے علاوہ انھوں نے نظری تعلیمات کے کیا کیا نقش چھوڑے ہیں،

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ستون ہے، جو بے حس و حرکت کھڑا ہے، اس حالت کو دیکھکر وہ کہا کرتے تھے، کہ

وکان یقال ذالک الخشوع[۵۱] اسی کو خشوع کہا جاتا ہے،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک کپڑا ہے، جو زمین پر ڈال دیا گیا ہے، "کانہ ثوب ملقی"

انہی کے متعلق دوسری روایت ہے کہ

کان اذا قام الی الصلوٰۃ نغفض فیھا صوتہ ویدہ وبصرہ، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو بدن آواز، آنکھ ہر چیز سے تواضع و خشوع کا اظہار ہوتا تھا،

حضرت عامر بن عبد اللہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور لڑکیاں دف بجایا کرتی تھیں، مگر ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی تھی[۵۲]،

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان پر ہر وقت آثار خشوع طاری رہتے تھے،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ

اول ما تفقدون من دینکم الخشوع وآخر ما تفقدون الصلوٰۃ تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہے، اور سب سے آخر میں نماز

---

[۵۱] فتح الباری ص ۱۰۴، [۵۲] مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۳۶،

وتنقض عری الاسلام عروۃ عروۃ [۱]، | کی ظاہری صورت اسی طرح آہستہ آہستہ اسلام کی تمام بنیادی چیزیں ترک ہو جائینگی ۔

ایک دوسری روایت میں ہے،

ورب مصل لاخیر فیہ اوشك ان تدخل مسجد الجماعۃ فلاتری فیہ خاشعاً | بہت سے نمازیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور قریب ہی ایک زمانہ آئیگا کہ تم مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھو گے اور پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع والا نہ ہوگا

حضرت عبادہ بن صامت سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے، حضرت عمر نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ایک شخص ہے کہ اسلام کی حالت میں اس کے بال سفید ہو گئے ہیں، مگر ایک وقت کی نماز بھی اس نے اللہ کے لئے مکمل نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا :-

لایتم خشوعھا وتواضعھا واقبالہ علی اللہ عزوجل فیھا [۲]، | وہ نماز میں خشوع وخضوع پورے طور سے پیدا نہیں کرتا، اور نہ اپنی پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مبذول رکھتا ہے۔

خشوع کا تعلق قلب سے ہے | اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خشوع قلبی کیفیت کا نام ہے، اعضاء سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کیفیت کے مظاہر ہیں، صحابہ کے اقوال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے،

حضرت عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ

یاصاحب الرقبۃ ارفع رقبتك لیس الخشوع فی الرقاب وانما الخشوع فی القلوب [۳]، | اے گردن نیچی کرنے والے اپنی گردن کو اٹھا، خشوع گردن کے اندر نہیں ہے، بلکہ وہ دلوں میں ہوتا ہے،

۲۹۵

۱؎ حاکم اور احمد نے روایت کی ہے، روح المعانی تفسیر سورۂ مومنون ۲؎ احیاء العلوم ص ۲۷ جلد ۱ ۳؎ مدارج السالکین جلد ۱ ص ۲۹۵

یعنی خشوع کا تعلق قلب سے ہے، اس میں تواضع، خاکساری اور عاجزی ہونی چاہئے، گردن و جسم کے جھکانے اور توڑنے مڑوڑنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

حضرت عائشہؓ نے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ بیماروں کی طرح بہت جھک کر چل رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ "نساک" اور "زہاد" کہے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا:-

کان عمر بن الخطاب اذا مشی اسرع	عمر بن خطابؓ جب چلتے تھے، تو تیز چلتے تھے،
واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع	جب بولتے تو بلند آواز کر سامع سُن لے اگر
واذا اطعم اشبع وکان ھو	کسی کو سزا دیتے تھے، تو سخت سزا دیتے تھے،
الناسك حقًا،[۱]	اگر کھانا کھلاتے تھے تو پیٹ بھر کھانا کھلاتے تھے، اور وہ یقیناً ناسک تھے،

خشوع نفاق اگر کسی شخص کے قلب میں خشوع نہ پیدا ہو، اور محض اپنے اعضاء و جسم سے صرف ریا کے لئے اس کا اظہار کرتا ہو تو احادیث و آثار میں ایسے خشوع کو خشوع نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس سے پناہ مانگی گئی ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تعوذوا باللہ من خشوع النفاق،[۲]	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوع نفاق کیا چیز ہے، آپ نے ارشاد فرمایا،

خشوع القلب والبدن ونفاق القلب[۳]	بدن جھکا ہوا ہو مگر قلب میں اس کیفیت کا اثر نہ ہو،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ خشوع نفاق سے بچو، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خشوع نفاق کیا ہے، آپ نے فرمایا:-

---

[۱] مدارج السالکین جلد ا ص ۲۵۵ [۲] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [۳] ایضاً،

الا تری الجسد خاشعا والقلب | تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار
لیس بخاشع[۵۱] | ہو رہا ہو مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو،

حضرت ابودرداءؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپنے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا۔

استعیذوا باللہ من خشوع النفاق[۵۲] | خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

خشوع کے منافی افعال | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضیلت سے تھا، آیندہ سطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی خشوع ہیں، کہ اُن کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے کہا کہ مجھے اٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے، اسے میں تم لوگوں تک پہنچا دینا چاہتا ہوں، پھر آپنے یہ الفاظ فرمائے،

لا یلتفت احدکم فی صلاتہ | نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ
فان کان لابد بہ فاعلا ففی | نہ ہو، اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر
غیر ما افترض اللہ تعالی علیہ | غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے، اور کپڑے یا
وترک العبث شیئا وشیٔ من | بدن سے نہ کھیلے، اور اس کے علاوہ جتنی
جسدک وانکالرمنا فاتہ للخشوع | چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرو،

مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ابتدا نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، | جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

---

[۵۱] در منثور تفسیر سورۂ مومنون [۵۲] مدارج السالکین [۵۳] روح المعانی و در منثور،

اس کے بعد سے آپ اور صحابۂ کرام نظریں سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے، اور سر کا اٹھانا کمر پر ہاتھ رکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا،

مستدرک حاکم اور بیہقی میں ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا

الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا
کنفك للمرء المسلم ولا تلتفت	مظہر یہ بھی ہے کہ تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان
فی صلاتك،	کو تکلیف نہ پہونچے، اور نماز میں ادھر ادھر

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کسی چیز سے شغل کرنا، اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہیں، اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضا پر سکون کی کیفیت طاری کرنا، یہ سب اس کے مظاہر ہیں،

ام رومان فرماتی ہیں، کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے نماز میں ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کو نچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ میں اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھوں نے کہا۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ
علیہ وسلم اذا قام احدکم	آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نماز کے لئے
فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لا یتمیل	کھڑا ہو تو چاہئے کہ اپنے اعضا کو پر سکون
تمیل الیھود فان سکون الاطراف	رکھے، یہود کی طرح نماز میں ادھر ادھر
فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ،	مائل نہ ہو، اس لئے کہ سکون اعضا تکملات
	نماز میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا،

انی احب لک ما احب لنفسی یعنی جو اپنے لئے پسند کرتا ہون، وہ

لا تفرقع اصابعک وانت تمھارے لئے بھی پسند کرتا ہون، نماز

تصلی، یعنی اپنی انگلیان نہ چٹخایا کرو،

صاحب البدائع والصنائع اس حدیث کے متعلق فرماتے ہین :-

لان فیہ ترک الخشوع، اس لئے کہ یہ فعل خشوع کے منافی ہے،

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ خشوع کا تعلق تو قلب سے ہے، مگر چونکہ اعضاء وجوارح سے اسی قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اعضاء وجوارح سے بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہئے جو اس قلبی کیفیت کے خلاف ہو، بلکہ نماز مین سارے اعضاء پر وہی کیفیت طاری ہونی چاہئے، جو ایک غلام پر اپنے آقا کے حضور مین عرض حاجت کے وقت ہوتی ہے، ذہن حاضر، نظرین نیچی، اعضاءٗ پر سکون وسکوت، غرضیکہ سارے بدن سے ذلت ومسکنت، عاجزی وخاکساری کے آثار نمایان ہونے چاہئین، عرض حاجت کے وقت تضرع وزاری اور التجا کا پیکر بن جاؤ، روئے اگڑگڑائے، اگر کسی شخص پر یہ کیفیت نہ بھی طاری ہو، تو وہ بتکلف اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرے،

علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کی تعبیر اوپر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے خشوع کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، آیندہ یہ دیکھنا ہے کہ علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کا مفہوم کیا ہے

خشوع کا تعلق پوری زندگی سے صوفیہ کے نزدیک خشوع کا تعلق صرف نماز ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ، اور ہر لمحۂ حیات سے ہے، تسلیم ورضا، انابت وخشیت، عاجزی وانکساری، تواضع وتذلل کی جو کیفیت نماز کے وقت ہوتی ہے، وہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے ہونی چاہئے، اور اس کا ثبوت، اسوۂ نبوی اور آثار صحابہ سے بھی مل سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک صحابیہ بیان فرماتی ہین،

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّع میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ

فی الجلسۃ ارعدت من الفرق (شمائل ترمذی) گوٹ مارے بیٹھے دیکھا تو رعب سے کانپ اٹھی

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع صرف نماز ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر ہر لمحہ سے ہے،

صحابہ کرام کے متعلق بھی احادیث و آثار میں کان خاشعاً علیہ اثر الخشوع . وغیرہ کا جو لفظ آتا ہے

اس سے بھی خشوع کا یہی عام مفہوم مراد ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ

صحابی بیان فرماتے ہیں، کہ میں مدینہ آیا، تو عبد اللہ بن سلامؓ کو دیکھا، کہ وہ مجلس میں بہت ہی تواضع و انکساری

کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ابو ہریرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں، جالسًا فی حلقۃٍ متخشعًا علیہ سیما الخیر[1]

حضرت علیؓ ھُمْ فی صلاتھم خاشعون کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

هوالخشوع فی القلب وان تلین خشوع یہ ہے کہ قلب میں خوف و خشیت،

کنفک للمرءِ المسلم وان لا اور مسلمانوں سے نرم خوئی رکھو (اور اس کا

تلفت فی الصلاۃ، ایک گوشہ یہ ہو کہ) نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو

صوفیۂ کرام نے جو اس صفت کے عملی نمونہ ہیں، خشوع کی اسی روح کو سمجھ کر اس کی ایسی تعبیر کی ہے

کہ اس کے اندر زندگی کا ہر کام حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے آجاتا ہے، لیکن چونکہ اس کا

اصلی محور نماز ہی ہے، اور اس کی پوری مشق دربار الٰہی کی حاضری کے بعد ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کی

تشریح بھی اسی کے ضمن میں ہوتی ہے،

اس لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے، کہ اگر کوئی شخص خشوع کی اس عام تشریح سے دھوکا

کھا کر بغیر نماز ادا کئے ہوئے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تو وہ اس صفت سے متصف نہیں

ہو سکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نمازوں میں یہ کیفیت پیدا کی جائے اس کے بعد آگے قدم بڑھایا جائے

---

[1] اصابہ ذکر عبد اللہ بن سلام [2] وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں،

ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہوگی، جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل پر جانے کی کوشش کرتا ہے،

اب علماء و صوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اس کی تشریح کیجاتی ہے،

امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ وما یلزم فیہا میں تحریر فرماتے ہیں :-

ویستحب للرجل اذا اقبل الی المسجد	جب کوئی شخص مسجد میں آنے کا ارادہ کرے
ان یقبل بخوف ووجل وخشوع	تو اُسے چاہئے کہ خوف وخشیت، تواضع
وخضوع،	وانکسار کے ساتھ آئے،

پھر اسی رسالہ میں دوسری جگہ اس کی اور تصریح فرماتے ہیں،

ان العبد اذا خرج من منزلہ	جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے لگے تو
یرید المسجد انما یاتی الجبار	اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے
الواحد القھار العزیز وان کان	سامنے آرہا ہے، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ
لا یغیب عن اللہ حیث کان	جہاں بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ نہیں ہوسکتا،
ولا یعزب عنہ تبارک وتعالیٰ	اور نہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بڑی
مثقال حبۃ من خردل ولا اصغر	یا چھوٹی چیز اس کی قدرت وعلم سے باہر ہوسکتی
من ذالک ولا اکبر فی الارضین	ہے .... (اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے
السبع ولا فی السموات السبع،...	کہ) وہ اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر میں
.... وانما یاتی بیتا من بیوت اللہ	آرہا ہے جس میں ضروری ہے، کہ اسی کا ذکر
یجب ان ترفع ویذکر فیہا اسمہٗ	اور اسی کا چرچا کیا جائے،
..... فاذا خرج من منزلہ فلیحدث	(جب وہ ایسے پرعظمت مقام پر جارہا ہے تو اسے

نفسه تفكرا وادبا غير ما كان فيه
قبل ذلك ...... وليخرج بوقار فان
النبي صلى الله عليه وسلم امر
بذلك ....
.... فانه كل من تواضع لله
عز وجل وخشع وخضع وذل
لله عز وجل كان اذكى
لصلاته واحرى لقبولها،

اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے دل و دماغ کو
دنیاوی تفکرات سے جس میں وہ اس سے پہلے
پڑا تھا ہٹا لینا چاہئے (اور اپنے تمام ارادوں
اور اپنی توجہات کو اس ذات قدوسی کے صفات
و کمال میں لگا دینا چاہئے) اور ارشاد نبوی
کے مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ
وہاں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی
خشوع و خضوع کے ساتھ اس دربار میں
حاضری دے گا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر
اور قبولیت سے قریب ہوگی،

...... فاذا قام احدكم في صلاته
فليعرف الله عز وجل في قلبه
بكثرة نعمه عليه واحسانه اليه
وان الله عز وجل قد وقره نعما
وانه اوقر نفسه ذنوبا فليبالغ
في الخشوع والخضوع لله عز وجل

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے
سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان
و اکرام سے اس کو سرتاپا ڈھانک لیا ہے، اور
اس نے ہر نعمت سے اسے نوازا ہے، اور اس نے
گناہوں سے اپنے نفس کو نہایت کثیف اور
بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونوں پہلوؤں
پر نظر ڈالتے ہی اُسے خشوع و خضوع،
تواضع و انکسار کا پیکر بن کر اس سے
مغفرت طلب کرنا چاہئے،

وقد جاء الحدیث ان اللہ اوحی	حدیث مین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام
الیٰ عیسیٰ بن مریم اذا قمت بین	سے یہ فرمایا کہ جب تم میرے سامنے عبادت
یدی فقم مقام الحقیر الذلیل	کے لئے کھڑے ہو تو اپنے نفس کو پورے
الذ ام لنفسه فانھا اولی بالذم	طور پر حقیر و ذلیل سمجھو، اور جب مجھ سے دعا
فاذا دعوتنی فادعنی واعضاؤك	کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو اس وقت سارے
تنتقض وقد جاء الحدیث ان	اعضاء تواضع کی وجہ سے گویا بے حس و حرکت
اللہ اوحی الی موسیٰ نحو	ہو جائین، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام
ذالك،	کے متعلق بھی ایک حدیث مین آیا ہے، (باقی)

له ص ۱۴ و ص ۱۵،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد ششم

یہ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے، اس مین پہلے اسلام مین اخلاق کی اہمیت بتائی گئی ہے، اور پھر اسلامی و اخلاقی تعلیمات اور فضائل ورذائل اور اسلامی آداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اخلاقی معلم کی حیثیت سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پایہ کتنا اونچا ہے،

قیمت قسم اول :۔ ۵ر قسم دوم للعہ ر بڑی تقطیع

" " " :۔ ۴عہ ر چھوٹی تقطیع

"منیجر"

ہندوستان مین علمِ حدیث

از

مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۳)

اب تک صرف تشبیب تھی، ہندوستان مین علم حدیث بسلسلۂ امام شوکانی کے اس عنوان پر جس کی تجدید عزیز فاضل مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف فیروزپوری نے (اہلِ حدیث امرتسر، ۲۹ر مارچ ۱۹۴۶ء ص ۹) فرمائی، مفاد یہ ہے کہ ہندوستان مین امام شوکانی کے تلامذہ بلا فصل مین مولینا منصور الرحمٰن صاحب دہلوی کا نام ہے، یہ مولوی عبد الوہاب دہلوی (م ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) کے اجازہ حدیث مین آتا ہے، اس کی تحقیق مقصود ہے،

مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی (گجراتی) نے اپنے والد مولانا محمد ہاشم (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) کا اجازہ مولانا منصور الرحمان بن شیخ عبد اللہ بن الشیخ نواب جمال الدین انصاری دہلوی (متوطن ڈھاکہ) سے ثبت فرمایا ہے، (اہلِ حدیث ۱۲ر اپریل ۱۹۴۶ء ص ۰) متضمن بہ تذکرہ تلمذ شاہ عبد الحیٔ بڈھانوی م ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء[1] امام شوکانی کے ہندوستان مین بلا واسطہ شاگرد یہ اصحاب ثلاثہ ہوئے، یعنی شیخ عبد الحق بنارسی مولانا منصور الرحمان

---

[1] اس کی توثیق نواب والاجاہ یون فرماتے ہین، "..... والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ این کتاب در ہند بقالب طبع رسید واول کسے کہ آنرا در ہند آورد وہ مولوی عبد الحیٔ مرحوم اند وایشان در سفر حج از دے سند فنِ حدیث ہم بطریق اجازہ بالکتابۃ حاصل نمودے بودند" (اتحاف النبلاء ص ۲۰۹)

دہلوی، شاہ عبدالحی بڈھانوی، مگر ہنوز،

ہرکس نگہے دارد ہرکس سخنے دارد

در بزم تو می خیزد افسانہ زافسانہ

اب امام کے چوتھے شاگرد کا ذکر جناب عبدالرحمن صاحب، (بی اے) نے کیا ہے، کہ شہید راہ خدا مولانا ولایت علی صادقپوری (اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون) (م ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء) امام شوکانی سے انتساب فی السند رکھتے تھے، اس کا تذکرہ مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مین کیا ہے، لیکن موصوف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہین دیا ہے، اس لئے یہ محتاج توثیق رہ گیا ہے[1] لیکن یہ صحیح نہین، اس اجازہ کا پورا ذکر الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور مین آیا ہے، چنانچہ مولینا ولایت علی صاحب کے تذکرہ کے ضمن مین مذکور ہے :۔

"مکہ معظمہ مین پہنچ کر آپ نے عبداللہ سراج محدث سے سند حدیث حاصل کی، عبداللہ سراج فرماتے تھے، کہ مولانا نے حدیث کے لفظون کی سند مجھ سے لی، اور معانی کی سند مین نے مولانا سے حاصل کی"

بعد از حج آپ ملک یمن، نجد، عسیر، مسقط، حضرموت، صنعا، حدیدہ مین دورہ و سیر کرتے رہے، اور قاضی علی شوکانی سے بھی جن کی ولادت ۱۱۷۲ھ ۱۷۶۰ء اور وفات ۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء مین واقع ہے، سند حدیث حاصل کی، اور ان کی چند تصنیفات درۃ البھیہ وغیرہ اُن سے لین، از ملک عرب سے بسواری جہاز مراجعت کرکے کلکتہ پہنچے"[2]

ہندوستان مین امام شوکانی کے پانچوین شاگرد بلاواسطہ جن کا نشان منزل امیر الملک بھوپال کے صدقہ ملا، وہ شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء) ہین، اور ان کا ذکر سادات اخیار قریہ چورہ مین کیا ہے، چنانچہ

---

[1] اخبار اہل حدیث، امرتسر بابت ۲۶ راپریل ۱۹۲۶ء [2] الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور، ص ۱۲۲

تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار میں بسلسلہ تذکرہ سید شاہ حسین علی، سید احمد سعید کالپوی کے متعلق مذکور ہے :-

"میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی، وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ است از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایون می تافت....." [۵]

سید حسین شاہ اسی صلب سعید سے ہیں، اور شیخ سندی کے اجازہ عن الشوکانی کے لئے اسی خاندان کے ایک خیر الاخلاف بزرگ ہیں، مختصر سا شجرہ سبب وضاحت ہوگا، یعنی

۱- میر سید محمد ترمذی کالپوی م ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء

۲- میر سید احمد م ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء

۳- شاہ فضل اللہ م ؟

۴- سید سلطان ابو سعید م ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء

۵- سید احمد سعید م ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء

۶- سید شاہ حسین علی م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء

۷- سید شاہ ابو سعید خیرات علی م ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء

۸- سید شاہ ظہور محمد م ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء

حضرات چورہ کا مختصر تذکرہ | میر سید محمد ترمذی کالپوی کے متعلق مذکور ہے :-

"اصل ایشان از سادات ترمذ ست آبائے کرام او در جالندر از توابع لاہور سکونت داشتند و پدرش میر ابو سعید در کالپی طرح اقامت ریخت، وے در عنفوان تحصیل بخدمت شیخ یونس کہ عالم عامل و محدث کامل بود تلمذ کرد، و تا مطول تفتازانی گزرانید، و اجازت حدیث فرا گرفت ......" و تتمہ کتب تحصیلی

---

[۵] تقصار جیود الاحرار ۲۰۵-۲۰۷

قدرے پیش مولانا عمر جاجموی واکثرے در حلقہ درس شیخ جمال اولیار کوڑوی گذرانید ۔۔۔۔"

"پیر آزاد گفتہ کہ وے در آخر عمر عیسوی المشہد بود و در مقام قطبیت کبریٰ متمکن گردید یعنی

چنانچہ احیار اموات از عیسیٰ علیہ السلام واقع میشد احیار قلوب از ایشان واقع شد"

" از مصنفات شریفہ تفسیر سورہ فاتحہ در واسخ بعبارت عربی، و رسالہ تحقیق روح و اسرار التوحید

وارشاد السالکین و رسالہ فنا و رسالہ عقائد صوفیہ و رسالہ عمل و معمول و رسالہ واردات است و در

۱۱۷۱ھ وفات شد رحمہ اللہ تعالیٰ" [۱]
۱۷۶۰ء

میر سید احمد بن میر سید محمد کا بیوی کے متعلق ہے :۔

"وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ ست از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و

نور ولایت از جبین ہمایون می تافت .... ابتدار حال دامن سعی با کتساب دانش صوری

بر زدند و از حسامی تا بیضاوی نزد شیخ محمد افضل الہ آبادی گذرانیدند ، [۲]

۳۔ شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد کا حال یون مذکور ہے :۔

"فرزند ایشان شاہ فضل اللہ جامع دانش صورت و معنی بودند و بر روش پدر و جد بزرگوار

قدمے راسخ داشتند" [۳]

۴۔ سید سلطان ابوسعید پسر شاہ فضل اللہ کے متعلق فرماتے ہین :۔

"بعد ایشان سلطان ابوسعید فرزند ایشان جانشین پدر شدند ، صاحب دوام حضور

وذوق سرور بودند و عرفان تخلص می کردند از نتائج طبع والاست"

دیروز کہ دل رفت ز کاشانہ ما	لیلی گویا برون شد از خانہ ما
امروز شنیدم انا لیلی می گفت	گلبانگ دگر شنو ز دیوانہ ما

---

[۱] نقصار جیود الاحرار ..... ص ۲۰۵ و ۲۰۶ ، [۲] ایضاً ص ۲۰۶ [۳] ایضاً صفحہ ۲۰۶ ،

وفات ایشان در ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۲ء بودہ بیرون الفردوس تاریخ وفات است[۱]"

۵۔ سید احمد سعید بن سید سلطان ابو سعید:۔

"بعدہ سید احمد سعید فرزند ایشان زیب افزاے سجادۂ آباے کرام و خضر راہ سرگشتگان بادیۂ غرام آمد میر آزاد می نویسند کہ چون فقیر بارادہ حجاز فیض طراز از بلگرام برآمد و بر موضع چدہ این طرف دریاے جمن عبور افتاد صحبت بابرکت ایشان را دریافت[۲]"

"میر آزاد بلگرامیؒ در علی پور چدہ او را دیدہ بود کما تقدم سال وفاتش ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء ہجری ست مادہ تاریخ وفات این مصرع باشد"

آواز شد زغیب کہ فی جنتی دخل[۳]"

۶۔ سید شاہ حسین علی بن سید احمد سعید کالپوی، (جنھون نے کالپی سے چدہ مین طرح اقامت ڈالی) کے متعلق ہے،

"سید حسین علی بیعت بر دست والد خود کردہ و جل اقامت مع الاستقامت در قریۂ چدہ انداخت، انتقال وے در ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء بودہ در مدرسہ دفن شد، محقق سادہ تاریخ وفات است[۴]"

(۷) سید شاہ ابو سعید معروف بہ سید شاہ خیرات علی فرزند شاہ حسین علی کا ذکر یون آیا ہے:۔

"در ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء از عدم بعرصہ گاہ وجود قدم نہاد آفتاب سیادت اکبر مادہ تاریخ ولادت شریفہ است ...."

"اکابر مارہرہ از مریدان او بیند مثل حافظ علی رضا بن شاہ بوندی بن شاہ برکات و سید سلطان اعالم و سید صاحب عالم ہم ایشان با وے بیعت کردند و ہم از پیش وے مجاز گردیدند"

---

[۱] تقصار جیود الاحرار ...... ص ۲۰۶ [۲] ایضاً ... ص ۲۰۷ [۳] ایضاً [۴] ایضاً ص ۲۱۰،

"میرزا حسن علی محدث لکھنوی نیز در طریقۂ علیہ نقشبندیہ ابو العلائیہ مرید جناب ایشان گردید وہم جناب ایشان از میرزا صاحب سند و اجازت کتب مرویۂ علم حدیث ستاندہ"

ع ما ہم غنیمتیم شما ہم غنیمت اید،

انتقال برکت اشتمال سید خیرات علیؒ در ۱۲۴۷ھ اتفاق افتاد"

پھر سید شاہ خیرات علی اور نواب والاجاہ کے والد (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ملاقات اور پیوند قرابت داری کے متعلق مذکور ہے :-

"والد مرحوم محرر سطور را با یشان ملاقات و محبت بود، از یشان پنج فرزند ماندند یکے سید نور محمد کہ بعد از پدر عالی قدر سجادہ آبا کرام را زیب و زینت بخشیدند، و در حسن خلق و تواضع و مہمان نوازی با خلق و خشوع و خضوع یافاق آیتے بود وفات ایشان در ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء رو داد "کلا ان کتاب الابرار لفی علیین" مادہ این وصال ست"

"فرزند بزرگ ایشان سید شاہ کاظم علی موصوف بودند بصفات حسنہ از خلق حسن و اشتغال بذکر و فکر، والد مرحوم دختر خواہر خود را درحبالۂ نکاح ایشان داد، محرر سطور بارہا با ایشان در وطن و در کدورہ و در بھوپال برخورد، پیر نورانی بودند در این نزدیکی در ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء بجوار رحمت حق آسودند و باجملہ خالی از کیفیت سلوک نبودند و در عسر و یسر بخندہ پیشانی و لطافت و ظرافت طبع میگذرانیدند[۱]"

۸- حضرت سید شاہ ظہور محمد (م ۱۲۸۸ھ ۱۸۷۱ء: تقصار ..... ص ۲۱۲ سطر ۶) کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

"......... فرزند دوم سید شاہ خیرات علی قدس سرہ حضرت شاہ ظہور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بودند"

---

[۱] تقصار جیود الاحرار، ص ۲۱۰،

"ولادتِ ایشان بسنہ ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء صورت بست لفظ ظہور محمدی، مادہ تاریخ سال مذکور است باقتضای این تاریخ ہمت ایشان در تقوی و زہد و معرفت و عبادت بسیار بلند افتادہ بود، علوم رسمیہ و فنون عرفیہ را در وطن و لکھنو بحلقۂ درس مولوی ولی اللہ و مولوی حیدر لکھنوی از فضلائے فرنگی محل اکتساب فرمودند، و طریقۂ بیعت بخدمت پدر بزرگوار خویش بجا آوردہ اجازت یاب گردیدند"

"ودر سفر دہلی کتب علوم دینیہ را از فقہ و حدیث و جز آن از خدمت شہرۂ آفاق مولوی محمد اسحاق مہاجر مکیؒ تحصیل نمودند، و سالیکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی و شاہ غلام علی مجددیؒ بجوار رحمت الٰہی انتقال کردند، جناب ایشان رونق بخش دارالعلم دہلی بودند، و در نماز جنازۂ این بزرگواران شریک ماندند"

ونیز کتب سنت مطہرہ مثل صحیحین و موطا مالک و بلوغ المرام نحو آن از میرزا حسن علی محدث لکھنوی شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی سند کردند و اجازت سلسلہ حدیث بدست آوردند"

"میل خاطر ایشان بسوئے عمل بالحدیث بیشتر بود، در سنہ ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء محمل سفر حجاز بیمنت طراز بربستند، و با برادر خرد خود حافظ سید سلطان احمد خویش میر میر علی قنوجی مراحل مسافرت پیمودند و بعد از تادیۂ فریضۂ حج زیارت مسجد نبوی و مرقد مطہر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم چہار دہ ماہ در جوار حرمین شریفین بسر آوردند و اکتساب انواع فیوض و برکات از علماء و مشائخ آنجا پرداختند، از آن جملہ قرأت صحیحین ست کہ این ہر دو اصل اصیل دین مبین را بر شیخ علامہ محمد عابد سندی مدنی، شاگرد قاضی القضاۃ اسمٰعیل قطب یمانی امام الائمہ محمد بن علی شوکانی رحمہما اللہ تعالیٰ گذرانیدند" و سند سلسلہ علیہ سنت مطہرہ بہم رسانیدند"[1]

---

[1] تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۲۱۱،

الغرض شیخ محمد عابد سندی مدنی ہندوستان مین امام شوکانی کے پانچوین شاگرد بلاواسطہ ہین

نکتہ اوج تام پر ماہ تمام آگیا — یعنی وہ چاند حسن کا برسر بام آگیا

شیخ عابد سندی کے متعلق ارشاد ہے،

"وھذا الشیخ محمد عابد کان — شیخ محمد عابد علامہ فقیہ و محدث تھے،

شیخا علامۃ فقیھا محدثا سکن — مدینہ مین سکونت اختیار فرمائی اور

المدینۃ و ولی ریاسۃ علمائھا — یہان کے علماء کے سرخیل سمجھے گئے،

...وتوفی الشیخ محمد عابد یوم — انھون نے یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول

الاثنین من شھر ربیع الاول — ۱۲۵۷ھ مین وفات پائی اور بقیع مین

۱۲۵۷ھ ودفن بالبقیع کذا ذکرہ — دفن کئے گئے،

(اتحاف النبلاء ص ۴۳)

یون تو امیر الملک نواب سید صدیق حسن خان کے سراپاے صدق وحسنہ کے لئے ابھی ایک دفتر درکار ہے، تا کہ

تم کو بھی ہم بتائین کہ مجنون نے کیا کیا — فرصت کشاکش غم ہجران سے گر ملے

مگر اب اس داستان کو ہم یہین ختم کرتے ہین، وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین۔

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن بجاے ۱۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط وکتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

قرآن پاک میں یہ لفظ بشکل فعل اور بصورت اسم متعدد جگہ آیا ہے، اور بہت سی چیزوں کو مختلف جہات سے فتنہ کہا گیا ہے، چونکہ یہ لفظ باعتبار معنی بہت سے پہلوؤں کا حامل ہے، اس لئے ہم اس کی تحقیق کرنی چاہتے ہیں، اور تعیین کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں، کہ فلاں فلاں مقام میں اس کے یہ معنی ہیں، اور اس میں یہ پہلو ہے تاکہ قرآن مجید کے طلبہ کو مطالعۂ قرآن کے وقت اس کے مفہوم کی تعیین میں سہولت ہو،

عربی زبان میں لفظ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہیں، چنانچہ لسان العرب میں جو لغت کی اہم کتاب ہے، ازہری اور صحاح جوہری کے حوالہ سے اس کی حسب ذیل تشریح درج ہے:-

الازھری وغیرہ جماع معنی الفتنۃ
الابتلاء والامتحان والاختبار واصلھا
ماخوذ من قولک فتنت الذھب والفضۃ
اذا اذبتھما بالنار لتمیز الردی من الجید
وفی الصحاح اذا ادخلتہ النار لتنظر ما جودتہ
ودینار مفتون؛
(لسان العرب جلد ۱۷ صفحہ ۱۹۳)

ازہری وغیرہ کہتے ہیں کہ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہیں، اور در اصل یہ لفظ فتنت الذہب الفضۃ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ چاندی سونے کو آگ پر اس لئے تپایا جائے کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے، اور صحاح جوہری میں بھی اس لفظ کی اصل یہی قرار دی گئی ہے، اور دینار کی صفت مفتون اسی

مذکورۂ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ اہلِ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ فتنہ کے اصل معنی کسی دھات کا آگ مین تپا کر اس کا کھرا کھوٹا الگ کرنا ہو اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسے کن کن معانی مین استعمال کیا ہے، اور ان معانی کا اصل اشتقاقی معنی سے کیا تعلق ہے ؟ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اولاً ان معانی کا احاطہ کیا جائے جن مین یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر اس اصل معنی سے مناسبت معلوم کیجائے،

لفظ فتنہ کے معانی قرآن پاک مین

قرآن پاک کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کی عقل اور اس کے عزم کے لئے وجہ امتحان اور آزمایش ہو، فتنہ ہے، دوسرے لفظون مین یون سمجھئے کہ وہ تمام چیزین جو انسان کی عقل وضمیر اور اس کے عزم واستقامت مین ضعف کا باعث ہون اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ پر قائم رہنا دشوار ہوجائے، فتنہ ہین، اس معنی کے اعتبار سے مال و دولت بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کی فراوانی مین کم لوگ ایسے ہوتے ہین جن کا عقلی توازن ٹھیک رہتا ہے، فقر و فاقہ بھی فتنہ ہے اس لئے کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت مین بھی بہت کم ایسے نکلتے ہین کہ راہ حق پر جن کا قدم استوار رہتا ہو، اور خدا کی مرضی پر صابر وشاکر رہتے ہون، اور جائز و ناجائز کی تمیز ترک نہ کر دیتے ہون، عہدہ ومنصب بھی فتنہ ہے کہ اس سے عموماً غرور پیدا ہوجاتا ہے، عہدہ دار اپنے کو خادم کے بجائے مخدوم سمجھتا ہے، اولاد بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کے آرام وراحت کے لئے انسان جائز و ناجائز کے حدود توڑ دیتا ہے، بیوی بھی فتنہ ہے، اس کی محبت بسا اوقات صحیح مذہب یعین سے انحراف کا باعث ہوتی ہے، کسی صحیح مسلک اور عقیدہ سے پھیرنے کے لئے جبر وتشدد بھی فتنہ ہے، کہ اس مین اہلِ حق کی حق پرستی اور عزیمت کا کھلا ہوا امتحان ہے، کافر کی خوشحالی بھی فتنہ ہے کہ یہ صورت حال مومن کے لئے بڑی وجہ ابتلا ہے، منافق کی وہ تدبیر اور داؤ پیچ بھی فتنہ ہے، جو اہلِ حق کے خلاف وہ عمل مین لاتا ہے، کہ اس سے حق پرستون کی آزمایش شدید سے شدید تر ہوجاتی ہے، ذیل مین ہم ان آیتون کو جن مین لفظ فتنہ آیا ہے، الگ الگ سرخیون کے تحت لکھتے ہین جس سے لفظ کے معنی اور پہلو دونون متعین ہو رہین گے، مثلاً

۱۔ راہِ حق سے پھرنے کے لئے جبر و تشدد برتنے کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا،

۱۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ
فِيْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ
جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ، فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

اور انھیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے
انھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی نکالو، اور
فتنہ قبیح ہونے میں قتل سے بھی بڑھکر ہے، اور
ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کرو یہاں تک
کہ وہ تم سے اس میں جنگ کریں، پس اگر وہ
تم سے جنگ کریں تو تم انھیں قتل کرو،
کافروں کی یہی پاداش ہے پس اگر وہ
باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے
اور ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ
کا قلع قمع ہو جائے، اور دین (طاعت)
اللہ کے لئے ہو جائے پس اگر وہ باز آجائیں
تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔

(بقرہ - ۲۴)

۲۔ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ
قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ
عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ
وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ

وہ تم سے حرمت والے مہینہ میں جنگ
کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں، کہدو اس میں
جنگ کرنا برا ہے، اور اللہ کی راہ سے
لوگوں کو روکنا اور خدا کا انکار اور مسجد
حرام سے روکنا اور حرم کے مستحقین کو اس سے
نکالنا، خدا کے نزدیک اس سے بدتر ہے، اور

عن دینکم ان استطاعوا (بقرۃ - ۲۱۷)

فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر قبیح ہے، اور وہ (کفار) برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں اگر انھیں اس پر قابو ہو جائے۔

۳۔ فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون و ملأھم ان یفتنھم وان فرعون لعال فی الارض وانہ لمن المسرفین وقال موسیٰ یٰقوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین فقالوا علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین (یونس - ۸۳ - ۸۵)

پس موسیٰ کی تصدیق بجز اس کی قوم کے کچھ نوجوانوں کے اور کسی نے نہ کی، بسبب اس کے کہ انھیں فرعون، اور آل فرعون سے اندیشہ تھا کہ انھیں فتنہ میں مبتلا کرے گا، اور بلاشبہہ فرعون سرزمین مصر میں ادھم مچائے ہوئے تھا اور وہ سرپھروں میں سے تھا، اور موسیٰ نے کہا اے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر تمھارے اندر اسلام ہے، پس انھوں نے کہا خدا ہی پر ہمارا توکل ہے، اے پروردگار ہمیں [ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا]

۴۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیم (ممتحنہ - ۵)

اے پروردگار ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا، اور اے پروردگار ہمیں بخش دے بیشک تو غلبہ والا حکمت والا ہے،

۵۔ ثم ان ربک للذین ھاجروا

پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگوں کو

مِنۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا اِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، (نحل - ۱۱۰)

جنھون نے مظلومیت اور فتنہ مین مبتلا کئے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا اور ثابت قدم رہے، بخشنے والا مہربان ہے

۶- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ،

(حج - ۱۱)

اور لوگون مین بعض ایسے ہین، جو خدا کی پرستش کنارے پر ہو کر کرتے ہین، اگر اُسے کچھ مال ہاتھ لگتا ہے، تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر کسی آزمایش سے دوچار ہو جاتا ہے، تو اپنے منہ کے بل برگشتہ ہو جاتا ہے، ایسا کرکے دنیا و آخرت دونون مین خسران کا مستحق ٹھرا لیتا ہے، اور یہی کھلا ہوا خسران ہے،

۷- اَلَمْ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ،

(۱-۳ عنکبوت)

کیا لوگ اس خیال مین ہین کہ صرف آمنّا کہنے سے چھوڑ دیے جائین گے، اور اُن کی آزمایش نہ ہوگی، حال یہ ہے کہ اُن سے پہلے لوگون کو ہم نے پرکھا، پس خدا ان لوگون کو جو صادق ہین، اور انھین جن کے قول و فعل مین مطابقت نہین ہو

۸- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

اور لوگون مین بعض ایسے ہین جو آمنّا کہتے ہین، پس جب اللہ کی راہ مین اسے

فتنۃ الناس کعذاب اللہ و لئن جاء نصر من ربک لیقولن انا کنا معکم اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین، (۱۰- عنکبوت)

ایذا دی جاتی ہے، تو انسانوں کے ہاتھوں جو ایذا اسے پہنچتی ہے اسے عذاب الٰہی کے مثل ٹھہراتا ہے، اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے، تو کہتا ہے، ہم تمھارے ساتھ ہیں، کیا خدا لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے، اس

۹- ان الذین فتنوا المومنین و المومنات ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنم و لهم عذاب الحریق، (بروج - ۱۰)

بلاشبہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کیا، پھر وہ اس سے باز نہ آئے، ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور بھڑکنے والی آگ کا دکھ ہے،

۱۰- و قاتلوهم حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کله لله فان انتهوا فان اللہ بما یعملون بصیر (انفال - ۳۹)

اور ان سے جنگ جاری رکھو، یہاں تک کہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے، اور پورے طور سے اطاعت خدا کے لئے ہو جائے، پس اگر وہ باز آجائیں، اور تائب ہو جائیں تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں، خدا کی نگاہ میں ہے

۱۱- و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکافرین کانوا

اور جب تم سفر میں ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو، اگر تمھیں اس کا خطرہ ہو کہ کافر تمھیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے، بلاشبہ کفار تمھارے کھلے ہوئے دشمن ہیں

۳- وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ (انفال)

اور کفار بعض بعض کے ولی ہین، اگر تم لوگ ایسا نہ کروگے تو زمین مین فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا،

اوپر جو آیتین درج کی گئی ہین، ان مین ہر جگہ یہ لفظ مخالفین حق کی تشدد آمیز مخالفتون اور مزاحمتون پر مشتمل ہے، بالفاظ دیگر باطل پرستون کے ہاتھون اہل حق پر جو نوع بہ نوع کے مظالم اختلاف عقیدہ اور اختلاف مسلک کی بنا پر ڈھائے جاتے ہین، تاکہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک سے باز آجائین، اس کی تعبیر اس لفظ سے کی گئی ہے،

(باقی)

حیاتِ شبلی

حصۂ اوّل

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحمری ہی نہین، بلکہ ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی سیاسی، علمی تعلیمی، ادبی اصلاحی، اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر اور خود مولنا کے بعض ہم عہد و ہم عصر علماء کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین،...... ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہیں، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک، صرف عہ، مجلد لعہ،

"مینجر"

ملا فصیح الدین پھلواروی جامع فتاوی عالمگیری

جناب عون احمد صاحب قادری

دسمبر اور جنوری کے معارف میں حافظ مجیب اللہ صاحب کا مضمون "فتاوی عالمگیری اور اس کے مولفین" نظر سے گذرا، جب تک یہ مضمون ختم نہ ہوا تھا خیال تھا کہ پھلواری کے وہ بزرگ جنھوں نے اس کی تدوین میں شرکت کی ہے، ان کا بھی ذکر آئے گا، مگر جنوری کا پرچہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ صاحب مضمون کو اس کا علم نہیں ہے کہ پھلواری کے کوئی فاضل بھی اس کی تالیف میں شریک رہے ہیں اور اگر علم ہے تو ان کا تفصیلی حال معلوم نہیں، اس لئے ذیل کی سطریں برائے اشاعت پیش ہیں،

ملا فصیح الدین جعفری ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا، وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے، تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہہ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر تکمیل کی سلطان عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا، استاد دربار شاہی کے ممتاز لوگوں میں تھے ملا فصیح الدین اپنے استاد کے ذریعہ عالمگیر کے دربار میں پہونچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاوی عالمگیری کی تدوین میں شریک کئے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کر کے مدد معاش میں ایک سو بیس ۱۲۰ بیگہہ آراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لئے عطا فرمایا،

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ میں درس دینا شروع کیا، ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابوں میں ملتا ہے، یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا اس میں

حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علماء و فضلا درس دیا کرتے تھے، یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا،

ملا فصیح الدین کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، پھلواری کے متقدمین علماء مین ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی، ارشد تلامذہ مین موصوف کے چارون صاحبزادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہین،

بڑے لڑکے ملا صبیح الدین ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت سے لوگون نے ان سے علمی فیض حاصل کیا، ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے، ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنون خالی رہی، پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولانا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے،

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ مین وفات پائی، اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ مین مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

ملا فصیح الدین کے صاحبزادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالمگیر کی طرف سے جو فرمان تھا اس مین اس کا تذکرہ موجود ہے، فرمان طویل ہے اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہون،

"درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانۂ بلدۂ عظیم صوبہ بہار و یکصد و بست بیگہہ زمین از پرگنہ پھلواری مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوی بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود الحال بمتعلقان ملا مذکور متوفی بلاقید اسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد"

یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ رجب دوشنبہ ۱۱۲۰ھ مین تجدید کیا گیا تھا

ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا اس مین بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا مگر وہ ضائع ہوگیا،

(۲)

از جناب مولوی سید شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی

حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاویٰ عالمگیری مین ہونا یہان کے خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر مین بھی آئی تو بہت بعد مین، ان کے ہم عصرون مین سے یا ان کے متصل مؤلفین مین سے کسی کا نوشتہ موجود نہین ہے، اس زمانہ کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکرون مین بزرگون کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے،

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان مین جو روایت مسلسل چلی آرہی ہو وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہین ہوسکتی، اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہوسکتا ہے،

اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی و اکبری مین یہان آکر مقیم ہوئے، خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی مین تھے لیکن وہان ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی،

ابو الفضل کے اکبر نامہ مین بضمن وقائع ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے، خدا بخش خان صاحب مرحوم کی لائبریری مین شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل مین موجود ہے، شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک پٹنہ کے جنوب مین بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دیئے تھے تاکہ پٹھانون کو سر اٹھانے کا موقع نہ دین، اسی زمانہ مین خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہان آئے یہ عبد اللہ ابن جعفر طیار رضی کی اولاد سے تھے، اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے، امیر عطاء اللہ نے یہان سنگِ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے جہان جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے، اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے، اسی مسجد مین ملا فصیح الدین

درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے، اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالمگیر نے از روئے فرمان مجریہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا جو از روئے پروانگی و مہر "اخلاص خان" ملا صاحب موصوف کے فرزندون کو ملا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو:-

"... ملا مذکور شاگرد اخوند ملا عوض وجیہ... متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ یومیہ و بست بیگہہ زمین مدد معاش از سابق دارد و بجر دعا گوئی کند امیدوار از تفضلات... و یومیہ مسجد بان قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگہہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ و دانستہ"[۱]

اس فرمان سے ظاہر ہوگا کہ ملا فصیح الدین شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا،

پس فتاویٰ عالمگیری کے جمع کرنے مین انھون نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے، تاریخ تو بہت سے خاندانی رواجون، روایتون اور انفرادی نوشتون، دفینون اور سفینون کو اکٹھا کر کے بنائی ہی جاتی ہے، پھر پھلواری کے ذی علم و معتمد خاندان کی روایت تاریخ کا ماخذ کیون نہین بن سکتی ہے،

---

[۱] معارف "یک روپیہ و یک صد و بست بیگہہ زمین" (؟)

لغات جدید

تلخیص و تبصرہ

"وجود باری تعالیٰ"(۱)

از

جناب خواجہ احمد فاروقی، ایم اے، لکچرار، عربک، کالج، دہلی

ماریس (A. Cressy Morrison) کی جو نیویارک کی سائنس اکاڈمی کا صدر رہ چکا ہے تازہ تصنیف "انسان الگ کھڑا نہین رہ سکتا" (Man Does not Stand alone) ابھی حال مین نیویارک سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مطالعہ نے میرے دل و دماغ پر عجیب وغریب اثر ڈالا، مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اس مین وجود باری تعالیٰ پر جس انداز مین گفتگو کی گئی ہے اوس کو معارف کے ناظرین تک بھی پہنچاؤن، ذیل مین اس عنوان پر اس کی تحریر کی ضروری تلخیص پیش ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"ابھی سائنس کا آفتاب پوری طرح افق سے طلوع نہین ہوا، لیکن جیسے جیسے اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، یہ حقیقت بھی آشکارا ہو رہی ہے، کہ اس دنیا کی تخلیق ایک زیرک اور ہوشمند خالق کے ہاتھون ہوئی ہے، ڈارون کے انتقال سے اب تک اس نوّے برس مین عظیم الشان ایجادات وانکشافات ہوئے ہین، لیکن وہ سب وجود باری تعالیٰ کی نفی کے بجائے اس کے اثبات کا یقین دلاتے ہین،

زندگی کے لئے جن چیزون کی ضرورت ہے ان مین ایک باہمی رابطہ اور تعلق ہے، یہ تعلق محض اتفاقی نہین ہے، بلکہ بڑی دانائی اور حکمت سے قائم کیا گیا ہے، مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ

کے حساب سے گھومتی ہے، اگر وہ صرف سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے گردش کرتی، تو ہمارے دن اور ہماری راتین دس گنی زیادہ بڑی ہو جاتین، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سورج کی گرمی ہماری کھیتیون کو جلا ڈالتی اور رات کو بچی کھچی پھونگلین پالے سے ماری جاتین،

سورج ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی سطح کا ٹمپریچر ۱۲۰۰۰ ڈگری فارن ہائٹ ہے، ہماری زمین اس سے ایسے صحیح اور مناسب فاصلہ پر واقع ہوئی ہے، کہ آفتاب کی تمازت ہمین ٹھیک مقدار مین حاصل ہوتی ہے، وہ نہ کم ہے، اور نہ زیادہ، اگر آفتاب کی شعاع افشانی مین بقدر نصف کے کمی ہو جاتی تو ہم جم کر مرجاتے. یا اگر اس کی تمازت اور ضو افگنی بقدر نصف کے زیادہ ہو جاتی، تو ہم جل کر کباب ہو جاتے،

زمین کا خم یا ڈھلان ۲۳ ڈگری کا ہے، اس سے موسمی تبدیلیان واقع ہوتی ہین، اور اگر کرۂ ارض اس طرح ادہر کو اٹھا ہوا نہ ہوتا تو سمندر کی بھاپ شمال اور جنوب کی طرف جاتی، اور ہزارون لاکھون برف کی چٹانین قائم ہو جاتین، اسی طرح اگر چاند موجودہ فاصلہ کے بجائے ۵۰ (پچاس) ہزار میل دور ہوتا، تو مد و جزر اتنا سخت ہوتا، کہ دن مین دو دفعہ سارے براعظم پانی مین ڈوب جایا کرتے، اور یہ پہاڑ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے،

اگر زمین کا پرت (قشر ارض) دس فٹ اور موٹا ہوتا، تو ہمین آکسیجن مطلق میسر نہ آسکتی، اور یہ ظاہر ہے کہ آکسیجن کے بغیر زندگی محال ہے، اسی طرح اگر سمندر چند فٹ اور گہرا ہوتا، تو کاربن اور آکسیجن دونون جذب ہو جاتے، اور نباتات مطلق نہ اُگ سکتی، یا اگر کرۂ ہوا کچھ زیادہ ہلکا ہوتا تو شہاب ثاقب ہر وقت زمین سے ٹکراتے رہتے، اور ہر جگہ آگ لگاتے رہتے،

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالین اس صانع حقیقی کی حکمت اور دانائی کی سب سے بڑی شہادتین ہین اور بتاتی ہین کہ زندگی کا ان چیزون سے رابطہ محض اتفاقی نہین ہے،

زندگی کیا ہے؟ یہ راز اب تک کسی کو نہین معلوم ہو سکا، اس کی نہ پیمایش ہو سکتی ہے نہ اس کا

کچھ وزن ہے لیکن اس مین قوت ضرور موجود ہے، اُگنے والا پودا پتھر کو توڑ کر نکل آتا ہے، اسی زندگی کی قوت نے پانی، خشکی اور ہوا، پر قبضہ کر لیا ہے، عناصر پر اسی کی حکمرانی ہے، یہی تمام زندہ چیزون کی صورت گری کرتی ہے، ہر پتی کو بناتی ہے، اور ہر پھول کو رنگ بخشتی ہے، وہ ہر چڑیا کو محبت کا گانا سکھاتی ہے، چھوٹے چھوٹے کیڑون کو بھی وہ گوناگون آوازین عطا کرتی ہے، یہی زندگی ہے جو پھلون اور مسالون کو ذائقہ اور گلاب کو خوشبو دیتی ہے، وہ پانی اور کاربن کو شکر اور لکڑی مین تبدیل کر دیتی ہے، اور اس طرح آتنا آکسیجن پیدا کرتی ہے جو جانورون کے سانس لینے کے لئے ضروری ہے،

ذرا اس تخم مایہ (یا مادۂ اولی) کے تقریبًا نظر نہ آنے والے قطرے کو دیکھئے، جو شفاف ہے، اور جیلی کی مانند ہے، جو حرکت کر سکتا ہے، اور اپنی قوت (energy) سورج سے حاصل کرتا ہے، یہ چھوٹا سا قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ چھپائے ہوئے ہے، اور اسے اتنی قدرت ہے، کہ وہ اس زندگی کو دوسری چھوٹی بڑی زندہ چیزون کو تقسیم کر سکتا ہے، اس نازک قطرہ کی قوت نباتات، حیوان اور انسان سے زیادہ ہے، اس لئے کہ زندگی اسی کے ذریعہ آئی ہے، یہ زندگی کس نے پیدا کی؟ آتیشن چٹان اور بے نمک سمندر اس کو پیدا نہین کر سکتے تھے،

چھوٹی سی سامن (Salmon) مچھلی سمندر مین برس ہا برس گزار دیتی ہے، لیکن پھر اسی دریا مین پہنچ جاتی ہے، جہان وہ پیدا ہوئی تھی، اور لطف یہ ہے کہ وہ معاون دریا کے اسی راستہ سے جاتی ہے جس سے آئی تھی، آخر اس کو یہ سمجھ کہان سے آئی،؟ اگر آپ اس کو کسی اور معاون دریا مین پہنچا دین، تو اس کو فورًا معلوم ہو جائے گا، کہ یہ غیر جگہ ہے، اور وہ اس کی پوری کوشش کرے گی کہ اصل دریا مین پہنچ جائے،

ایسے ہی بام مچھلی (eel) کا معاملہ ہے، یہ بالغ ہوتے ہی تالابون اور دریاؤن سے ترک سکونت کرتی ہین، اور یورپ والیان تو ہزارون میل کا سفر کر کے برمودا (Bermuda

کے بے کراں سمندر میں پہنچتی ہیں یہیں ان کے بچے ہوتے ہیں، اور یہیں وہ مر جاتی ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ ان کے بچے انھیں دریاؤں اور تالابوں میں پہنچتے ہیں، جہاں سے اُن کے والدین آئے تھے، کوئی امریکی بام مچھلی آج تک یورپ میں نہیں ملی، اور کوئی یورپی ایل امریکہ کے سمندر میں نہیں پائی گئی،

یورپ کی بام مچھلی دوسری جگہوں کے مقابلہ پر ایک سال بعد بالغ ہوتی ہے تاکہ وہ اس وسیع و عریض سمندر کا سفر طے کر سکے،

کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، جو یہ سمجھ دیسکتا ہے ؟ یہ چیزیں مادۂ قبول یا مطابقت پذیری (Adaptation.) سے نہیں آسکیتں

انسان کو اللہ نے عقل دی ہے، وہ صدیوں کے تجربات کا حامل ہے، کوئی جانور دس کے معنی نہیں بتا سکتا، یہ شرف انسان کو حاصل ہے، اگر جبلت کو بانسری کے سُر سے تشبیہ دی جائے، تو کہا جا سکتا ہے کہ انسانی ذہن میں تمام راگ راگنیوں کے سُر محفوظ ہیں، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالمگیر یا کلّی عقل کا ایک حصہ ہمیں بھی عنایت فرمایا ہے،

Genes اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر تمام انسانوں کے (Genes) کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے، تو وہ چمچی بھر سے بھی کم ہوں گے، لیکن اس کے باوجود خوردبین سے بھی نظر نہ آنے والے (Genes) اور ان کے ساتھی (Chromosomes) ہر زندہ خلیہ میں رہتے ہیں، اور وہی انسان حیوان اور نباتات کی خصوصیات کے ذمہ دار ہیں، حیرت ہے کہ (Genes) کسی طرح ہمارے اسلاف کے تمام ورثہ کو بند کر لیتے ہیں، اور ہر ایک کی نفسیات کو اتنی چھوٹی سی جگہ میں محفوظ رکھتے ہیں، اللہ کے وجود کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، کہ بیس کھرب انسانوں کی انفرادی خصوصیات ایک جگہ آسکتی ہیں،

نشو و نما کا عمل خلیہ سے شروع ہوتا ہے، جو (Genes) کا حامل ہے، اس (Gene)

مین لاکھون اجزاے لایتجزیٰ (Atoms) رہتے ہین، اور وہی ساری زندگی پر حکمرانی کرتے ہین یہ صرف خدا ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے،

ناگ پھنی کا پیڑ آسٹریلیا مین حفاظت کے طور پر لگایا گیا تھا، وہان کوئی کیڑا اس کا دشمن نہین تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اتنا پھیلا کہ انگلستان سے زیادہ رقبہ پر اس کا قبضہ ہوگیا، اس سے کھیتون کو سخت نقصان پہنچا ماہرین حشریات نے بالآخر ایک کیڑا دریافت کیا، جو صرف ناگ پھنی کھاتا تھا، اور بلا دقت پیدا ہوتا تھا آسٹریلیا مین اس کا کوئی دشمن بھی نہین تھا، چنانچہ اس جانور نے غیر ضروری پیداوار پر قابو پالیا اور آسٹریلیا سے یہ مصیبت رفع ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی روک تھام ہر جگہ رکھی ہے،

جلدی سانس لینے والے کیڑے دنیا مین زیادہ کیون نہین ہین،؟ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُن کے آدمی کی طرح پھیپھڑے نہین ہوتے، وہ نلکی کے ذریعہ سانس لیتے ہین، جب یہ کیڑے بڑے ہوجاتے ہین، ان کی نلکیان اُن کے جسم کی نسبت سے نہین بڑھتین، اسی وجہ سے ان کی نسل زیادہ نہین پھیل سکی، اگر یہ روک تھام نہ رکھی جاتی، تو انسان کا زندہ رہنا محال ہوجاتا، اور ایک بھڑ شیر کے برابر ہوجاتی،

ذرا نباتات کی دنیا پر بھی ایک نظر ڈالئے، کون ہے جو ان خوبصورت پھولون کو اگاتا ہے کون ہے جو ہلکی ہلکی بارش سے ان کی آبیاری کرتا ہے ؟ کون ہے جو اُن کو رنگ و بو عطا کرتا ہے؟ کون ہے جو اُن کی نرم و نازک پتیون کو پھیلاتا ہے ؟ گلاب کا پھول اپنی باصرہ نواز سرخی اور سوسن کا پھول اپنی درخشان سفیدی کس طرح اس خاک تیرہ رنگ سے حاصل کرتے ہین ؟ کیسے ایک ننھے سے بیج مین سارا پودا چھپا ہوتا ہے؟ کون ہے جو ان پودون کو پھولنے پھلنے کا وقت بتا دیتا ہے، آم سے کبھی شفتالو نہین پیدا ہوتا، اور شفتالو سے کبھی آم نہین پیدا ہوتا، یہ اللہ کی قدرت کے کچھ کم کرشمے ہین ؟

خدا کے وجود کا ادراک صرف انسان ہی کر سکتا ہے، اور کوئی نہیں، وجود باری تعالیٰ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، جب انسان کا صحت مند تخیل، روحانی حقیقت بن جاتا ہے، تو اُسے ذرہ ذرہ مین خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے، اور اس پر باری تعالیٰ کی حکمت اور کائنات کے سربستہ راز کھلنے لگتے ہین،

استفسار و جواب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا نسب نامہ

جناب سید دل محمد صاحب نقشا،
گورنمنٹ ہائی اسکول ہوشیارپور

گرامی نامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ یہ مضمون مضامین عالمگیر میں کتابی صورت میں شائع ہوچکا ہے یہ مضمون گمراہ کن ہے، اس کی تردید ضروری ہے، خود حضرت نے اپنے قصیدہ میں فرمایا ہے کہ میں حسنی حسینی سید ہون، وغیرہ، آپ سے تحریک کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مقالہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کی تردید کلیتہً ہو جائے، معارف کے جس پرچہ میں شائع ہو، اس کی ایک کاپی مجھے ارسال فرمادین،

معارف:۔ میں پچھلے عریضہ میں عرض کر چکا ہون کہ وہ دلائل میری نظر سے نہین گذرے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے متعلق کسی نے کچھ لکھے ہین، اور نہ اتنی فرصت ہے کہ ملک کے مختلف گوشون میں جو کوئی نئی بات کہتا پھرے خواہ وہ کتنی ہی بے سند ہو، اس کی تردید اپنے اوپر فرض کرلیجائے، اہل نظر کی نگاہون میں ایسی تحریرین خود وقعت نہین رکھتی ہین، اور نہ اُن کے رد کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اس لئے مجھے آپ اس سے معاف فرمائین،

البتہ آپ کی تشفی کے لئے آپ سے عرض ہے، کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا نسب نامہ جو معتبر ماخذ میں ہے، اس سے ان کی سیادت واضح ہے، نسب نامہ درج ذیل ہو،

"الشیخ عبد القادر بن ابی الصالح عبد اللہ بن جنکی دوست بن ابی عبد اللہ بن یحییٰ بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجوزی بن عبد اللہ المحض بن الحسن المثنی ابن الحسن بن علی بن ابی طالب الجیلانی،

یہ مذکورہ بالا نسب نامہ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب" (جلد ۴ ص ۱۹۸) سے نقل کیا گیا ہے، جو اتفاقاً اس عریضہ کی تسوید کے وقت میز پر موجود ہے، اس کی تصدیق متقدم و متاخر دیگر تصنیفات سے بھی کی جا سکتی ہے،

مثلاً یافعی المتوفی ۷۶۸ھ کی مرآۃ الجنان میں بھی یہی نسب نامہ محض بعض ناموں کے جزئی فرق کے ساتھ موجود ہے، حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی ہے (ابن اثیر حوادث ۵۶۱ھ و دیگر کتب تراجم) یافعی کا زمانہ اُن سے کچھ زیادہ دور نہیں، پھر یافعی سے ایک صدی پہلے شیخ نور الدین شطنوفی کی بہجۃ الاسرار لکھی گئی ہے اس کا پورا نام بھجۃ الاسرار و معدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشائخ الابرار" ہے، اس کا زمانۂ تصنیف ۶۶۰ھ ہے، یعنی شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی وفات کے سو سال کے اندر یہ کتاب تصنیف پائی ہے، اور اس میں حضرت شیخ عبد القادر کو سادات اخیار میں شمار کر کے سب سے پہلے انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس میں ان کا لفظ بہ لفظ وہی نسب نامہ ہے جس کو یافعی نے نقل کیا ہے، (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰۴، وحاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰،)

اسی طرح متاخرین میں شیخ محمد بن یحییٰ تاؤفی حنبلی المتوفی ۹۶۳ھ نے اپنی قلائد الجواہر

مین اور شیخ عبد الوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے اپنی الطبقات الکبریٰ مین شیخ کا یہی نسب نامہ قبول کیا ہے، جس کا سلسلہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم پر تمام ہوتا ہے، (حاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰، و الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۸)

اس طرح اگر استقصاء سے دیکھا جائے تو شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی وفات جس صدی مین ہوئی، اس کے بعد سے ہر صدی کی مشہور و مستند کتب تذکرہ و تاریخ مین انہین سادات مین شمار کیا گیا ہے، اور جزئی نامون کے فرق کے ساتھ وہی نسب نامہ نقل ہوتا آرہا ہے، جو ساتوین صدی کی تصنیف مین بھی موجود ہے، اس لئے متقدمین و متاخرین کے ان بیانون کا رد نہین کیا جا سکتا، عقلی قیاس آرائیان تاریخی حقائق کو بدل نہین سکتین،

یہ صحیح ہے کہ بعض شاذ روایتین ایسی بھی ہین جن مین حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی سیادت سے انکار کیا گیا ہے لیکن یہ خیال شریف مین رہے، کہ اس خانوادہ کو نسبی سیادت کے ساتھ ایک قسم کی مذہبی و روحانی سیادت کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا، اور اس زمانہ مین متصوفین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جس نے تصوف کو اپنی دنیا طلبی کا ذریعہ و وسیلہ بنا لیا تھا، اس لئے اگر معاصرانہ چشمک سے کسی نے اس خانوادہ کی سیادت پر طعن کیا ہو تو وہ اعتبار کے لائق نہین، ان معترضین نے حضرت شیخ کے نسب نامہ مین جنگی دوست کے نام کے موجود ہونے سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے اگر یہ عجمی نام ہے لیکن عجیب قسم کا اعتراض ہے، عربون کے جو خانوادے عجم مین آکر رہ گئے ہیں، اگر ان کے جدید وطن کے اثر سے ان کے خاندان کے کسی نام مین عجمیت آگئی ہو، تو یہ کونسی ایسی بات ہے کہ اس کی بنیاد پر ان کے عرب ہونے سے انکار کر دیا جائے، آپ کو ایسے بیسیون خانوادون کے شجرے مل سکتے ہین، جو عرب سے نکلے، اور اُن کے نامون مین عجمیت کا اثر آگیا،

پھر یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ کے شجرہ نسب مین "جنگی دوست"

نام ہوگیا ہے وہ بظاہر نام ہونے کے بجائے لقب یا عرف معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شذرات الذہب اور مراۃ الخیال کے نسب ناموں مین ناموں کے بعض جزئی فرق پائے جاتے ہین ان مین سے ایک شذرات الذہب مین اسی نام جنگی دوست" کا اضافہ بھی ہے، یہ اضافہ نہ یافعی کی مراۃ الجنان مین ہے نہ بہجۃ الاسرار مین نہ قلائد الجواہر مین ہے، اور نہ شعرانی کی طبقات مین اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہ خیال ہوسکتا ہے، کہ جنگی دولت" کوئی مستقل نام ہونے کے بجائے" شیخ ابو صالح یا ابو عبد اللہ کا لقب ہوا جس کو بعض مورخین نے ایک مستقل نام تصور کر لیا، اور اس کی بنیاد پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی سیادت و غیر سیادت کی بحث چھڑ گئی، اور پھر یہین سے شیعہ اہل قلم کو موقع ملا، انھون نے اس کو غیر معمولی طور پر اچھالا، ورنہ درحقیقت یہ ساری بحثین لغو ہین، کہ دراصل یہ موضوع ہی سرے سے ایسا نہ تھا، کہ اس کی تحقیق و اثبات پر ہم اور آپ وقت صرف کرتے، مگر محض آپکے بار بار کے اصرار کے باعث یہ چند سطرین لکھنی پڑین، بہرحال آپکے ارشاد گرامی کی تعمیل ہو جائے گی، اور پچھلے اور اس عریضہ کو ملا کر زیر ترتیب معارف مین چھپنے کو دیدیا جائے گا،

والسلام " س "

علامہ مرتضیٰ زبیدی

مولوی ابوالقاسم صاحب فاروقی حنفی
بحری آباد ضلع غازی پور

علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کے مکمل حالات وسنہ ولادت و وفات معہ اسامی تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطلوب ہین، و نیز یہ کہ کیا علامہ موصوف کے دو نام ہین، محمد مرتضیٰ و عبد الرزاق؟ اور کیا علامہ موصوف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد ہین؟ اگر ہین تو

بثبوت مین تاریخ وسیر کی کوئی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو اُن کے شاگرد ہونے کے لئے نص قاطع کا حکم رکھتی ہو، و نیز موصوف کے مفصل و مبسوط حالات کن کن کتابون مین ملین گے امید ہے کہ خدمت علم کے بیش بہا اوقات گرامی کا کچھ حصہ اس پر صرف فرماکر شاکر ہونیکا موقع عنایت فرمادین گے، فقط والسلام

معارف:- آپ کی یاد دہانی بار بار ملتی گئی آپکے استفسارون مین جو دوسرا سوال باقی رہ گیا تھا، اس کا مدت کے بعد جواب دے رہا ہون، علامہ مرتضیٰ زبیدی کے مختصر سوانح وسنین، اور مؤلفات کا حال درج ذیل ہے :-

مرتضیٰ زبیدی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، پورا نام و نسب شیخ ابوالفیض سید محمد بن محمد بن عبد الرزاق ہے، ان کا خاندان واسط سے ہندوستان مین آیا، اور بلگرام مین سکونت اختیار کی، ان کی پیدائش بلگرام مین ۱۱۴۵ھ مین ہوئی، وہین نشو ونما پائی، اور علمائے وقت سے علوم کی تحصیل کی، اُن کے شیوخ مین شیخ محمد فاخر الہ آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے نام آتے ہین، انھون نے اپنے شیوخ کا معجم بھی لکھا تھا، ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، اس معجم مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی موجود ہے، اس لئے اس نسبت مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین، اور نہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے،

وہ ہندوستان سے یمن تشریف لے گئے، اور مقام زبید مین مدتون مقیم رہے، اس نسبت سے زبیدی کہے گئے، حج کی سعادت بار بار حاصل کی، اس سلسلہ مین مکہ معظمہ مین مصر کے شیخ وقت سید عبدالرحمن عیدروس سے شرف نیاز حاصل ہوا، اوران کے حلقہ ارادت مین داخل ہوگئے، پھر اس تعلق سے ۱۱۶۷ھ مین مصر وارد ہوئے، اور مصر کو اپنا مرکز رکھکر مختلف دیار و امصار مین گئے، اور وہان کے شیوخ سے علم حدیث اور دوسرے فنون کی مزید تحصیل کی، پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف مین زندگی گذاردی

ماہ شعبان سنہ ۱۲۰۵ھ مین مصر مین طاعون مین مبتلا ہوکر وفات پائی، اور مشہد سیدہ رقیہ مین دفن کئے گئے بجز تصنیفات کے کوئی نسلی اولاد ان کی یادگار نہ تھی،

ان کی تصنیفات مین زیادہ شہرت قاموس کی شرح تاج العروس کو حاصل ہوئی، یہ دس ضخیم جلدون مین ہے، اور ۱۴ سال مین تصنیف پائی تھی، اس کی تصنیف سنہ ۱۱۸۱ء مین اختتام کو پہونچی، اس کی خوشی مین علمی جشن منایا اس تصنیف سے عالم اسلامی مین ان کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، اور انکے علم وفضل کا چرچا دور دور پھیلا، اُن کے علم وفضل کے سلاطین قدردان تھے، حجاز، ہندوستان، یمن، شام، عراق، مغرب اقصیٰ، ترکی، سوڈان اور الجزائر کے سلاطین نے ان کی قدرافزائی کی،

ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد تقریبًا ایک سو ہے، ان مین کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہین، مطبوعہ کتابین حسب ذیل ہین :-

۱- **تاج العروس** کا پہلا نسخہ سنہ ۱۲۸۶ھ مین مطبع الوہبیہ مصر مین چھپا، مگر مکمل نہ ہو سکا، صرف پانچ جلدین چھپ کر رہ گیئن، دوسری مرتبہ سنہ ۱۲۶۷ھ مطبعہ خیریہ مصر نے اس کو دس جلدون مین شائع کیا، اس کے آخر مین مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی درج ہین جن مین اُن کے علمی خدمات کا ذکر بھی آیا، اور بیشتر تصنیفات کے نام لکھے ہین،

۲- **اتحاف السادۃ المتقین**، یہ امام غزالی کی احیاء العلوم کی شرح ہے، احیاء العلوم پر علامہ مرتضیٰ زبیدی کے بعض ہمعصرون نے کچھ اعتراضات کئے تھے، اس مین اُن کے جوابات دیئے گئے ہین، یہ کتاب پہلے سنہ ۱۳۰۲ھ مین فاس سے ۱۳ جزوون مین اور سنہ ۱۳۱۱ ہجری مین مطبعہ المیمنہ سے ۱۰ جزو مین چھپی ہے،

۳- **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**، مطبع مصر سنہ ۱۳۲۶ھ

۴- **تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر**، یہ شیخ ابو الحسن شاذلی کی حزب

کی شرح ہے ۱۳۲۳ھ مین مطبعہ سعادۃ سے شائع ہوئی،

۵۔ عقد الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ طبع اسکندریہ ۱۲۹۲ھ

۶۔ نشوۃ الارتیاح فی بیان حقیقۃ المیسر و القداح طبع لیدن ۱۳۰۳ھ،

ان کتابون کا ذکر معجم المطبوعات مین بھی آیا ہے، (ج ۲ ص ۹۶۶) ان کی حسب ذیل غیر مطبوعہ کتابین کتب خانہ مصر مین موجود ہین :۔ (۷) مختصر العینی (۸) اسانید الکتب الستۃ الصحاح (۹) کشف اللثام عن آداب الایمان والاسلام (۱۰) رفع الشکوی و ترویح القلوب فی ذکر ملوک بنی ایوب (۱۱) معجم الشیوخ (۱۲) الفیۃ السند : (الاعلام جلد ۳ ص ۹۸۳)

"س"

سیرۃ عائشہؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات،

قیمت ؎ ضخامت ۴۲۹ صفحے، (طبع سوم باضافہ حواشی)

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،

قیمت :۔ عہ (جدید ایڈیشن)

"منیجر"

وفیات

حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم ڈھاکہ

ڈھاکہ کے متعدد دوستون کے خطوط سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ بنگال کے جادونگار ادیب اور نادرۂ روزگار طبیب شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن نے یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کی شب مین ضغطۂ دم (بلڈ پریشر) کی بیماری مین ۔۔۔۔ قمری سے اڑسٹھ اور شمسی سے چھیاسٹھ برس کی عمر مین دفعتہً وفات پائی، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی اپنے والانامہ مین لکھتے ہین،

"آپ کو وفیات لکھنے مین ملکہ ہے، ایک اور وفات نامہ معارف مین لکھدیجئے، آپکے اور میرے مخلص دوست حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کا یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء کی شب مین دفعتہً بلڈ پریشر بڑھ جانے سے انتقال ہوگیا، اِنّا لِلّٰہ،

مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی صرف ونحو کے شاگرد اور بڑے عاشق تھے، علامہ شبلی کے دوستون مین تھے، مسلم لیگ کی جب بنیاد ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ مین رکھی گئی اور نواب سر سلیم اللہ خان اس کے صدر ہوے تو مرحوم جوائنٹ سکریٹری ہوے تھے، علم طب حکیم عبدالمجید خان صاحب سے حاصل کیا، اور اس مین کمال کا درجہ پایا، بنگال مین اس وقت ان کے درجہ کا کوئی طبیب نہین سُنا گیا، ڈھاکہ مین طبیہ کالج قائم کیا، اور بڑی ہمت سے اس کو چلاتے رہے، گورنمنٹ نے شفاء الملک کا خطاب دیا، جس کو

(لیگ کی تحریک کی بنا پر) ستمبر مین واپس کر دیا،

اُن کے اس کارج سے بہت سے اطبا پیدا ہوے، اور اب بھی سلسلۂ درس جاری ہے، اور

خدا کرے برابر جاری رہے،

مولانا شبلی مرحوم ستمبر ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ مین ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے، وہان سے دو دوستون کے نام ہم لوگون کے لئے تحفہ مین اپنے ساتھ لائے، ایک کا نام مرزا فقیر محمد صاحب اور دوسرے کا حکیم حبیب الرحمٰن، مولانا مرحوم کے بعد ان دونون کی دوستی و محبت کا سلسلہ اس حقیر راقم الحروف کی طرف منتقل ہوا، مرزا صاحب کا مدتون سے پتہ نہین، خدا جانے وہ جیتے بھی ہین یا نہین، حکیم صاحب مرحوم نے اخیر تک دوستی نباہی، اُن کے اخلاق کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جن دوستون سے ان کی دوستی رہی، اس کو وہ اخیر تک بکمال احتیاط و اہتمام نباہتے رہے،

خط و کتابت کی معرفت تو مولانا شبلی مرحوم کے عہد سے شروع ہو چکی تھی، مگر ملاقات جسمانی کی نوبت ۱۹۳۰ء کے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پٹنہ مین آئی، اس کے بعد بارہا وہ ڈھاکہ بلاتے اور اس کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے تعلق سے نئی نئی تقریبیں پیدا کرتے رہے، مگر جانا اور ملنا نصیب نہ ہوا،

مرحوم نسباً فاروقی اور وطناً یاغستانی علاقہ یوسف زئی کے باشندہ تھے، ان کے والد اخوند محمد شاہ صاحب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردون مین تھے، لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان صاحب مرحوم کے یہان آئے، اور یہین شادی کرکے بس گئے، اور اس تقریب سے سرحد ہند کی یہ دولت بنگال کی قسمت مین آئی،

حکیم صاحب مرحوم کی تعلیم جیسا کہ حسن معصومی صاحب (لکچرر فلسفۂ اسلام ڈھاکہ یونیورسٹی) نے مجھے لکھا ہے آگرہ اور بہار مین ہوئی، مگر جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ڈھاکہ سے لکھا ہے، کہ ان کی تعلیم کا بڑا زمانہ کانپور مین گذرا، کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کئے، ابتدائی صرف و نحو کے کچھ اسباق جیسا کہ پہلے گذرا

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پڑھے، جب حضرت والا رحمۃ اللہ کانپور مین درس دے رہے تھے، جس کا خاتمہ ۱۳۱۵ھ مین ہوا، اور زیادہ تر تعلیم مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی سے حاصل کی، معقولات مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری سے پڑھی جب وہ کانپور مین مدرس تھے، حدیث مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی، اور اجازت لی، طب حکیم عبدالمجید خان صاحب دہلوی المتوفی ۱۹۰۱ء سے پڑھی، اور اس مین کمال کا درجہ حاصل کیا، ۱۹۰۳ء مین وہ تعلیم سے فارغ ہوکر ڈھاکہ لوٹے، اور ایک طبیب کی حیثیت اپنی زندگی شروع کی، مرحوم کی تعلیم تمامتر پرانے طرز کی ہوئی تھی، مگر فطرت کے خزانہ سے وہ ایک ذہین، لطیف دماغ اپنے ساتھ لائے تھے، اپنے اسی فطری ذوق کی مدد سے تاریخ و ادب کی کتابین پڑھتے، اور طب کے بعد جن فنون سے ان کو ذوق رہا وہ بھی تاریخ و ادب تھے، اور اسی سلسلہ سے وہ مولانا شبلی کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوئے، چنانچہ ۱۹۰۶ء ان کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا سال ہے، اسی سال مولانا شبلی سے ملاقات ہوئی، باتون باتون مین انھون نے مولانا شبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کی طرح ہندوستان کے ہر صوبہ کی تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب لکھی جائے، مولانا نے ان کے اس خیال کی تحسین کی، اور بنگال کا حصہ ان کے سپرد کیا، حکیم صاحب مرحوم کے اکثر خطوط مین ان کی اس تصنیف کے تذکرے ہوا کرتے تھے، بنگال سے متعلق "ثلاثہ غسالہ" کے نام سے ایک کتاب اور ان کے زیر قلم تھی، "ثلاثہ غسالہ" کا نام انھون نے حافظ شیراز کی اس غزل سے لیا تھا، جس کو حافظ نے سلطان بنگالہ کے نام لکھکر بھیجا تھا،

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اسی غزل کا ایک ٹکڑا ہے "ثلاثہ غسالہ" رود الفارق اور حیات سقراط ان کی طالب علمی کے رسالے ہین، ان کی دوسری تصنیفات کے نام مساجد ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے

شعرائے ڈھاکہ وغیرہ ہین، آخری تصنیف آسودگان ڈھاکہ ہے، جو ابھی ۱۹۴۶ء کے اخیر مین چھپ کر شائع ہوئی جس مین بزرگان ڈھاکہ کے مزارات کی تحقیق، اور تذکرے ہین، اس کے بعد آسودگان ڈھاکہ کا مصنف خود ڈھاکہ کی خاک مین آسودہ ہو گیا،

اُن کی ادبی تاریخ کا آغاز بھی ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے، اس سال انھون نے ڈھاکہ سے المشرق کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا، پھر جادو کے نام سے ایک اور ادبی وعلمی رسالہ جاری کیا، معارف کے ابتدائی پرچون مین بھی اُن کے بعض مضامین چھپے ہین،

مرحوم کے قلم مین بڑی لطافت تھی، محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہوسکی، لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی، تو عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادوگران ادب سے ہوسکی، ان مین پہلا نام نواب نصیر حسین خان خیال (کلکتہ) کا اور دوسرا حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) کا ہے، افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتون نے اُن کے ادبی کارنامون کو اُبھرنے کا موقع نہین دیا، اور اُن کی یہ قوت انشا پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی،

ان کو اردو ادب اور بنگال کی تاریخ سے خاص ذوق تھا، اور تاریخ کے تعلق سے قدیم سکون کے جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ اُن کے جمع کردہ سکون کا پہلا مجموعہ اس وقت ڈھاکہ کے عجائب خانہ آثار قدیمہ مین ہے، جس کا تاریخوار کیٹلاگ بھی چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کے بعد جو سرمایہ اُن کے پاس جمع ہوا، اس کو دار المصنفین کے نام منتقل کرنے کا بارہا ارادہ انھون نے کیا، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا،

مرحوم طبیب اور حاذق طبیب تھے، قیافہ اور نباضی مین کمال رکھتے تھے، صورت دیکھکر اور صرف حال سن کر مرض بتا دیتے تھے، حضرت حکیم الامت کی علالت کا حال مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے سن کر مرض کی تشخیص کی، اور دوا تجویز کی، جب تھانہ بھون سے خطرناک حالت کی اطلاع آئی، تو کہا کہ اب دوا بیکار ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر آپہنچا، اور آخر جیسا انھون نے کہا ویسا ہی ہوا،

مرحوم کی حذاقت کا ایک واقعہ مجھ سے متعلق ہے، کئی سال کی بات ہے، مین نے ریڈیو پر ایک تقریر کی، مرحوم نے ڈھاکہ سے لکھا، مین نے ریڈیو پر آپ کی آواز سنی جو آپکے ضعفِ قلب کا اعلان کر رہی تھی، آپ کی جلد خبر لین، چنانچہ چند ہی روز کے بعد مجھے اسی قسم کے ایک سخت مرض کا سانحہ پیش آیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے جانبری فرمائی،

مگر آہ! وہ مسیحا نفس جو دوسرون کو موت کے پنجہ سے چھڑایا کرتا تھا، آخر وہ دن بھی آیا جب وہ خود اس کے پنجہ مین گرفتار ہوا، مرحوم کو کئی مہینون سے اپنے اس آنے والے حادثہ کا خیال تھا، جنوری ۱۹۴۷ء مین بعض دوستون سے کہہ چکے تھے، کہ مین جب جاؤن گا، دفعۃً جاؤن گا، جس دن حادثہ پیش آیا، متعدد مریضون کو جاکر دیکھا، مغرب بعد نشستگاہ مین بیٹھ کر دوستون سے باتین کین، ہنستے بھی رہے، ہنساتے بھی رہے، اور اسی سلسلہ مین فرمایا، کہ آج مولانا عثمانی ڈھاکہ مین نہین، اس کی فکر ہے، ان کو اپنی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا، کہ کوچ کی منزل قریب ہے، اس لئے کچھ وصیتین بھی کر چکے تھے، جن مین ایک یہ تھی کہ میری نماز مولانا ظفر احمد تھانوی پڑھائین، اور اگر وہ نہ ہون تو پیرجی عبد الوہاب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم پڑھائین، چنانچہ تقدیر یہی تھی، کہ مولانا عثمانی اس دن کہین باہر تھے، تین بجے شب کو قلب کا دورہ پڑا، ڈاکٹر کے لئے آدمی گیا، جیسے ہی اُس نے چوکھٹ پر قدم رکھا ہے، مسافر عالم بالا کے سفر پر روانہ ہوگیا، آناً فاناً خبر شہر مین پھیل گئی، صبح کو تجہیز و تکفین عمل مین آئی، جنازہ مین اتنا مجمع تھا کہ لوگ کہتے ہین کہ ڈھاکہ مین شاید ہی کسی کے جنازہ مین ایسا مجمع ہوا ہو، حسب وصیت پیرجی عبد الوہاب نے نماز پڑھائی، جو لال باغ کی شاہی مسجد مین ہوئی، اور ڈھاکہ کے ایک بزرگ کے احاطۂ مزار مین سپرد خاک کئے گئے،

مرحوم کے سانحۂ وفات پر شہر مین کہرام ہے، عام و خاص سب ہی متاثر ہین، اہلِ قلم طبقہ پر مرحوم کی وفات کا جو اثر ہوا، وہ ان دو عربی مرثیون سے ظاہر ہے جو ڈھاکہ کے دو بزرگون نے لکھکر بھیجے ہین،

جنیبی! دوستون نے تمھارے لئے مرثیے لکھے، احباب نے تمھارے فراق مین آہ جگر سوز کھینچی،

جاننے والوں نے تمہارے اوصاف گنائے، ماننے والوں نے تمہارے احسانات یاد کئے، مگر تم اوس دنیا میں ہو، جہاں اس دنیا کی مدح و ستائش کی حکایتیں نہیں پہنچتیں، مغفرت کی دعائیں، تمہارے لئے ہیں، غفور رحیم اُن کو قبول فرمائے، "س"

مرثیہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی

یا عین جودی بدمع غیر منجمد	علی الحبیب وقد واروہ فی اللحد
قد اجاد واحکمہ فہما وتجربۃ	لکل عرض من الاسقام فی الجسد
قد الحد واعوت اهل الضہاطیۃ	قد الحد والیوم حقا زینۃ البلد
ما کان احسنہ خلقا ومکرمۃ	وکان یبذل للمولی بذات ید
ما کان احسنہ رأیا ومشورۃ	وکان منطقہ احلی من الشہد
ما کان الزمہ للعلم نابغۃ	للقوم والملۃ البیضاء کالعضد
کان الحبیب الی قلبی وصورتہ	تجول فی العین عند النوم والسہد
من کان یرجی شفاء العالمین لم یجدوا	لہ شفاء فواحرا فی کبدی
یا رب فاغفر لہ وارقہ منزلۃ	کریمۃ حیًّا فی عیشۃ رغد
یا رب نور لہ فی قبرہ ابدًا	واجعلہ فی خیر من یہدی الی الرشد

حبیب رحمان مغفور لہ کرمًا

۱۳۶۴ھ

یزداد حقًّا علیہ آخر الابد

۱۳۶۶ھ

مرثیہ (۲)

از مولانا محفوظ الکریم صاحب ممتاز المحدثین ڈھاکہ

(فقید ڈھاکہ)

أترُوق (ڈاکہ) بعد فقد حبیبها " | او تستفی "النبغال" بعد طبیبها
طَفِئَت منائرُ علمها و ذکائها | وخبت معارفها لفقد لبیبها
جَاءت جعین بنعیه فاغرورقت | مقل تمج د مائها بشکیبها
الطِبُّ أجهش بالبکاء تیتُّماً، | والعبقریة تحبها النجیبُها
اما الخطوب فابهجت بشردها | ظفرت بأوفر حظها ونصیبها
ذهب الفقید وبعد یعتکر الدجیٰ | کالشمس یجو السبیل بعد مغیبها
ذهب الفقید، فقید کل معارف | ومفاخر فی رواء خصیبها
وضعوه فی رمس وتمرع روحه | عند الملائک فی جمال قشیبها

الله انزله محل کرامته،

تسقیه رحمته بجود صبیبها،

مکالماتِ افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، حجم ۵۰۴ صفحے قیمت للعہ

افلاطون کی معیاری تصنیفات میں سے "ریاست" کے بعد اس کی یہ دوسری تصنیف ایک ذمہ دار و کہنہ مشق مترجم کے قلم سے اردو زبان میں منتقل ہوئی ہے، اس میں افلاطون کے آٹھ مکالے ہیں جن میں بیشتر سقراط کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں، ترجمہ کی زبان سلیس، رواں اور بے ساختہ ہے، مترجم نے اپنے مقدمہ میں ان مکالمات کے ادبی و فلسفیانہ خصوصیات کو دکھایا ہے، مکالمات نہایت لطیف اور خوشگوار مباحث پر ہیں، انھیں معیاری ڈرامہ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے، مباحث میں خیالات کی فراوانی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے، اس کتاب سے اردو کی معیاری کتابوں میں ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

محسن کتابیں مرتبہ مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جمعیۃ التعاون دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{26}$ قیمت مجلد ۴ غیر مجلد عار

رسالہ الندوہ کے جدید دور میں ایک مستقل عنوان "ہماری محسن کتابیں" قائم کیا گیا تھا، اور ملک کے مشہور اہلِ علم و اربابِ قلم کو ان کتابوں پر لکھنے کی دعوت دی گئی تھی جن کے مطالعہ سے انھوں نے اپنے علمی و ادبی اور عملی زندگی میں کوئی مستقل اثر قبول کیا ہو، چنانچہ اس موضوع پر مختلف اربابِ علم وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تجربے اور تاثرات قلمبند کرتے گئے، اور وہ الندوہ میں شائع ہوتے رہے، لائق مرتب نے ان مضامین کو زیرِ تبصرہ مجموعہ میں ترتیب دیدیا ہے، یہ مجموعہ خصوصاً نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ہوگا کہ وہ اپنے پیشروؤں

کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکین، اوران آزمودہ کتابون کے مطالعہ سے اپنے علمی استعداد کے بڑھانے اور اپنے علمی ذوق کے بنانے مین کام لے سکین، امید ہے کہ اس مجموعہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

چند ہمعصر، از مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، حجم ۲۰۸ صفحے، قیمت :- عمر، پتہ :- دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی،

مولوی صاحب کی یہ کتاب مقبول عام ہو چکی ہے، اس مین حضرت مینائی جسٹس سید محمود، پروفیسر مرزا حیرت، مولوی عزیز مرزا، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی وحید الدین سلیم، اور خواجہ غلام الثقلین وغیرہ کی زندگی کے ایسے حالات قلمبند ہو گئے ہین، جو کسی دوسری جگہ نہین ملتے، دوسری طرف خود مصنف کے نصف صدی پہلے کے طرز تحریر اور علمی وادبی رجحانات نیز ان مین عہد بعہد کی تبدیلیون کا اندازہ ہوتا ہے، اچھا ہوتا اگر ان مضامین پر نظر ثانی بھی کر لی گئی ہوتی، کہ کم سے کم ارباب تراجم کی علمی خدمات و تصانیف کا تذکرہ مکمل ہو جاتا، کہ نصف صدی کے ان ارباب کمال پر علٰحدہ سے پھر کون قلم اٹھائیگا نیز وہ جامعیت کہان سے پیدا ہو سکے گی، جو ایک واقف حال ہم نشین کے قلم سے ممکن ہے،

مسلمانون کا حصہ سائنس اور کلچر کی ترقی مین (Muslim contribution to Science and culture.)

از جناب محمد عبدالرحمٰن خان صاحب حجم ۴۳ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۸؍ پتہ :- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

اس مختصر کتابچہ مین سائنس اور دوسرے عقلی علوم مین مسلمانون کے دور ترقی کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین عباسیون، آل بویہ اور فاطمین وغیرہ کے دور کے علمی کارنامون اور سائنٹفک ترقیون کا ذکر آیا ہے، اور مختلف فنون کے باکمال ماہرین کے خدمات گنائے گئے ہین، اور دکھایا ہے، کہ نئے دور کی علمی ترقیان دراصل اسی اسلامی عہد کی علمی ترقیون کی رہین منت ہین، کہ ان کی

ترقی کی دیوار انہی بنیادون پر اٹھائی گئی ہے، رسالہ مختصر ہونے کے باوجود پر معلومات مفید اور کارآمد ہے،

تجدید خوشنویسی، از جناب محمد عبد الرحمن صاحب فیضی حجم ۹۶ صفحے، قیمت عار، پتہ:۔

عادل برادرس نمبر ۱۷۴، اوینو روڈ، بنگلور سٹی،

منشی محمد عبد الرحمن صاحب فیضی فن خطاطی کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہین، زیر تبصرہ رسالہ انھون نے خوشنویسی کی تعلیم کے لئے لکھا ہے، رسالہ کے شروع مین فن کتابت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کے بعد فن خوشنویسی کو ترقی دینے کی کوششون کے سلسلہ کی بعض تقریرون اور اعلانون کو یکجا کیا گیا ہے، ۵۲ وین صفحہ سے اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، ابتدا مین فن خوشنویسی کے بنیادی معلومات درج کئے ہین، پھر ابجد کی تقطیع سے وصلی نویسی تک درجہ بدرجہ کی تقطیع کے نمونے درج ہین، رسالہ مین بعض سیاسی مسائل پر غیر متعلق اور غیر ضروری بحثین بھی گئی ہین، امید ہے کہ رسالہ خصوصاً صوبہ مدراس کے نومشق خوشنویسون کے لئے کارآمد ہوگا،

رسالہ ہمایون کا سلور جوبلی نمبر، مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب بی اے و جناب یوسف ظفر صاحب بی اے حجم ۲۰۴ صفحے کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی بہتر، سرورق خوشنما، قیمت :۔ عار، پتہ:۔

دفتر ہمایون، نمبر ۳۳، لارنس روڈ، لاہور،

رسالہ ہمایون کو اردو کے ادبی رسالون کے سرتاج ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس نے اپنی متین اور یکسان سنجیدہ روش کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کرلئے، اس چوتھائی صدی مین اس کے ہاتھون بڑی میانہ روی سے اردو کی بیش قیمت خدمتین انجام پائی ہین، اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی کو کامیابی سے طے کرنیکی خوشی مین اپنی سلور جوبلی منائی ہے اور اپنے قدردانون کو سلور جوبلی نمبر کا تحفہ پیش کیا ہے جس مین ملک کے ممتاز ادیبون نے اپنی قلمی اعانت سے حصہ لیا ہے، ہم عزیز معاصر کی خوشی مین شریک ہوتے ہین، اور اس کے جوبلی نمبر کا خیر مقدم کرتے ہین، امید ہے کہ یہ نمبر قدردانون کے حلقہ مین ہاتھون ہاتھ لیا جائیگا، "ر،"

*

جلد ۵۹ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

شذرات

ہندوستان میں مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے جو تمدن پیدا ہوا اس کے مفید نتائج سے انکار نہیں کیا جا سکتا، انصاف پسند غیر مسلم ہندوستانی مورخین نے اپنی تصنیفات میں ان کا اعتراف کیا ہے، "انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر" وغیرہ میں اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں،

خوشی کی بات ہے کہ اس دور میں بھی جب کہ ہندو مسلمانوں کی مغایرت سیاسی اسباب کے تحت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، مفید اثرات کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کیا جاتا، ابھی حال میں "ہندو لا کمیٹی" (جو مرکزی اسمبلی کی طرف سے مقرر کی گئی تھی) کی رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس میں ہندو عورتوں کو طلاق و وراثت وغیرہ کے جن حقوق کے دیئے جانے کی سفارش کی گئی ہے، ان کا سرچشمہ نہ وید کی تعلیمات اور ہندو شاستر میں ہے، نہ یورپ کی بڑھتی ہوئی حقوق نسوان کی تحریک میں، بلکہ وہ اسی چارٹر سے ماخوذ ہے جس کو اسلام نے عورتوں کے بنیادی حقوق کے طور پر منظور کیا ہے، کیا یہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی یکجا زندگی کا ایک خوشگوار ثمرہ نہیں ہے،

لیکن یہ کیسی حسرت کی بات ہے کہ ہمارے پڑوسی ہمارے آئین کو سامنے رکھکر اپنی معاشرتی اصلاح کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں، لیکن آج خود مسلمان عورتیں ہندوستان میں محض بعض فقہی معذوریوں کی وجہ سے اپنے بہت سے حقوق سے محروم ہیں، معارف کے اس نمبر میں "نئی صورت حال کی ایک پرانی دستاویز" کے عنوان سے یوپی اسمبلی کی "مسلم میرج کمیٹی" کی رپورٹ شائع کیجا رہی ہے، اس سے ان مصیبت زدہ مسلمان عورتوں کا حال آشکارا ہوگا، امید ہے کہ مسلمان ارباب بصیرت اس کو غور سے پڑھیں گے، اور ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے کوئی مناسب و مستحکم قدم اٹھائیں گے،

ہندوستان کے برطانوی دور حکومت میں یہاں کے علم و ادب کا وہ قیمتی سرمایہ بھی یہاں سے انگلستان لیجایا گیا جس کو اس سرزمین

مین سلاطین امراء کے مختلف خانوادون اور ارباب ذوق اہل علم نے صدیون مین یکجا کیا تھا، برطانوی عہدیدارون نے ان کتابون کے منتقل کرنے کا منظم سلسلہ انیسوین صدی کے آغاز سے شروع کیا، ۱۸۰۸ء مین جانسن رچرڈ کے ہاتھون بہترین ذخیرہ منتقل کیا گیا، پھر ۱۸۰۹ء مین وارن ہسٹنگز نے اپنے اہتمام مین کتابین انگلستان پہنچائین، پھر اسی سال گیکواڑ بڑودہ کا کتب خانہ لیجایا گیا، ۱۸۱۲ء مین ولیم اردن نے بھی قیمتی کتابین منتقل کین، پھر ۱۸۳۵ء مین فورٹ ولیم کالج کے بند کئے جانے کے بعد اس کا پورا کتب خانہ یہان سے وہان پہنچا دیا گیا، اسی طرح ۱۸۳۳ء مین سر جان کانوے کے ہاتھون بھی مخطوطات کا بہترین ذخیرہ منتقل کیا گیا، باین ہمہ اس وقت تک یہان کے اہم شاہی کتب خانون کے قیمتی نوادر محفوظ تھے، چنانچہ ۱۸۵۴ء مین اسپرنگر نے اودھ کے شاہی کتب خانون کی فہرست لکھنؤ مین مرتب کی تھی، ان مین دس ہزار قلمی کتابین موجود تھین، یہان تک کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد دہلی کے شاہی کتب خانہ پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت کی گئی اور ۱۸۶۸ء مین یہ بیش بہا علمی نوادر بھی انگلستان پہنچا دیئے گئے، اس طرح ہندوستان مین بولی اور سمجھی جانے والی مختلف زبانون عربی، فارسی، سنسکرت، اردو، ہندی، مرہٹی، گجراتی، تلیگو اور تامل وغیرہ کی بہترین قلمی کتابین انگلستان چلی گئین، اور ہندوستان کو اپنے علم و ادب کے مایۂ ناز سرمایہ سے تہی دامن ہو جانا پڑا، انگلستان مین ان مین کے کچھ نوادر برٹش میوزیم مین داخل کر دیئے گئے، اور بیس ہزار سے اوپر مخطوطات کا ذخیرہ انڈیا آفس کے کتبخانہ مین رکھ لیا گیا، نیز بہت سی دوسری فنی و تاریخی دستاویزات اور نوادر بھی رکھے گئے جو ہندوستان خصوصاً اسلامی عہد کی تاریخ، آثار اور روایات کے حامل ہین،

ہندوستان کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے تحت انڈیا آفس کے ختم کئے جانے کا زمانہ قریب رہا ہے، اس سلسلہ مین یہ موجب طمانیت ہے کہ یہان کے ارباب حل و عقد نے اس ملک کے ان قیمتی مخطوطون، دستاویزون اور بیش قیمت نوادر کو اس موقع پر فراموش نہین کیا اور ان کے یہان واپس لانے کی گفتگو کا سلسلہ انگلستان کے ارباب سیاست سے جاری ہو گیا ہے اور ان گفتگوون کے نتیجہ مین ان کی واپسی کا یقین دلایا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس سلسلہ مین ان نوادر پر خاص طور پر نظر رکھی جائے جو برٹش میوزیم مین دیدیئے گئے ہین کہ وہ مخطوطات جو کبھی ہماری ملکیت مین رہ چکے ہون وہ خواہ برٹش میوزیم مین ہون یا انڈیا آفس مین تو انھین یہان واپس آنا چاہئے کہ یہ انمول جواہر ہماری علمی ادبی اور لسانی ترقیون مین غیر معمولی معاون ہون گے اور ہم کچھ طور پر

اُن سے فائدہ اُٹھا سکین گے اور پھر یہ ہماری لئے باعثِ مسرت ہوگا کہ ہماری صدیون کی دولت گم گشتہ ہمین دوبارہ ہاتھ آجائیگی،

ابن ہبل المتوفی ۶۱۰ھ کی المختارات فی الطب علمی حلقون مین شہرت رکھتی ہے، طبِ اسلامی کے عروج کے دور مین اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہ چکی ہے، حسنِ اتفاق سے اس کا ایک نادر مکمل اور صحیح نسخہ دار المصنفین مین موجود تھا، دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اس نسخہ کو اساس بنا کر اس کو المختارات فی الطب کے نام سے چار جلدون مین تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے، یہ جلدین دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہین،

صوبہ بمبئی مین اردو کی علمی تعلیمی اور ادبی تحریکون کی رہنمائی کی خدمت ایک مرکزی مجلس انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ انجام دے رہی ہے، یونیورسٹی میں اردو کے امتحانون کی توسیع، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تیاری کرنے والے طلبہ کی رہنمائی، ایک مکمل اردو کتب خانہ کا قیام، ایک علمی رسالہ کا اجرا، قلمی اور نایاب اردو کتابون کا حصول اور ان کی اشاعت کا انتظام کرنا اور مختلف یونیورسٹیون مین اردو ادب پر کام کرنے والون سے رابطہ قائم کرنا اس مجلس کے فرائض مین داخل ہے، اور یہ باعثِ مسرت ہے، کہ حکومت بمبئی نے اس انجمن کے لئے دس ہزار روپے سالانہ کی امداد منظور کر لی ہے، جس سے اس کو اپنے فرائض کے ادا کرنے مین سہولت حاصل ہو گی، جو لوگ اردو کے سلسلہ مین اپنی علمی و ادبی تحقیقات مین اس مجلس سے مدد لینی چاہین، وہ پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے آنریری ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو انسٹی ٹیوٹ سے نمبر ۹۲ ہارن بی روڈ بمبئی نمبر ۱ کے پتہ پر مراسلت کر سکتے ہین،

سندھ یونیورسٹی کے قیام و تاسیس کی تحریک بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے، اب اس کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے اور یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس یونیورسٹی کی باگ ڈور پروفیسر عبد الحلیم کے آزمودہ کار ہاتھون مین دی گئی ہے، وہ وائس چانسلر بنائے گئے ہین، پرو وائس چانسلر کے فرائض وہ بڑے حسن و خوبی سے مسلم یونیورسٹی مین انجام دے چکے ہین، موصوف نے اپنے اس نئے عہدہ کی ذمہ داری سنبھال لی ہے، توقع ہے کہ ان کی سرپرستی مین یہ یونیورسٹی ترقی کے مدارج کو جلد طے کرے گی،

خوشی کی بات ہے کہ ہمارے پرانے رفیق کار مولانا ابو الجلال صاحب ندوی مدراس مین چند سال مختلف علمی و تعلیمی زندگی گذارنے کے بعد اب پھر ہمارے درمیان آگئے ہین، اور اپنے علمی مشاغل مین مصروف ہین، خصوصاً نوجوان رفقائے دار المصنفین کی علمی رہنمائی کرنے مین اُن کے مفید خدمات انجام پائین گے،

مقالات

نئی صورتِ حال کی ایک پرانی دستاویز

تیس برس کا زمانہ گذر گیا ۱۹۳۹ء مین یو پی کی مجلس قانون ساز مین ڈاکٹر شفاعت احمد خان کی تحریک سے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کا نام مسلم میریج سب کمیٹی تھا، اور جس کا مقصد مسلمانون کے نکاح و طلاق کے معاملات پر غور اور نکاح و طلاق کو درج رجسٹر کرنے کیلئے ایک قانون کا بنانا تھا،

اس کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان مرحوم تھے، اور اس کے ممبرون مین ڈاکٹر شفاعت احمد خان، اور مجلس قانون ساز کے چند مسلمان ممبر اور بعض رؤسا تھے، مسئلہ چونکہ مذہبی نوعیت کا تھا، اس لئے اس مین چند علماء ممبر بنائے گئے تھے، جن مین مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی اور مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور مولانا قطب الدین صاحب فرنگی محلی وغیرہ اور یہ خاکسار شریک تھا، کمیٹی نے لکھنؤ مین اپنے متعدد اجلاس کئے، اور بہت سے علماء اور معززین کی شہادتین لی گئین، اور آخر اس کی رپورٹ تیار کی گئی، اور وہ مجلس قانون ساز مین پیش کی گئی،

اس رپورٹ کا جو حشر ہوا اس کا نتیجہ حافظ شیرازی کی زبانِ غیب نے ان لفظون مین سنایا ع

این دفتر بے پایان غرقِ مئے ناب اولیٰ

بہرحال کمیٹی کے سارے ممبرون کا اتفاق کسی ایک نقطہ پر نہ ہو سکا، اس لئے کمیٹی کے ان ممبرون نے جو اس کی ضرورت کے قائل تھے، اپنی الگ رپورٹ تیار کی تھی جس کی تحریر و تیاری کی خدمت

خاکسار کے سپرد ہوئی، اور اس پر مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا قطب الدین صاحب اور خاکسار نے دستخط کئے، اس رپورٹ کی نقل مدت سے میرے پاس پڑی ہوئی تھی، اپریل کے شذرات کو دیکھکر خیال آیا کہ کیوں نہ اس ساز کو پھر چھیڑا جائے، کہ ملک میں اس وقت جس نئے ہندوستان کے خاکہ کی تیاری ہے، اس میں مسلمانوں کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کا مناسب وقت آپہنچا ہے ان اوراق میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، اور مسلمانوں کی اس اجتماعی ضرورت کو جس طرح پورا کرنے کا خیال پیش کیا گیا ہے، اوس پر تخیل و تصور کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے نظر ڈالنا چاہئے کہ اضطرار و احتیاج کی حالت میں ممکن سے ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہے،

یہ نقشہ آج سے بیس سال پہلے کا ہے، اس وقت حالات میں بہت کچھ تغیر ہے، خیالات میں بھی تبدیلیاں ہو گئی ہیں، اور بہت سی ناممکن باتیں ممکن معلوم ہو رہی ہیں اس صورت میں یہ نقشہ بدل کر اور زیادہ مکمل شکل میں سوچا جا سکتا ہے، اور اس کے نقائص کو دور کیا جا سکتا ہے،

"سید سلیمان ندوی"

اندراج نکاح وطلاق

اور

تقرر قضاۃ

نکاح وطلاق کو سرکاری طور پر درج رجسٹر کرانے کا مسئلہ درحقیقت بڑی اہمیت رکھتا ہے، لیکن صرف اندراج کی بحث ہی اہم نہیں ہے، بلکہ نکاح وطلاق کے متعلق بہت سی انتظامی باتیں اس سے بھی زیادہ اہم ہیں جن کے بغیر مسلمان سخت دشواریوں اور مذہبی مضرتوں میں مبتلا ہیں خصوصاً لڑکیوں اور ان کے والدین اور اولیار کے لئے بہت زیادہ مصیبت ہے، بہرحال اس وقت ہمارے سامنے نکاح و طلاق کے اندراج کا مسئلہ ہے، اور ہم اپنی بحث کو اسی مسئلہ سے شروع کرتے ہیں،

سب سے اوّل اس کی تصریح کر دینی ضروری ہے، کہ شریعت اسلامیہ کے اصول و احکام کی بنا پر نکاح و طلاق کی صحت کے لئے کتابت اور اندراجِ رجسٹر کی ضرورت نہین،

مذہبی طور پر زبانی ایجاب و قبول (بشرائط مقررہ و معتبرہ) صحتِ نکاح کے لئے اور زبانی الفاظِ طلاق (بشرائط مقررہ و معتبرہ) وقوعِ طلاق کے لئے کافی ہین،

کوئی نکاح صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھا نہین گیا یا رجسٹر سرکاری مین درج نہین ہوا، اور کوئی طلاق صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھی نہین گئی یا سرکاری رجسٹر مین درج نہین ہوئی، ناجائز اور باطل یا قابلِ انکار نہین قرار دیجا سکتی،

اور کوئی ایسا قانون جو نکاح و طلاق کی اس حیثیت پر اثر انداز ہو، قبول نہین کیا جا سکتا کیونکہ وہ اسلامی حکم کے خلاف ہوگا،

ہان نکاح و طلاق کے اندراج کو صحتِ نکاح و طلاق کے لئے غیر ضروری تسلیم کرتے ہوئے اس حیثیت سے یہ مسئلہ زیر بحث آسکتا ہے، کہ آیا اندراج جائز و مفید ہے یا نہین بس ابتدائی طور پر اس مسئلہ کے دو پہلو ہین،

ایک یہ کہ اس قسم کا اندراج مفید اور نافع ہے، اور اس کو رواج دینا مناسب ہے، اور جس قدر لوگ اس پر عمل کرین اتنا ہی فائدہ ہے، اس کا نام "اختیاری اندراج" ہے،

دوسرا یہ کہ چونکہ اس اندراج مین بہت سی مصلحتین ہین، بڑی حد تک مقدمات سے نجات ملتی ہے، نکاح کے ثبوت اور دین مہر کی تعیین مین سہولت ہوتی ہے، اس لئے اس کو لازمی طور پر جاری کر دیا جائے اسکا نام جبری اندراج ہے،

جہان تک پہلی صورت کا تعلق ہے شریعتِ اسلامیہ کو نہ صرف یہ کہ اس پر اعتراض نہین، بلکہ اس کے نزدیک وہ پسندیدہ اور مستحسن بھی ہے، عملی پہلو کے لحاظ سے اسلامی سلطنتون اور ہندوستانی مسلم ریاستون

میں اس پر کم و بیش عمل درآمد بھی رہا ہے، اور اب بھی موجود ہے،

قرآن پاک کی آیات ذیل سے بھی اس اندراج کے بہتر اور مستحسن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ	اے ایمان والو! جب تم کوئی ادھار کا
بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ	معاملہ کرو جس کا ادا کرنا وقت مقررہ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ	پر ہو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہیے کہ ایک
وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا	لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا
عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ	لکھنے سے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا انکار
عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ	نہ کرے، اور جس پر حق آتا ہو یعنی جس کو دینا ہو
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـئًا فَاِنْ كَانَ	وہ لکھوائے اور وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا	اور حق میں سے کچھ کم نہ کرے، اور اگر جس کو
اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ	دینا ہو، وہ ناسمجھ یا ضعیف ہو، یا لکھوا نہ
وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ	سکتا ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے
مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ	اس کو انصاف سے لکھوائے، اور اپنے
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ	مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، اگر دو مرد
مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا	نہ ہوں تو ایک اور دو عورتیں، یہ گواہ
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا	ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرو،
يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا	کہ ایک عورت بھولے تو دوسری اس کو
تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ	یاد دلائے، اور گواہوں کو جب بلایا جائے
كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ	تو وہ انکار نہ کریں، اور اس معاملہ کے

عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّہَادَۃِ وَاَدْنٰی اَلَّا تَرْتَابُوْا ہ (بقرہ۔ ۳۹)

تا بوقت مقرر لکھ لینے مین خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، تم سستی نہ کرو، یہ خدا کے نزدیک انصاف سے زیادہ قریب اور شہادت کے لئے زیادہ درست اور تمھارے شک مین نہ پڑنے کے لئے زیادہ مناسب صورت ہے،

ان آیات مین ہراوس مالی معاملہ کے اندراج وتحریر کی ہدایت کی گئی، جو اودھارا ور موجل ہو یعنی جس کا ادا کرنا آیندہ کسی وقت پر محول ہو، جس مین دین مہر موجل بھی داخل ہے، چنانچہ احکام القرآن امام ابوبکر رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ مین ان آیات کی تفسیر مین ہے،

وعلی ھٰذا الکل دین ثابت موجل فصوص مرادہ بالاٰیۃ سواء کان من ابدال المنافع او الاعیان نحو الاجرۃ المؤجلۃ فی عقود الاجارات والمھر اذا کان مؤجلا وکذٰلک الخلع،

اور اس بنا پر ہر ثابت اور موجل دین اس آیت مین مراد ہے، عام اس سے کہ وہ اشیار کے منافع کا عین دین ہو یا خود اشیار کی ذات کا، مثلاً وہ موجل زرمعاوضہ جو اجارون کے معاملون مین یا مہر مین ہو، جب کہ مہر موجل ہو، اور اسی طرح خلع کا معاملہ، (جلد ۱ ص ۳۲ م قسطنطنیہ)

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی اندلسی المتوفی ۵۴۲ھ اپنی کتاب احکام القرآن مین حنفیہ کا مسلک لکھتے ہین، :۔

قال اصحاب ابی حنیفۃ عموم قولہ تعالیٰ اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّی یدخل تحتہ المھر الی اجل

اصحاب ابو حنیفہ کہتے ہین، کہ اس آیت کے عموم مین مہر موجل بھی داخل ہے (یعنی اس کو لکھنا چاہئے) (جلد اول ص ۱۰۱ مصر)

احادیث مین نکاح وطلاق وخلع وغیرہ کی تحریر وکتابت کا کوئی واقعہ مذکور نہین ہے، اس کی اصلی وجہ یہ ہے، کہ اس زمانہ مین مہر فی الفور ادا کر دیا جاتا تھا تاخیر نہین کی جاتی تھی یعنی مہر معجل کا دستور اور رواج زیادہ تھا، مہر موجل کا آنا نہ تھا، نیز ان کی اخلاقی حالت قابلِ وثوق تھی، اس لئے اس عہد مین تحریر وکتابت کی حاجت نہین پڑی، مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا، اور حالات متغیر ہوتے گئے، ان امور مین تحریر وکتابت کا طریقہ بھی مزید ثبوت کے طور پر رواج پذیر ہوا، چنانچہ مشہور محدث امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے اپنی سنن مین تابعیون سے اُن عبارتون کے نمونے نقل کئے ہین، جو شرکت وتجارت اور مالی معاملات مین لکھی جاتی تہین، اسی ضمن مین تفریق وخلع نامہ کی کتابت کی یہ عبارت نقل کی ہے، جس کا سرنامہ یا عنوان یہ ہے تفریق الزوجین عنْ مزاوجتهما یعنی زن وشو کا اپنی زوجیت سے علٰحدہ ہونا" اوس کے بعد اس خلع نامہ کے لکھنے کا پورا خاکہ نقل کیا ہے، (کتاب المزارعۃ والوثائق صفحہ ۱۵۰، سنن نسائی مطبوعہ نظامی) اس تحریر کی ابتدائی سطرین یہ ہین :-

هذا كتاب كتبته فلانة بنت	یہ وثیقہ ہے جس کو فلان عورت، فلان بن
فلان بن فلان فی صحة منها وجواز	فلان کی لڑکی نے بحالت صحت اور ہوش
امر لفلان بن فلان بن فلان	وحواس فلان بن فلان کو لکھ کر دیا، کہ مین
انی کنت زوجة لك ۔ ۔ ۔	تمھاری بیوی تھی،

فقہ کی کتابون مین بھی اس قسم کی عبارتون کے خاکے دیئے گئے ہین، جن مین قاضی کسی متنازع فیہ واقعۂ نکاح یا طلاق یا خلع مین تحریری سند زوجین کو یا اون مین سے ایک کو لکھ کر دیا کرتا تھا، چنانچہ فتاوی عالمگیری کی چھٹی جلد مین کتاب المحاضر والسجلات کے تحت نکاح و طلاق وخلع کی تحریر واندراج کی عبارتون کے وہ نمونے نقل کئے ہین جن کو قاضی سند کے طور پر لکھ کر دیتا تھا، پھر اسی کتاب کی اسی جلد کے باب کتاب الشروط فصل دوم مین نکاح اور فصل سوم مین طلاق کے اندراج وتحریر کے خاکے دیئے گئے ہین کہ باپ جب اپنی

بالغ لڑکی کا نکاح اپنی ولایت سے کرے، تو یہ عبارت لکھی جائے، اور جب لڑکی نابالغ ہو تو یہ عبارت لکھی جائے، باپ کے علاوہ دوسرے اولیا یہ عبارت لکھوائین، غلام کی طرف سے یہ، اور لونڈی کی طرف سے یون لکھا جائے،

اسی طرح طلاق کے مختلف اقسام کے الگ الگ وثائق کے نمونے دئیے گئے ہین، خلع کی صورت مین لکھا ہے، کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے پیرو اماموں مین اوس کی صورت تحریر کے بعض الفاظ مین اختلاف ہے،

فان کانت المرأۃ مدخولۃ و	جب عورت سے ہمبستری ہو چکی ہو، اور
اراد الرجل ان یکتب بذلک	مرد لکھنا چاہے، تو یون لکھے، یہ فلان بن
کتابا یکتب: ھذا کتاب فلان	فلان یعنی شوہر فلان عورت کی فلان کی
بن فلان یعنی الزوج من فلانۃ	اسی طرح ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد لکھا
بنت فلان ھکذا کان یکتب	کرتے تھے، اور خصاف اور طحاوی اور سمتی
ابوحنیفۃ واصحابہ رحمھم	اور ہلال اور ابوزید شروطی اس مین کچھ اور
اللہ تعالی وکان الخصاف و	بڑھاتے تھے، وہ اس طرح لکھتے تھے، یہ
الطحاوی والسمتی وھلال	فلان یعنی شوہر کے لئے وہ تحریر ہے جو
وابوزید الشروطی رحمھم	فلان عورت بنت فلان نے اوس
اللہ تعالی یزیدون فی ذلک	کے لئے لکھی،
زیادۃ فیکتبون ھذا کتاب	
لفلان یعنی الزوج کتبت لہ	
فلانۃ بنت فلان،............	

اسی طرح اسی کتاب کی اسی جلد کی فصل ۱۲ مین فی الوکالات کے زیر عنوان وثیقہ نویسی کا وہ طریقہ درج ہے، جو ایک وکیل بالنکاح لکھا کرتا ہے،

وکلت المسماۃ فلانۃ بنت	مسماۃ فلان عورت بنت فلان بن فلان
فلان بن فلان فلانا اقامتہ	نے اپنی طرف سے فلان شخص کو اپنا وکیل
مقام نفسها فی تزویجها من فلان	بنایا، صحیح وکیل بنایا، اور اس کو اپنا قائم
ابن فلان علی صداق کذا درهما	مقام کیا، کہ وہ اس کا نکاح فلان بن
وکالۃ صحیحۃ وان فلانا قبل	فلان سے اتنے درہم کے دین مہر پر کردے
هذه الوکالۃ قبولا صحیحا ذلک	اور وکیل مذکور فلان نے اس وکالت
بتاریخ کذا انتهی یکتب،	کو صحیح طور سے قبول کیا، اور یہ فلان تاریخ
بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذا	بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر ہے کہ فلان
ما تزوج فلان فلانۃ بتزویج	مرد فلان عورت سے اس عورت کے وکیل
وکیلها فلان ایاہ بالمهر المذکور	فلان شخص کی معرفت اس مہر پر نکاح
فی صدر الکتاب وهو کذا نکاحا	کیا جو شروع تحریر مین مذکور ہے صحیح اور
صحیحا جائزا بمحضر جماعۃ من	جائز نکاح پسندیدہ اور عادل گواہون
الشهود العدول المرضیین،	کی ایک جماعت کی موجودگی مین،

اس سے آگے بڑھکر یہ ہے کہ بعض فقہاء نے کتابت نکاح کو شہادت کی توثیق کی غرض سے مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے، شامی جلد ثانی کتاب النکاح مین ہے،

واما الکتابۃ ففی عتق المحیط یستحب	لیکن کتابت تو محیط کے باب العتق مین ہے
ان یکتب المعتق کتابا ویشهد علیه	کہ مستحب یہ ہے کہ آزاد کرنے والا ایک تحریر

صیانۃ عن المتجاحد کما فی	لکھ دے، اور اوس پر گواہ بنا دے تاکہ انکار
الخزانۃ بخلاف سائر التجارات	کرنے والے کے انکار سے اس کو محفوظ کر دیا
للحرج لانہا مما یکثر وقوعہا و	جائے، جیسا کہ کتاب الخزانہ مین ہے، برخلاف
ینبغی ان یکون النکاح کالعتق	عام خرید و فروخت کے کہ اس مین کتابت
لانہ لاحرج فیہ،	سے معاملات مین تنگی ہو گی، کیونکہ یہ معاملے
	ہر وقت واقع ہوتے رہتے ہین، اور مناسب
	یہ ہے کہ عتق کی طرح نکاح بھی ہو کیونکہ
	اوس کے تحریر کرنے مین بھی تنگی نہین،

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح وطلاق کا کسی کتاب مین درج کرانا احکام مذہبی کے خلاف نہین، بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اور نکاح و طلاق کے مزید ثبوت کا باعث اور مسلمانون کو بہت سے نزاعات اور مقدمات کی تباہی و بربادی سے بچانے کا سبب ہو گا، بااین ہمہ یہ ظاہر ہے کہ عدم اندراج سے نکاح وطلاق کے بذریعہ زبانی شہادتون کے ثبوت کے عام شرعی قاعدہ مین کوئی مداخلت نہ ہو گی، اور نہ ہو سکتی ہے۔

ہم لوگون مین سے جن کو طلاق و نکاح کے معاملات سے بحیثیت مفتی یا وکیل کے سابقہ پڑا کرتا ہے ان کو پہلے سے یہ معلوم تھا، لیکن اب کمیٹی کے عام ممبرون پر بھی شہادتون سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مسلمانون کے معاملات طلاق و نکاح کا کوئی نظام نہ ہونے سے ان کو صدہا مشکلات اور دقتون کا سامنا ہے، اور اس سے مسلمانون کو بیحد تکلیفین پہنچ رہی ہین، ان مشکلات اور دقتون کی مختلف نوعیتین ہین۔ اور اُن سب پر غور کرنا، اور ان کا علاج سوچنا ہمارا فرض ہے۔

۱۔ چونکہ نکاح خوان قاضی کے لئے علمی صفات کی کوئی قید نہین ہے، اس لئے ہر کس و ناکس اس

فرض کو ادا کر دیتا ہے، اور جہالت کی وجہ سے ایسے نکاح کر دیئے جاتے ہین، جو شرعًا جائز نہین جس کا نتیجہ مسلمانون کی عزت و آبرو کے علاوہ ان کے خاندانی نسل اور ترکہ و وراثت پر پڑتا ہے، رضاعت کے پیچیدہ اصول سے وہ واقف نہین ہوتے، رشتون مین حلال وحرام کا فرق نہین کر سکتے، عدت مین نکاح کر دینے کے مجرم ہوتے ہین، طلاق کی بھی مختلف صورتون کے نہ سمجھنے کے باعث کبھی ظاہری مطلقہ اور حقیقۃً غیر مطلقہ کا نکاح دوسرے سے کر دیتے ہین، اولیاء کے باہمی فرق مراتب اور ان کے اختیارات کے عدم واقفیت کے باعث بہت سی غلطیان کرتے ہین، اور وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے رہتے ہین، بالآخر وہ مقدمات کی صورت مین متعلقہ خاندانون اور عدالت دونون کے لئے مصیبت کا باعث ہوتے ہین،

۲- چونکہ شریعتِ اسلامی مین نکاح وطلاق کے نفس انعقاد اور وقوع کے لئے شہادتون کا درج تحریر ہونا ضروری نہین ہے، اور لوگ عمومًا بے پروائی کے ساتھ گواہون کا انتخاب کرتے ہین، اور پھر یہ بھی دستور ہے کہ تبرک کے لئے عمومًا بڑے بوڑھے اور بزرگ اس خدمت کے لئے منتخب ہوتے ہین، اور عمومًا ان معاملات مین جھگڑے نکاح کی ایک مدت کے بعد بلکہ زوجین مین سے ایک کی وفات کے بعد پیش آتے ہین، اوس وقت یا تو گواہ مر جاتے ہین، یا ہوش وحواس اور حافظہ کھو بیٹھتے ہین، اس لئے ایک مدت کے بعد نکاح کے ثبوت مین سخت دقتیں پیش آتی ہین، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دینِ مہر کے تحریری نہ ہونے کے باعث تعین رقم کی دشواریان پیش آتی ہین، اور صوبہ کے بعض حصون مین عدالتون کو اپنے قانون کے ماتحت دین مہر کی رقم مین اپنے قیاسات سے کام لے کر مداخلت کرنی پڑتی ہے، اور کبھی یہ ہوتا ہے، کہ دوسرے تحریری قرضون کے مقابلہ مین یہ بے تحریر قرضہ ناقابلِ ثبوت ہو کر ساقط کر دیا جاتا ہے،

۳- شریعتِ اسلامیہ مین متعدد صورتین ایسی ہین جن مین عورتون کو مردون سے علٰحدگی اور تفریق کی یا نکاح کے فسخ کرانے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن ان تمام صورتون کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ

وہ مسلمان قاضی وقت کی قضا اور فیصلہ سے ہون جس کے ہاتھ مین تنفیذی طاقت اور قوت ہو، مثلاً بالغ لڑکی جس کا نکاح باپ کے اور دادا کے سوا کسی اور نے کر دیا ہو، وہ بلوغ کے بعد اپنے اس نکاح کو ناپسند کرکے رد کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے مسلمان قاضی کے حکم و فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر کم از کم چار برس سے مفقود الخبر ہے، تو وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے بھی قاضی مسلم کی اجازت شرط ہے، ایسے ہی اگر کوئی عورت خلع کرانا چاہتی ہے، تو وہ بھی مسلمان قاضی ہی کی محتاج ہے، نیز اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہین دیتا، تو وہ بعض صورتون مین شوہر سے الگ ہو سکتی ہے، مگر قاضی مسلم کے فیصلہ کے بغیر نہین، غرض عورت کی طرف سے ہر علحدگی، اور تفریق کے لئے ایسے مسلمان قاضی کی ضرورت ہے، جو تنفیذی طاقت اور قضا کا اختیار رکھتا ہو، چونکہ گورنمنٹ نے جب سے قاضیون کے نظام کو برطرف کرکے موجودہ عدالتون کا نظام قائم کیا، ان معاملات کو زیر غور نہین رکھا، اس لئے اس کو غالباً مسلمانون کی ان مشکلات کا اندازہ نہین ہوا حالانکہ مسلمان عورتون کو حد درجہ تکلیفین اور دقتین درپیش ہین، گواہون مین سے اکثر اصحاب نے جن کو ان معاملات سے تعلق ہے، ان دقتون کا ذکر کیا ہے، اور بعض قابلِ شرم اور بعض نہایت بے رحمانہ اور بعض نہایت سنگدلانہ واقعات کو انھون نے بیان کیا، جو موجودہ کمیٹی کے اختیار سے باہر ہونے کے سبب سے تحریر مین نہ آسکے، تاہم حالت ایسی دردناک ہو کہ کسی ملک کی گورنمنٹ اس کو نظر انداز نہین کر سکتی،

مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی کے جواب مین مذکور ہے کہ صرف ایک فرنگی محل مین ماہوار دس پندرہ فتوی اس قسم کے پیش آتے ہین، جن مین بااختیار مسلمان قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے، ہمارے صوبہ مین فرنگی محل کے علاوہ ندوۃ العلما لکھنؤ اور نیز بدایون، بریلی، دیوبند، سہارنپور، کانپور، جونپور، اعظم گڈھ وغیرہ مین بھی دار الافتا ہین، اگر ان مین سے ہر جگہ کی تعداد یکجا کر لی جائے، تو یہ کس قدر زیادہ ہو جائیگی،

نیز ایک دوسرے گواہ مولانا ابو بکر محمد شیث صاحب جونپوری فاروقی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی

کے جوابات ملاحظہ کیجئے جن مین وہ بیان کرتے ہین، کہ اُن کے علم مین اس قسم کے بکثرت معاملات ہرسال پیش آتے رہتے ہین، اور مسلمانون کے ہاتھون مین ان کا کوئی علاج نہین ہے، اسی طرح دوسری گواہون کے بیانات ہماری تصدیق کرین گے،

موجودہ زیر تجویز قانون سے پہلی اور دوسری مشکلین بہت حد تک دور ہوجائین گی، لیکن تیسری مشکل کے حل مین موجودہ صورت مین کوئی مدد نہین مل سکتی، اور اس کے متعلق باوجود شدتِ احساس کے ہم اس لئے کوئی تفصیل نہین کرسکتے، کہ اس کا علاج موجودہ کمیٹی کی وسعت اور اختیار سے خارج ہے لیکن چونکہ خوش قسمتی سے گورنمنٹ نے مسلمانون کی ان پریشانیون اور مصیبتون کو محسوس کرکے جو نکاح وطلاق کے اندراجات نہ ہونے سے پیش آتی ہین، اُن کے ازالہ کی جانب توجہ کی ہے، اور اس کے جوانب و اسباب پر غور کرنے کے لئے یہ کمیٹی مقرر کی ہے، اس لئے کمیٹی کو حق ہے کہ عدم اندراج کی مضرتون کے ساتھ ساتھ ان مضرتون اور مصیبتون کو بھی روشنی مین لے آئے، جو عدم اندراج کی مصیبتون سے بدرجہا زیادہ سخت اور تباہ کن ہین اور گورنمنٹ سے درخواست کرے کہ جس طرح اوس نے ان دقتون کے ازالہ کی جانب توجہ فرمائی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اوس کو اپنی مسلمان رعایا کی اس پریشانی اور مصیبت کو رفع کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو بااختیار مسلم قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے رات دن پیش آرہی ہے، اور جس نے مسلمان لڑکیون کی زندگی تلخ کردی ہے، ہماری راے مین اگر گورنمنٹ مسلمان مظلوم لڑکیون کی اس ناقابل برداشت مصیبت کو رفع کرنے کیلئے

حسب ذیل صورتون مین سے کوئی صورت اختیار کرے، تو مسلمانون کی بہت بڑی مشکل حل ہوجائیگی،

۱- مثلاً اگر یہ کیا جائے کہ ان تمام قاضیون کو ایک مرکزی نظام مین لاکر پورے صوبہ مین مسلمانون کے نکاح وطلاق کے لئے ایک علٰحدہ محکمۂ قضا قائم کردیا جائے جس کو ان معاملات مین حق فیصلہ ہو تو یہ ساری مشکلات دور ہوجائین گی، اور تمام چیزین مرتب صورت مین ہوجائین گی، عدالتین بھی بہت سے مقدمات سے بچ جائین گی، رجسٹری آفس بھی نئی ذمہ داریون سے محفوظ رہے گا؛

۲- اگر بالفعل یہ ممکن نہ ہو تو اس مشکل کے حل کی آسان صورت یہ ہے، کہ قاضیون کو ان معاملات کے لئے وہ اختیارات دیئے جائین، جو آنریری منصفون کو حاصل ہین تاکہ وہ اپنے اختیارات سے اس مشکل کو دور کرسکین،

یہ یاد رہے کہ موجودہ عدالتین اس مشکل کو اس لئے حل نہین کرسکی ہین، کہ ان مسائل مین شرع اسلامی کے رو سے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، اور نہ ایسے مسلمان حاکمون سے اوس کے فیصلے کرائے جاسکتے ہین، جو قانون شرع سے واقف نہ ہون، تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ

۳- ہر ضلع مین کسی ایک مسلمان حاکم کو جس نے ان مسائل کا خاص امتحان پاس کیا ہو ایسا اختیار دیا جائے، جس کے رو سے وہ ان مشکلات کا حل کرسکے،

مسلمانون کے ان معاملات کے لئے خود ہندوستان مین اسلامی حکومتون کے زمانہ مین خاص محکمہ تھا جس کا افسر اعلیٰ صدر جہان (قاضی القضاۃ) کہلاتا تھا، اوسی کا اثر ہے، کہ آج بھی ہندوستان کی اسلامی ریاستون مین یہ عہدہ کسی نہ کسی صورت مین قائم ہے، بلکہ اس ملک کی ہندو ریاستون تک نے بھی اپنی مسلمان رعایا کے لئے اس قسم کے قاضی اور مفتی مقرر کر رکھے ہین، پھر تعجب ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے کیون اس بارہ مین اپنا فرض محسوس نہین کیا،

مسلمان سلطنتون مین آج بھی یہ عہدے قائم ہین، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے فلپائن مین، فرانس نے شمالی افریقہ کی نوآبادیون مین اور روس نے اپنی سلطنت مین مسلمانون کے لئے اس نظم کو قائم رکھا ہے، کہ بغیر اس کے ان کی معاشرتی زندگی قائم رہنی مشکل ہے، اس لئے ہمارے صوبہ کو جو اسلامی آبادی کا علمی اور تمدنی مرکز ہے، اوس کی طرف پیشقدمی مناسب ہی،

اسی سلسلہ مین سوال کی دوسری شق بھی سامنے آجاتی ہے، اور وہ یہ کہ کیا نکاح وطلاق کا جبری طور سے درج رجسٹر کرانے کا حکم از روے شرع اسلام جائز ہوسکتا ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو صرف چند عقائد، عبادات اور اخلاقی احکام ہی کا مجموعہ نہین ہے،

بلکہ وہ خود ایک منظم قانون اور شریعت ہے، جو شخص مسلمان ہوتا ہے، اس کے لئے صرف چند عقائد اور اخلاقی احکام کا تسلیم کرنا، اور چند رسوم و اعمال کا بجالانا ہی کافی نہین ہے، بلکہ ضروری ہے، کہ اوس کی زندگی اور زندگی کا ہر معاملہ اس کے قانون اور شریعت کے مطابق ہو، اسلامی فقہ، پوری قوم، ملک بلکہ سلطنت کے تمام پیش آنیوالے معاملات پر محیط ہے، اور ایسے اصول بنا دیئے گئے ہین جن کی مدد سے نئے پیش آنے والے واقعات کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے،

اس بنا پر ایک مسلمان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ مسلمان رہ کر اپنی مقدرت اور استطاعت کے باوجود اسلامی قانون کو چھوڑ کر اپنے اوپر کوئی دوسرا قانون لازم کرے، اور خود اپنی رضامندی سے اس کو قبول کرے، یہی وجہ ہے، کہ دنیا کی تمام سلطنتون نے اپنی مسلمان رعایا کی اس مذہبی معذرت کو قبول کیا ہے، اور اُن کے لئے ان کے مذہبی قانون کو برقرار رکھا ہے، اور ہر جگہ اُن کے مذہبی قوانین کے اجرار کے لئے ایک خاص اسلامی صیغہ اپنے ماتحت قائم کر رکھا ہے، ہندوستان مین بھی ابتدائی انگریزی عملداری مین تقریباً اسی طرح عمل درآمد تھا، چنانچہ اوس زمانہ مین انگریز حکام کو اسلامی قانون کو بتانے کے لئے متعدد مذہبی مشیر ہوتے تھے، اور اسی ضرورت کے لئے فارسی زبان مین فقہ اسلامی پر انگریزی قانون کے رنگ مین متعدد کتابین لکھی گئی ہین، جو اب تک موجود ہین، اور اسی عمل درآمد کا ایک بگڑا ہوا نقشہ ہے جو بنگال وغیرہ مین نکاح خوان قاضیون کی صورت مین باقی ہے، اس وقت بھی ہندو ریاستون مین اسی اصول کی بنا پر مسلمانون کے لئے مسلمان قاضی مقرر ہوتے ہین، جو مسلمانون کے مذہبی معاملات کا تصفیہ کرتے ہین،

الغرض صورتِ حال یہ ہے کہ غیر اسلامی ملکون مین اور خصوصًا ایسے ملک مین جہان پہلے ان کی حکومت رہی ہو، اور پھر اتفاق زمانہ سے دوسری غیر اسلامی سلطنت وہان قائم ہوگئی ہو، جو ایسی مہربان ہو کہ مسلمانون کے مذہبی مراسم ادا کرنے مین خلل انداز نہ ہو، اور اُن کے مذہبی قوانین مین مداخلت نہ کرے، تو بھی اوس ملک کے مسلمانون پر فرض ہے، کہ وہ اس سلطنت سے اس بات کی درخواست کرین کہ وہ

اپنی طرف سے ایک مسلمان والی مقرر کرے، اور وہ مسلمان والی اپنی طرف سے مسلمانون کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اوران کے نظام مذہبی کو برقرار رکھنے کے لئے قضاۃ مقرر کرے، ان قضاۃ کا فیصلہ اور حکم نافذ ہوگا، اور قابلِ تسلیم واطاعت ہوگا، اگر یہ درخواست قبول نہ ہو سکے، تو مسلمانون پر واجب ہے کہ وہ باہمی رضامندی اور اتفاق سے کسی ایک شخص کو منتخب کرکے اپنا قاضی بنا لین، اور اس کے احکام اور فیصلون کو تسلیم کرین،

یہ تو اس معاملہ مین فقہ کی اصلی صورت ہے، جس کا تعلق صرف نکاح وطلاق سے نہین ہے، بلکہ مسلمانون کے تمام نزاعی اور قانونی معاملات سے ہے لیکن چونکہ تمام قانونی معاملات مین سے نکاح وطلاق اور ان کے متعلقات کی حیثیت اسلام کی نظر مین صرف ایک قانونی معاملہ کی نہین ہے، بلکہ مذہبی معاملہ کی بھی ہے، ان کا ایک رُخ قانونی معاملہ کا ہے، تو دوسرا رُخ مذہبی عبادات کا ہے، یہ ایسے مسائل ہین جن کا تعلق مسلمانون کی عزت وآبرو، زن وشو کے صحیح اور غیر صحیح ہونے، اولاد کے جائز اور ناجائز ہونے ترکہ اور وراثت کے استحقاق وعدم استحقاق وغیرہ سے ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان معاملات کو شریعتِ اسلامی کے مطابق طے ہونے کی پوری کوشش کی جائے،

ہندوستان کی گورنمنٹ نے اس ملک مین مسلمانون کے لئے ان معاملات مین انہی کا مذہبی قانون تسلیم کیا ہے، جس کا نام محمڈن لا ہے، لیکن سب سے بڑی دقت جو ان معاملات مین مسلمانون کو پیش ہے وہ یہ ہے کہ عدالتون اور اُن کے حاکمون کا مسلمان ہونا ضروری نہین ہے، ایسی صورت مین خواہ کسی قدر محمڈن لا کے مطابق وہ فیصلہ ہو اسلام کی نظر مین وہ اس وقت تک نافذ العمل نہین ہو سکتا، جب تک وہ کسی مسلمان حاکم وقاضی کی عدالت سے فیصل نہ ہو، انگریزی عدالتون کے بعض ایسے عام اصول متعلق شہادت وغیرہ ہین، جو اسلامی قانون سے مطابق نہین ہین جن کی وجہ سے یہ نکاح وطلاق کے نیم مذہبی اور نیم قانونی معاملات صحیح اسلامی قانون کے مطابق فیصل نہین ہونے پاتے،

آج کل محتاط اور مذہبی مسلمان گورنمنٹ کی عدالتون کے قوانین سے مجبور ہوکر یہ صورت اختیار کرتے ہین، کہ کسی معزز شخص یا مستند عالم کو ثالث مان کر اوس کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہین، مگر چونکہ ان کے فیصلے قانونی حق تنفیذ نہین رکھتے، اس لئے شوہرون پر اور دوسرے متعلقہ اشخاص پر ان کی پابندی ضروری نہین رہتی،

اس صورت حال کا سب سے بدترین منظر غریب مسلمان عورتون کی حالت ہے، جو ظالم سفاک بے درد، شوہرونسے کسی حالت مین نجات نہین پاسکیتن، حالانکہ شریعت اسلامیہ نے اُن کے تمام حالات کا لحاظ رکھا ہے، اور خیار، خلع فسخ اور تفریق کی متعدد صورتین ایسی رکھی ہین جن کے ذریعہ سے وہ ایسے شوہرون سے نجات پاسکتی ہین، ہر وہ لڑکی جس کا نکاح نابالغی مین اس کے باپ یا دادا کے سوا کسی دور ولی نے کسی سے پڑھادیا ہو، بالغ ہونے کے بعد وہ اختیار کامل رکھتی ہے، کہ وہ اپنے اس نکاح کو فسخ کردے، مگر ان تمام صورتون مین جماعتی نظام کو قائم رکھنے کے لئے اسلامی شریعت نے قاضی کی منظوری اور فیصلہ کو ضروری قرار دیا ہے لیکن ہندوستان مین مسلمانون کی جو کیفیت ہی، اس کی بناپر ان تمام صورتون کے دروازے مسلمان والدین، اور لڑکیون اور عورتون کے لئے بند ہین، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ ہندوستان کے مسلمان کس قدر معاشرتی تکلیف اور مصیبت کے شکنجہ مین گرفتار ہین، اور موجودہ صورت مین اس سے نجات پانے کی اُن کے پاس کوئی تدبیر نہین ہے،

خوش قسمتی سے اس وقت ایک ایسی صورت حال ہمارے سامنے ہے جس سے ایک طرف مسلمانون کی ان مشکلات کا حل ہو جاتا ہے، اور دوسری طرف اس خاص مسئلہ یعنی نکاح وطلاق کے لازمی طور سے درج تحریر کرانے اور اسی قسم کے دوسرے احکام متعلقہ کے صادر کرنے کے لئے جن سے مسلمانون کے فائدہ اور منفعت اور اسلامی مصالح کی رعایت مدنظر ہو، ایک صحیح شکل پیدا ہوجاتی ہی اور وہ یہ ہی کہ حکومت مسلمانون کے لئے ایک مرکزی محکمۂ قضا، اور اضلاع اور تحصیلون مین اوس کی شاخون

کا قیام منظور کرے،

تحریز نکاح و طلاق کے جبری قرار دینے مین فقہی حیثیت سے دو اعتراضات ہین، ایک یہ کہ یہ درج و تحریر شرعاً صرف مستحب و پسندیدہ ہے، فرض و واجب نہین، کسی شرعی اختیار کے بغیر کسی تبرع اور استحباب کو واجب مین نہین بدلا جا سکتا، یہ شرعی اختیار صرف امام مسلمین کو پہنچتا ہے، کہ وہ مسلمانون کی مصلحتون کی بنا پر اپنے زمانہ مین کسی قانون کو جو اصل مین غیر واجب ہو، واجب قرار دیدے اسکی مثالین احکام اسلامی مین موجود ہین، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہین، اُن ملکون مین جہان امام نہین یعنی غیر مسلم حکومت ہو، وہان کے مسلمانون پر فرض ہے، کہ وہ سب متحد ہو کر اپنے اوپر کسی ایک والی یعنی قائم مقام امام کا انتخاب کرلین، ایسی غیر مسلم حکومت اگر صرف خراج وصول کرکے مسلمانون کو اپنے معاملات مین خود مختار قرار دیدیتی ہے، یا یہ کہ وہ اندرونی معاملات مین مداخلت کرنا چاہتی ہے تو پہلی صورت مین مسلمانون پر از خود ایسے والی کا انتخاب اور تقرر آسان ہے، دوسری صورت مین مسلمانون پر یہ کوشش فرض ہے، کہ وہ اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کرین کہ وہ اپنی طرف سے ایک مسلمان والی اُن پر مقرر کرے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مسلمانون پر یہ ضروری ہے کہ وہ متحد ہو کر اپنی رضامندی سے قاضی کا انتخاب کرین، جو اُن کے معاملات کا فیصلہ کرے، اور احکام اسلامی کا اجرار کرے،

غرض غیر مسلم حکومت مین مسلمانون کے لئے اُن کی وسعت اور استطاعت کے مطابق، اپنے معاملات کے نظم و نسق و ترتیب اجرار کے لئے حسب ذیل تین شکلین ہین،

۱- اگر ممکن ہو تو مسلمان خود اپنی طرف سے متفق و متحد ہو کر ایک والی کا انتخاب کرین، اور وہ قاضیون کا تقرر کرے گا،

۲- یہ نہ ہو سکے تو اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کیا جائے، کہ وہی اُن پر ایک مسلمان والی مقرر کرے،

یہ مسلمان والی پھر قاضیون کا تقرر کرے،

۳- یہ بھی نہ ہو تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی ہی کا انتخاب کرین، یہ تینون شکلین فقہ کی کتابون مین مذکور ہین،

۱- اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسیة وبلاد الحبشة واقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم وکذا ان ینصبوا لهم اماما یصلی بهم الجمعة،

(فتح القدیر)

اگر کسی ملک مین مسلمان حاکم نہ ہو، اور نہ اُس شخص کا وجود ہو، جو قاضی کا تقرر کر سکے، جیسا کہ مسلمانون کے بعض ان ملکون کا حال ہے جن پر غیر مسلم اب قابض ہو گئے ہین، جیسے ملک مغرب مین آج کل قرطبہ اور بلنسیہ اور حبشہ کہ انھون نے مسلمانون کو اپنے یہان رہنے کی اجازت خراج و محصول ادا کرنے پر دیدی ہے ایسے ملکون کے مسلمانون پر واجب ہے کہ وہ اپنے مین سے کسی ایک شخص پر متفق ہو کر اس کو اپنا والی بنالین، اور وہ والی کسی کو قاضی بنائے یا وہی والی قضاء کا کام بھی کرے اور ایسا ہی ضروری ہے، کہ وہ امام مقرر کرلین، جو ان کو جمعہ پڑھائے،

۲- بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمع و

۲- ایسے ملک مین جن پر غیر مسلم حاکم ہین، مسلمانون کو جمعہ قائم کرنا درست ہے،

يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين
ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا
مسلما،

(عالمگیری ورد المحتار عن المبسوط)

۳۔ كل مصر فيه وال مسلم
من جهة الكفار يجوز منه اقامة
الجمع والاعياد واخذ الخراج و
تقليد القضاء وتزويج الايامى
لاستيلاء المسلم عليهم ...
.... واما
في بلاد عليها ولاة كفار
فيجوز للمسلمين اقامة الجمع و
الاعياد ويصير القاضي قاضيا
بتراضي المسلمين ويجب
عليهم طلب وال مسلم،

(ردالمحتار)

اور ایسے ملک مین مسلمانون کی رضامندی
سے قاضی، قاضی ہوجائے گا، اور اس ملک
کے مسلمانون پر واجب ہوگا کہ وہ حکومت
سے کسی مسلمان والی کے تقرر کا مطالبہ کرین،

۳- ہر وہ ملک جس مین غیر مسلمون کی طرف
سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو، اوس والی
کی طرف سے جمعہ اور عیدین کی نماز کا قیام
درست ہے، اور اسی طرح خراج لینا، اور
قاضیون کا مقرر کرنا، اور بیواؤن کا نکاح
اس کی اجازت سے اس لئے درست ہے
کہ اوس نے مسلمانون کو ان پر حاکم بنایا ہے،
.... لیکن اون ملکون مین جن پر غیر مسلم
والی مقرر ہین، مسلمانون کے لئے جمعہ اور عیدین
کی نمازین درست ہین، اور قاضی مسلمانون
کی رضامندی سے قاضی ہوجائے گا، اور وہان
کے مسلمانون پر واجب ہے کہ حکومت سے
کسی مسلمان والی کا مطالبہ کرین،

ہندوستان مین مسلمانون کے معاملات کے نظم ونسق وترتیب اور احکام کے اجرا، اور قضا، کے لئے تینون مذکورۂ بالا شکلون مین سے ایک شکل اختیار کرنی پڑے گی، ہندوستان مین مختلف

مذہبون اور قومون کی ایسی مخلوط آبادی ہے جس کا لحاظ کرکے یہان کی غیر مسلم حکومت کو خاص مسلمانون کے لئے ایک مستقل مسلمان والی کے تقرر کو منظور کرنا تقریبًا ناممکن ہے، اس بنا پر اگر کوئی صورت ممکن ہی، تو وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی کا انتخاب کرین، اور اس قاضی کو تنفیذ کی طاقت اور قوت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے، کہ حکومت اس انتخاب کو قبول کرے، اس بنا پر اگر اس صوبہ کے مسلمان ایک قاضی القضاۃ کا انتخاب کرین، اور گورنمنٹ اوس کو منظور کرے، اور یہ قاضی القضاۃ مسلمانون کی رضامندی اور گورنمنٹ کی منظوری سے اضلاع اور تحصیلون مین قاضیون اور نائب قاضیون کا تقرر کرے تو تمام مشکلات کا حل ہوجاتا ہے،

اس قاضی اعلیٰ کا احکام اسلامی کے اجراء معاملات کے تصفیہ اور مصالح مسلمین کی بنا پر بعض مستحب جائز قانونی امور کا واجب گروانا ممکن ہے،

اس تفصیل سے واضح ہوگا کہ شریعت اسلامی کے کسی جائز اور مستحب قانونی امر کو واجب اور لازم قرار دینے کی کیا شکل ہے؟ اگر اس شکل کو اختیار کیا جائے، تو اس شکل (درج نکاح کو لازمی قرار دینا) کے حل ہونے کے علاوہ مسلمانون کے نکاح و طلاق و فسخ وغیرہ کی تمام دقتین رفع ہوجائین گی،

مسلمان غیر مسلم حکومتون مین جہان کہین بھی آباد ہین، یا گذشتہ صدیون مین چین، ہندوستان، روم، جہان کہین بھی اسلامی قبضہ سے پہلے آباد تھے، اسی نظام کے ماتحت وہ ان غیر مسلم حکومتون مین آباد تھے، اور تاریخ اور سفرنامون مین اس کی پوری تفصیل موجود ہے، ہندوستان پر اسلامی قبضہ سے پہلے سواحل ہند مین راجاؤن کے ماتحت جو مسلمان رہتے تھے، ان کے اس نظام کے مسلمان افسر اعلیٰ کا نام "ہنرمند" ہوتا تھا جس کو راجہ مسلمانون کی مرضی سے ان پر مقرر کرتا تھا، اور آج بھی فلسطین، شام، تونس، الجزائر، حتی کہ روس اور فلپائن مین بھی یہی صورت ہے، بلکہ خود ہندوستان کی اسلامی حتی کہ

ہندو ریاستون مین بھی اس پر عمل ہے،

قاضیون کے لئے یہ ضروری نہین ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام امور و معاملات مین احکام اور فیصلے جاری کرین، بلکہ حکومت وقت جس قدر اور جتنے اختیارات، اور حقوق اور جن معاملات تک ان کے اختیارات کو محدود کرنا چاہے کر سکتی ہے، چنانچہ کتب فقہ مین یہ جزئیہ مذکور ہے،

وَمِنھا (ای من احکام القضاۃ) صحۃ تعلیقہ واضافتہ وتقییدہ بزمانٍ ومکانٍ، (بحرالرائق)	اور قاضیون کے احکام مین سے ایک یہ ہے کہ والی اپنے قاضی کے زمانہ اور مکان کی تعیین کر دے (یعنی یہ کہ اس کے قضا کے حدود کہان تک ہون گے، اور کب تک ہونگے)
وَلو استثنیٰ حوادث فلان لایقضی فیھا ولو قضی لاینفذ (بحرالرائق)	اسی طرح یہ بھی درست ہے، کہ بعض قسم کے معاملات کو مستثنیٰ کر دے، اگر قاضی ان مقدمات کا فیصلہ کریگا جن مین اس کو قاضی نہین بنایا گیا، تو وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا،
اذا قلد السلطان رجلاً قضاء بلدۃ کذا لایصیر قاضیا فی سواد تلک البلدۃ ما لم یقلد قضاء البلدۃ ونواحیھا، (عالمگیری)	اگر امام کسی شخص کو کسی خاص شہر کا قاضی بنائے، تو وہ شخص اس شہر کے اطراف کا قاضی نہ ہوگا، جب تک امام یہ تصریح نہ کر دے کہ وہ اس شہر اور اس کے اطراف کا بھی قاضی ہے،
وَاذا علق السلطان الامارۃ والقضاء بالشرط واضافھا الی	اگر امام امیر کی امارت یا قضاء کو بعض شرطون سے محدود کر دے، اور اس کو کسی

وقت فی المستقبل	آیندہ زمانہ کی طرف نسبت کردے تو یہ
فذلک جائز واذا قلد السلطان	جائز ہے، اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ
رجلا قضاء یوم یجوز ویتاقت	اگر سلطان کسی شخص کو کسی خاص دن کا
واذا قید لا بالمکان یجوز و	قاضی بنادے، تو وہ اسی دن کا قاضی
یتقید بذلک المکان وکذا	ہوگا، اور اگر کسی خاص مقام کی قید لگادے
یجوز استثناء سماع بعض الحکومات	تو اسی مقام کا قاضی ہوگا، اور ایسا ہی
	اگر بعض مقدمات کی سماعت کا اختیار
(عالمگیری)	نہ دے، تو یہ بھی جائز ہے،

اس لئے اگر موجودہ حالت مین ان قاضیون کے اختیارات نکاح و فسخ وطلاق اور ان کے متعلقات تک محدود رکھے جائین تو جائز ہوگا، اور ان مسائل مین اُن کا فیصلہ صحیح ہوگا، اور اس طرح ان مسائل مین مسلمانون کی دقتون کا خاتمہ ہوگا، اور حکومت اور رعایا دونون کے لئے اس مین خیر و فلاح کی توقع کی جاسکتی ہے، بخلاف اس کے اگر مسلمان قاضیون کو اختیارات نہ دیئے جائین، اور قانون کی یہی شکل ہو کہ اس کی تنفیذ تمام عمالِ حکومت کے ہاتھ سے ہو، خواہ وہ مسلم ہون، یا غیر مسلم تو ہماری قطعی رائے ہے کہ غیر مسلم کی جانب سے نہ جبری اندراج کا حکم صحیح اور قابلِ قبول ہوسکتا ہے، اور نہ مسلمانون کی مشکلات کا خاتمہ ہوگا،

اقبال کا فلسفۂ خودی

جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

(۲)

ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلہ یعنی خیر و شر کے متعلق تمام نظریات کو جمع کر کے اپنا ایک مستقل نظریہ قائم کیا ہے،

(۱) ان کے نزدیک تخلیق انسانی کا مقصد حصولِ لذت نہین ہے،

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن　　نہ سیرِ گل کے لئے ہے، نہ آشیاں کے لئے

تراز خویشتن بیگانہ سازد　　من آن آبِ طربناکے ندارم

بیازارم مجو دیگر متاعے　　چو گل جز سینۂ چاکے ندارم

(۲) بلکہ خودی کا تحقق، کمال اور نشو و نما ہے، اور یہ تمام چیزین شر یعنی مصیبت اور رنج و الم سے حاصل ہوتی ہین،

اے لالہ، اے چراغِ گلستان و باغ و راغ　　در من نگر کہ می دہم از زندگی سراغ

داغے بسینہ سوز کہ اندر شبِ وجود　　خود را شناختن نتوان جز باین چراغ

اے موجِ شعلہ سینہ بباد صبا کشاے　　شبنم مجو کہ میدہد از سوختن فراغ

درمان ز درد ساز اگر خستہ تن شوی　　خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

غزالے با غزالے درد دل گفت ازین پس در حرم گیرم کنامے
بصحرا صید بندان در کمین اند بکام آہوان صبحے نہ شامے
امان از فتنۂ صیاد خواہم دلے ز اندیشہ ہا آزاد خواہم
رفیقش گفت اے یار خردمند اگر خواہی حیات اندر خطر زی
دمادم خویشتن را بر فسان زن ز تیغ پاک گوہر تیز تر زی
خطر تاب و توان را امتحان است عیار ممکنات جسم و جان است

(۳) اصل فطرت اور مشیت الٰہی مین خیر و شر کچھ نہین ہے،

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست زبان لرزد کہ معنی پیچ دار است
برون از شاخ بینی خار و گل را درون او نہ گل پیدا نہ خار است

بلکہ عالم خارجی مین جب خودی تسخیر فطرت مین مصروف عمل ہوتی ہے، تو خیر و شر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حضرت آدمؑ بہشت سے نکل کر فرماتے ہین،

گہے جز یکے ندیدن بہ ہجوم لالہ زارے
گہے خار نیش زن را ز گل امتیاز کردن

یعنی جو چیزین تسخیر فطرت مین خودی کی معاون ہوتی ہین، ان کو وہ خیر اور جو چیزین مزاحم ہوتی ہین، ان کو شر سمجھتی ہے، اس لئے خودی معیار خیر و شر ہے،

نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل
جو ہو نشیب مین پیدا قبیح و نامحبوب

(۴) لیکن خیر و شر کا یہ امتیاز عقل سے ہوتا ہے، امام رازی نے لکھا ہے کہ اشاعرہ کے اصول کے مطابق خیر و شر کا مسئلہ نہین پیدا ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک عقلاً کوئی چیز نہ بری ہے، نہ بھلی، شریعت جس چیز

کو اچھا کہہ دیتی ہے، وہ اچھی، اور جس چیز کو بُرا کہہ دیتی ہے، وہ بُری ہو جاتی ہے، لیکن معتزلہ حسن و قبح عقلی کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک خود عقل نیک و بد کا امتیاز کرتی ہے، اس لئے ان کے نزدیک عقلاً خیر و شر کا وجود ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی معتزلہ کی رائے اختیار کی ہے، اور خدا کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:-

غلامم جز رضاے تو نجویم | جز آن راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ این نادان بگوئی | خرے را اسپ تازی گو نگویم

(۵) دنیا میں اصل وجود شر کا ہے، اور اسی شر کے ازالہ کا نام خیر ہے، یعنی شر وجودی اور خیر سلبی چیز ہے، اور اس مسئلہ میں وہ شوپنہار اور محمد بن زکریا رازی کے ہمزبان ہیں،

مرغے ز آشیانہ بسیرے چمن پرید | خارے ز شاخ گل بہ تنِ نازکش خلید
بد گفت فطرتِ چمن روزگار را | از درد خویش و ہم ز غمِ دیگران تپید
تا لید تا بحوصلہ آن نوا طراز | خون گشت نغمہ و ز دو چشمش فرو چکید

یہ مرغِ ستم زدہ شوپنہار ہے،

سوزِ فغانِ او بدلِ ہدہدے گرفت | با نوکِ خویش خار ز اندامِ او کشید
گفتش کہ سود خویش ز جیبِ زیان برآر | گل از شگافِ سینہ زرِ ناب آفرید

یہ ہدہد نطشے ہے،

(۶) شوپنہار بھی اس زود فنا لذت و راحت کا منکر نہیں، مگر وہ آنی چیز ہے، قیام و بقا صرف شر کو ہے، اور ڈاکٹر صاحب بھی اس کے اس نظریہ سے متفق ہیں،

سحر می گفت بلبل باغبان را | درین گل جز نہالِ غم نگیرد
بہ پیری می رسد خار بیابان | ولے گل چون جوان گردد بمیرد

اس لئے یزدو دنیا لذت و مسرت اس کے نزدیک اس عالمگیر، قائم و ثابت فطری شر کا بدل نہیں ہوسکتی، اور اس سے نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس میدان ہی سے پاؤں ہٹالیا جائے عیسائی راہبوں اور ہمارے صوفیوں کا نظریہ بھی یہی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اس کو شکست سمجھتے ہیں،

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں — بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست

فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور — کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست

گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی — اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

اس لئے وہ مردانہ وار شر کا خیر مقدم کرتے ہیں،

کجا این روزگارے شیشہ بازے — بہشت این گنبد گردان ندارد

ندیدہ درد زندان یوسف او — زلیخا ایش دل نالان ندارد

خلیل او حریف آتشے نیست — کلیمش یک شرر در جان ندارد

بہ صرصر در نیفتد زورق او — خطر از لطمۂ طوفان ندارد

یقین را در کمین بوکے و مگر نیست — وصال اندیشۂ ہجران ندارد

کجا آن لذت عقل غلط سیر — اگر منزل رہ پیچان ندارد

مزی اندر جہان کور ذوقے — کہ یزدان دارد و شیطان ندارد

ہین عقدہ کشا یہ خار صحرا — کم کر گلۂ برہنہ پائی

(۵) روح و جسم کا اتحاد اثبات خودی کا یہ پانچواں مقدمہ ہے، اور مسئلہ خیر و شر سے تعلق رکھتا ہے، چوتھے مقدمہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ دنیا خیر و شر کی ایک رزمگاہ ہے، اور ڈاکٹر صاحب اس رزمگاہ سے پاؤں پیچھے نہیں ہٹاتے، بلکہ اسی جنگ کو زندگی سمجھتے ہیں،

سکندر با خضر خوش نکتۂ گفت — شریک سوز و ساز بحر و بر شو

تو این جنگ از کنار عرصہ بینی بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو

میا با بزم بر ساحل کہ آنجا نوای زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و با موجش درآویز حیات جاودان اندر ستیز است

لیکن جنگ کے لئے طاقت کی ضرورت ہے، اور نطشے کے خیال مین طاقت ہی خیر و شر کا معیار ہے،

دوش رفتم بہ تماشاے خرابات فرنگ شوخ گفتاری رندے دلم از دست بُرد
نطشے

گفت این نیست کلیسا کہ بیابی در وے صحبت دخترک زہرہ وش و نای و سرود

این خرابات فرنگ است و ز تاثیرش آنچہ مذموم شمارند نماید محمود

نیک و بد را بترازوے دگر سنجیدیم چشمۂ داشت ترازوے نصاری و یہود

خوب زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست زشت خوب است اگر تاب و توان تو فزود

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اگرچہ خیر و شر کا معیار قوت نہین بلکہ خودی ہے، جو قوت سے زیادہ وسیع اور عام ہے، تاہم وہ بھی زندگی کے لئے قوت کو ضروری سمجھتے ہین، اگرچہ انھون نے مسٹر نکلسن کو ایک خط مین لکھا ہے، کہ مسٹر ڈکنسن کے نزدیک مین نے اپنی نظمون مین جسمانی قوت کو منتہاے آمال قرار دیا ہے (اونھون نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے جس مین یہی خیال ظاہر کیا ہے) انھین اس بارے مین غلط فہمی ہوئی ہے، مین روحانی قوت کا تو قائل ہون لیکن جسمانی قوت پر یقین نہین رکھتا[1]، لیکن ان کی نظمون کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ وہ جسمانی ہی قوت کو منتہاے آمال سمجھتے ہین

چمن خوش است ولیکن چو غنچہ نتوان زیست قباے زندگیش از دم صبا چاک است

---

[1] اقبالنامہ ص ۴۶۰،

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی — چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

گفت با الماس در معدن زغال — اے امینِ جلوہ ہائے لازوال
ہمدمیم و ہست و بود ما یکیست — در جہان اصل وجود ما یکیست
من بکان میرم ز دردِ ناکسی — تو سر تاج شہنشاہان رسی
گفت الماس اے رفیق نکتہ بین — تیرہ خاک از پختگی گردد نگین
تا بہ پیرامونِ خود در جنگ شد — پختہ از پیکار مثل سنگ شد
خوار گشتی از وجودِ خامِ خویش — سوختی از نرمیِ اندام خویش
فارغ از خوف و غم و وسواس باش — پختہ مثل سنگ شو الماس باش
در صلابت آبروے زندگی است — ناتوانی ناکسی ناپختگی است

طائرے از تشنگی بیتاب بود — در تنِ او دم مثالِ موجِ دود
ریزۂ الماس در گلزار دید — تشنگی نظارۂ آب آفرید
مایہ اندوز نم از گوہر نشد — زد برو منقار و کامش تر نشد
گفت الماس اے گرفتار ہوس — تیز بر من کردہ منقار ہوس
قطرۂ آبے نیم ساقی نیم — من براے دیگران باقی نیم
آبِ من منقار مرغان بشکند — آدمی را گوہر جان بشکند
طائر از الماس کامِ دل نیافت — روے خویش از ریزۂ تابندہ تافت
قطرۂ شبنم سرِ شاخِ گلے — تافت مثل اشکِ چشمِ بلبلے
مرغِ مضطر زیرِ شاخِ گل رسید — در دہانش قطرۂ شبنم چکید
اے کہ می خواہی ز دشمن جان بری — از تو پرسم قطرۂ یا گوہری

چون ز سوز تشنگی طائر گداخت / از حیاتِ دیگرے سرمایہ ساخت

قطرہ سخت اندام گوہر خو نبود / ریزۂ الماس بود و او نبود

غافل از حفظِ خودی یک دم مشو / ریزۂ الماس شو شبنم مشو

پختہ فطرت صورتِ کہسار باش / حاملِ صد ابر دریا بار باش

خویش را دریاب از ایجابِ خویش / سیم شو از بستن سیماب خویش

اس لئے اگر اس قسم کی نظمون سے مسٹر ڈکنسن نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ قوتِ جسمانی کو منتہائے آمال قرار دیتے ہین، تو اس کو غلط نہین کہا جا سکتا، لیکن اس تضاد کو اس طرح رفع کیا جا سکتا ہے، کہ

(۱) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جسمانی قوت سے روحانی قوت حاصل ہوتی ہے، صوفیون اور راہبون کا خیال ہے، کہ جسم کو جس قدر ضعیف کیا جائے، اسی قدر روح طاقت ور ہوتی ہے، اور اسی لئے وہ مجاہدہ، ریاضت اور روزہ و گرسنگی سے جسم کی طاقت کو زائل کرتے ہین، لیکن اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ جسم کی طاقت سے خود روح طاقتور ہوتی ہے،

تو گوئی طائر ما زیر دام است / پریدن بر پر و بالش حرام است

ز تن برجستہ تر شد معنی جان / فسانِ خنجر ما از نیام است

(۲) اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ روح و جسم دونون کو جیسا کہ ہمارے متکلمین کا مذہب ہے ایک تسلیم کیا جائے اور اس صورت مین جسمانی اور روحانی طاقت ایک ہو جاتی ہے، اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بعض موقعون پر اس کے خلاف بھی رائے ظاہر کی ہے،

ندانم بادہ ام یا ساغرم من / گہر در دامنم یا گوہرم من

چنان بینم چو بر دل دیدہ بندم / کہ جانم دیگر است و دیگرم من

تاہم ان کا اصلی میلان اسی طرف ہے کہ روح وجسم مین مغائرت نہین، بلکہ اتحاد ہے، چنانچہ مثنوی گلشن راز جدید مین اس کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے،

تن وجان را دوتا گفتن کلام است

تن وجان را دوتا دیدن حرام است

(۶) مسئلۂ جبر واختیار، اثباتِ خودی کا یہ چھٹا مقدمہ ہے، اور تمام مقدمات سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ خودی کے تحقق ونشو ونما کے لئے قدرت اور اختیار لازمی ہین، لیکن یہ مسئلہ جس قدر اہم ہے، اسی قدر پیچیدہ بھی ہے، اور اس پیچیدگی کی وجہ یہ ہے، کہ انسان کو دو نسبتین حاصل ہین، ایک نسبت تو اس کو خدا کے ساتھ ہے، اور اس حیثیت سے وہ خدا کے مقابل مین ایک ہیچ، عاجز، درماندہ اور بے بس ومجبور ہستی ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی اس حیثیت سے خدا کے سامنے نہایت نیازمندی کے ساتھ اپنے عجز ومجبوری کا اعتراف کیا ہے، وہ خدا کو مخاطب کرکے کہتے ہین،

مرغِ خوش لہجہ وشاہین شکاری از تست ‌ ‌ ‌ زندگی را روشِ نوری وناری از تست

دلِ بیدار وکفِ خاک وتماشائے جہان ‌ ‌ ‌ سیر این ماہ بشب گونہ عماری از تست

ہمہ افکارِ من از تست چہ در دل چہ بلب ‌ ‌ ‌ گہر از بحر برآری ونہ برآری از تست

من ہمان مشتِ غبارم کہ بجائے نرسد ‌ ‌ ‌ لالہ از تست ونمِ ابرِ بہاری از تست

نقشِ پرداز توئی ما قلم افشانیم ‌ ‌ ‌ حاضر آرائی وآیندہ نگاری از تست

گلہ ہا داشتم از دل بزبانم نرسید ‌ ‌ ‌ مہر وبے مہری وعیاری ویاری از تست

انسان کا نوشتۂ تقدیر خود خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، "جف القلم بما ھو کائن" اور انسان کو اسی راستے پر چلنے کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن یہ کوشش بھی خدا ہی کے اختیار مین ہے،

تو بلوحِ سادۂ من ہمہ مدعا نوشتی ‌ ‌ ‌ دگر آنچنان ادب کن کہ غلط نخوانم اورا

لیکن دوسری نسبت اوس کو خدا کے علاوہ تمام کائنات کے ساتھ ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام کائنات کے مقابل مین بالکل خود مختار اور آزاد نظر آتا ہے، سلسلۂ کائنات مین ایک ذرہ سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک ایک خاص قانون کے پابند ہین، اور اس محدود دائرہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے لیکن اُن کے مقابل مین انسان کی قدرت، اختیار اور ایجاد و اختراع کی کوئی حد ہی نہین،

دم مرا صفتِ باد فرودین کردند گیاہ را ز سرشکم چو یاسمین کردند
نمود لالۂ صحرا نشین ز خونابم چنانکہ بادۂ لعلے بہ ساتگیں کردند
فروغِ آدم خاکی ز تازہ کاری ہاست مہ و ستارہ کنند انچہ پیش ازین کردند

اسی تازہ کاری کا دوسرا نام تخلیق ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اس مین انسان کو بھی خدا کا شریک بنا دیا ہے،

جہان او آفرید، این خوب تر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

لیکن یہ شاعرانہ اوج ہے، ورنہ فلسفیانہ حیثیت سے اونھون نے جبر و اختیار کے درمیان ایک متوسط نظریہ اختیار کیا ہے، اور تخلیق کے دو حصے کر دیئے ہین، ایک تخلیق کا تعلق مادیات اور عالمِ جسمانی سے ہے، اور اس تخلیق مین انسان خدا کا شریک نہین، آفتاب و ماہتاب، زمین و آسمان، کوہ و دریا، شجر و حجر، حیوانات، نباتات اور معدنیات سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہین، اور ان کی تخلیق مین انسان بالکل عاجز و مجبور ہے، وہ ایک ذرہ کو بھی نہین پیدا کر سکتا، اس لئے اوس کو مختار، قادر اور آزاد نہین کہہ سکتے، خدا نے ان چیزون کو انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے اگر وہ ان کا غلط استعمال کرتا ہے، تو خدا اوس پر الزام لگاتا ہے،

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم | تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم | تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہالِ چمن را | قفس ساختی طائر نغمہ زن را

لیکن مادیات و جسمانیات مین خود کسی قسم کی قدرت نہین، ان کا ذرہ ذرہ غیر منظم حالت مین بکھرا ہوا پڑا ہے، ہر جگہ انتشار، بے ترتیبی، اونشیب و فراز ہے، اور خود انین ترتیب و تنظیم کی قدرت نہین، یہ صرف انسان ہے، جو ان مین ترتیب و تنظیم پیدا کرتا ہے، اس لئے عالم جسمانی اپنی ترتیب و تنظیم کے لئے انسان کی آغوش مین پناہ لیتا ہے،

جہان کز خود ندارد دستگاہے | بکوے آرزو می جست راہے
ز آغوشِ عدم وز دیدہ بگریخت | گرفت اندر دلِ آدم پناہے

اب اسکی حیثیت ایک طفل شیر خوار کی ہو جاتی ہے، اور انسان اس کی پرورش کرکے اس کو ایک حسین و جمیل جوان بنا دیتا ہے! اور اسی تربیت و پرداخت کی بناپر وہ خدا کے الزام کا یہ جواب دیتا ہے،

تو شب آفریدی چراغ آفریدم | سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی | خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم | من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

صرف اسی عالم کی تخصیص نہین، بلکہ عالم اخروی بھی انسان ہی کے اعمال و افعال کا پیدا کیا ہوا ہے، جنت و دوزخ کو صرف انسان کے کفر و اسلام نے پیدا کیا ہے، اس لئے وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتا ہے،

این جہان چیست؟ صنم خانہ پندار من است | جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بہ نگاہے او را | حلقۂ ہست کہ از گردش پرکار من است

ہستی ونیستی از دیدن ونادیدن من
چہ زمان وچہ مکان شوخی افکار من است

از فسون کاری دل سیر و سکون غیب و حضور
این کہ غماز وکشایندۂ اسرار من است

ان جہانے کہ درو کاشتہ را می دروند
نور ونارش ہمہ از سبحہ وزنار من است

اے من از فیض تو پایندہ نشان تو کجاست
این دو گیتی اثر ماست جہان تو کجاست

اب اس تخلیق کی بناپر انسان کو مجبور بھی نہین کہہ سکتے، بلکہ وہ نہ مجبور ہے، نہ مختار، بلکہ ان دونون کے درمیان ایک متحرک زندہ طاقت ہے،

سراپا معنی سربستہ ام من
نگاہ حرف بافان برنتابم

نہ مختارم توان گفتن نہ مجبور
کہ خاک زندہ ام در انقلابم

اسی متحرک اور زندہ طاقت ہونے کی وجہ سے انسان اپنے اعمال وافعال مین آزاد اور اس کا ذمہ دار ہے، اور اسی عملی آزادی کی بناپر انسانی خودی کی نشو ونما ہوتی ہے، اور وہ عذاب وثواب کا مستحق ہوتا ہے،

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہین رہتی
ہو جس کے جوانون کی خودی صورت فولاد

ناچیز جہان مہ وپرین ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے تو عالم آزاد

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت مین نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(باقی)

نور الدین محمد ظہوری کا مولد

از

جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (بستی)

نور الدین محمد ظہوری (متوفی ۱۰۲۵ھ) کی شخصیت محتاج تعارف نہین، اس کی سہ نثر اور ساقی نامہ دونون کو شہرت دوام حاصل ہو چکی ہے، لیکن اس کے سلسلۂ واقعات کی ہر کڑی نہایت الجھی ہوئی ہے، حتی کہ نام اور وطن تک کے بارے مین مورخین اور تذکرہ نویسون مین اختلافات ہین، بعض بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قاین[۱] مین پیدا ہوا، تذکرہ نویسون کا ایک گروہ اس کو ترشیز[۲] المولد قرار دیتا ہے، اسی مین کچھ ایسے ہین، جو اس کے قریہ تک کا نام بتاتے ہین، دو ایک بیانون

---

۱ قاین صوبۂ خراسان مین ایک خطہ یا کمشنری ہے، جو ترشیز کے جنوب مین واقع ہے، خطۂ قاین اور خطۂ ترشیز کے درمیان مین خطۂ تون واقع ہے، اس کا صدر مقام تون، اور خطۂ قاین کا صدر مقام قاین ہے ۲ ترشیز (بہ تاے مضموم تاے مفتوح درست نہین ہے، ایران کے نقشون سے ایسا ہی ظاہر ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد ۴ ص ۱۲۱۱)، یاقوت اور مقدسی کے بیانات اسی امر کی تائید کرتے ہین بمبئی یونیورسٹی کے مخطوطات فارسی کے کٹیلاگ کرنے صاف طور سے لکھا ہے، کہ اس کو تاے مفتوح سے پڑھنا بالکل غلط ہے، (ص ۱۷۰، ۱۷۱) اس کے متعلق ذیل کا بیان بہت اہم ہے :-

"در قرن دہم حتی بلوک را کہ در پشت جبال بودند کہ از طرف جنوب محدود بہ جلگہ نیشاپور است مثل بلوک پشت باشہر عمدہ اش ترشیز در جزو نیشاپور محسوب می داشتند، درین زمان کلمہ ترشیز بہ تمام بلوک اطلاق می شود، خود شہر گاہ بہ ہمان اسم و گاہے بہ تمام "سلطان آباد"

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ولادت تربت[۱] مین ہوئی تھی، دو تذکرے اس کو طرانی الاصل قرار
دیتے ہین، کچھ اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تبریزی تھا، ایک تذکرے مین وہ شیرازی بتایا گیا ہے،
خود ظہوری نے کہین کہین اشعار مین اپنے وطن کی طرف اشارہ کیا ہے، جس سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ وہ خراسان مین پیدا ہوا تھا، البتہ دو مقام پر اوس نے صراحۃً یہ لکھا ہے، کہ اس کی پیدائش

(بقیہ حاشیہ ص۳۵۸) ذکر می شود (جغرافیائے تاریخی ایران بارتھلڈ مترجم حمزہ سردادور ص ۱۶۰)
اس بیان کے برخلاف بمبئی یونیورسٹی کے کٹیلاگ نے لی، اسٹرنگ کی تالیف (ممالک خلافتِ شرقیہ) ص ۳۵۴
کے حوالہ سے ذیل کا بیان نقل کیا ہے :-

"ترشیز ایک ضلع تھا، شہر کا نام نہ تھا، البتہ قرون وسطیٰ مین ترشیز ایک معروف و خوش حال شہر تھا جو
قہستان کے جنوبی مغربی گوشہ مین نیشاپور کے جنوب مین واقع تھا، لیکن تیمور نے جب ۷۸۳، ۱۳۸۱ مین
اس کا محاصرہ کیا، تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے یہ شہر معدوم ہو گیا، اس
زمانہ مین بھی ضلع کا نام باقی ہے لیکن شہر کا وجود نہین پایا جاتا"،

مگر بارتھلڈ کے متذکرۂ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے، کہ دسوین صدی ہجری تک یعنی حملۂ تیمور کے تقریباً دو سو برس
بعد تک یہ شہر اسی نام سے باقی تھا اب بھی وہ شہر موجود ہے، جس کو کبھی ترشیز اور کبھی سلطان آباد کہتے ہین، ایران کے
نقشون مین (صدر مقام کا نام) سلطان آباد ہی لکھا ہے، بارتھلڈ کے بیان کی تائید گنج دانش (ص ۳۰۳ طبع
ایران) سے بھی ہوتی ہے، "ترشیز نام شہرے ست از بلاد خراسان مشتمل بر دہات و قریٰ و قصبات و پائے تخت
آن راسلطانیہ (غالباً مخفف سلطان آباد) می گفتند .... و شہر ترشیز واقع ست در اواسط شہر ہائے خراسان"
تحفۃ الکرام ص ۲۲۲ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ شہر کا وجود اب تک باقی ہے اگو نام مین ذرا تبدیلی واقع ہو گئی ہو گی

[۱] تربت ترشیز کے جنوب مین ایک شہر ہے، خراسان مین اس نام کے دو مقام ہین، تربتِ حیدریہ، تربت جامی، اول الذکر
قائین کے قریب واقع ہے، یہان کے مشاہیر مین میرزا ابو طالب (مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۴۴۱) میر حسن کفری (رض جلد ۱)
اور مولانا درویش تربتی (ج ۳ ص ۱۶۸۳) قابلِ ذکر ہین،

قائین[1] میں واقع ہوئی، ایک قصیدہ میں جو ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۰ - ۱۰۳۷ء) کی مدح میں ہے، اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار ذیل کے اشعار میں کرتا ہے، (ص ۵۱۰ کلیات)

شد بہ ہجرت درست نسبتہا ۔۔۔ دشمنے در شکستنِ وطن است

ربط ہجرت بہ جانِ پاک دلان ۔۔۔ راست گوئی کہ ربط جان وتن است

انجم ویرہ توش چہ خواہد بود ۔۔۔ عارضت آفتاب انجمن است

کس نہ دانم نظیر خود بہ وفا ۔۔۔ ہم ظہوری نظیر خویشتن است

در محبت اویسیان ہستند ۔۔۔ ملک قائین قرینہ قرن است

آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہوری ملک (علاقہ[2]) قائین میں پیدا ہوا تھا، ساقی نامہ میں "تعریف قلم" کے ذیل میں شعراے متقدمین کی تعریف کرکے اپنی طرف رجوع کرتا ہے (ص ۱۶۲)

نظر بر چو من ناتوانے فگند ۔۔۔ نفس تا فتد در صید گردون کند

بر ستاق قائن فتادش عبور ۔۔۔ ظہوری از و کرد شہرے ظہور

اس واقعہ کی تائید ابراہیم زبیری کے بھی بیان سے ہوتی ہے، مؤلف نے بساتین السلاطین میں دو جگہ ظہوری کو قائنی بتایا ہے، مقدمہ میں (ورق ۲) لکھتا ہے :-

"ملا ظہور ولد ملا ظہوری قائینی کہ منشآت سحر آیاتش مشہور ومعتبر ومقبول عالمیان است"

پھر ابراہیم عادل ثانی کے احوال کے ذیل میں رقمطراز ہے :-

"از جملہ سخنوران آن زمان ملا ظہوری قائینی ہست" (صفحہ ۱۱۲۵)

---

[1] حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے اورنٹیل کالج میگزین (اگست ۱۹۲۹ء) میں فارسی ادب کی تاریخ کے سلسلہ میں تذکرہ شعراے قائنیات (نمبر ۱۳) کی اطلاع دی ہے جس کو ضیاء الدین قائنی نے مرتب کیا تھا، اور یہ بھی بتایا تھا کہ یہ تذکرہ رام پور کے سرکاری کتاب خانہ میں ہے، لیکن مجھے کتابخانہ مذکور میں باوجود تلاش کے نہ مل سکا [2] قائین ترشیز

مؤلف مذکور کی یہ نسبت جو اس نے ظہوری کی طرف منسوب کی ہے، خود ظہوری کے قول کی موید ہونے کے علاوہ چند دیگر وجوہ سے بہت اہم ہے،

(۱) مؤلف کے پیش نظر ظہوری کے بیٹے ظہور[1] کا محمد نامہ ہے، جو سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ - ۱۰۶۷ھ) کے زمانہ کی تاریخ ہے، ملا ظہور نے تاریخ مذکور کا دیباچہ[2] لکھا تھا جس مین کتاب کی وجہ تالیف بیان کی تھی، شاید اس دیباچہ مین مؤلف نے اپنے باپ کی وطنی نسبت بھی لکھی، اور ابراہیم زبیری کو یہ نسبت وہین سے ملی ہو،

(۲) ابراہیم زبیری کا ظہوری کو قائینی لکھنا کتابت کی بھی غلطی پر محمول نہین کیا جاسکتا کیونکہ (۱) یہ نسبت دو مقام پر پائی جاتی ہے، غلطی ایک جگہ ہوتی ہے، دوسری جگہ اس کی تصحیح کا امکان رہتا ہے، (ب) مطبوعہ[3] نسخے مین بھی ظہوری کو قائینی ہی لکھا گیا ہے (س) ڈاکٹر ریو[4] نے اس تاریخ کے ماخذ کے سلسلہ مین ملا ظہور کا ذکر کیا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے باپ کو ظہوری قائینی ہی لکھا ہے، (د) اس کے ماخذ کے دوران مین ڈاکٹر ایتھے[5] نے بھی ظہوری کی یہی نسبت بیان کی ہے،

(۳) مؤلف مذکور نے جس ظہوری کو قائینی لکھا ہے، وہ وہی ظہوری ہے، جس کو لوگ ترشیزی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۰) کی طرح ایک ولایت ہی، اس کا ثبوت ذیل کے بیان سے ملتا ہے :-

"(سہراب خلیفہ) پائے ثبات و مردانگی افشردہ ولایت تون، و قائین و طبس و بجستان و ترشیز و محولات دوشت و بیاض دغیرہ را در تصرف آورد (مآثر جلد ۳ ص ۱۶۱۵)

[1] و [2] بساتین السلاطین قلمی ورق ۲، محمد نامہ کا ایک نسخہ ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار کے کتبخانہ مین ہے، باوجود کوشش کے اب تک اس کے مطالعہ کا موقع حاصل نہ ہو سکا [3] سیدی پریس حیدرآباد مین طبع ہوئی ہے [4] فہرست مخطوطات فارسی موزہ برطانیہ ج ۱ ص ۳۱۹،

[5] فہرست دیوان ہند ج ۱ ص ۱۷۳)

سمجھتے ہیں، کیونکہ (ا) ظہوری ترشیزی جن کتابوں کا مؤلف بتایا جاتا ہے، وہی تاریخ مذکور میں (ص۱۲۵)
ظہوری قائینی ہی کی طرف منسوب کی گئی ہیں (ب) ظہوری ترشیزی کی طرح ظہوری قائینی کے منشآت
شہرۂ آفاق قرار دیئے گئے ہیں، (ص ۶۴) (س) نورس کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے، (ص ۱۱۴)
کہ ملا ظہوری نے اپنے دیباچہ کا نام نورس رکھا، ظہوری ترشیزی بھی اسی دیباچہ کا مولف ہے، (د)
ظہوری ترشیزی کی طرح ظہوری قائینی ابراہیم عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر ہے،

جن تذکرہ نگاروں نے ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، نیز ان
میں نہایت ہی معتبر معاصر تذکرہ نویس ہیں جن کے بیان عموماً بہت مستند ہیں، اور ظہوری کے واقعات
خصوصاً اور بھی معتبر ہیں، ان میں تقی کاشی (صاحب خلاصۃ الاشعار)[۱] عبدالباقی نہاوندی (مؤلفہ
مآثر رحیمی)[۲] تقی الدین اصفہانی (عرفات العاشقین)[۳] خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

مورخین ابوالفضل[۴] نے ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، اس کے بعد شیر خان لودی کشن چند اخلاص، والہ داغستانی
حسین دوست سنبھلی، آزاد بلگرامی، نقش علی، ابراہیم خان خلیل، ابوطالب تبریزی، احمد علی ہاشمی عشقۃ
عظیم آبادی وغیرہ ہیں جنھوں نے معاصرین کی اتباع میں ظہوری کو ترشیزی الاصل قرار دیا ہے، اسی
طرح موجودہ زمانے کی فارسی اور اردو ادب کی تمام تاریخوں نے اسی گروہ کی پیروی کی ہے، ایران
کی تاریخ ادبیات میں ظہوری کا ذکر ہے، آذر اور ہدایت نے اس کو اصلاً ترشیزی قرار دیا ہے، رضا زادہ شفق

---

[۱] اس کا کوئی مکمل نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے [۲] مطبوعہ ص ۹۳ تا ۳۰۹ قلمی ورق ۴۰۱ تا ۴۰۵ ب [۳]
ورق ۴۴۴ ب [۴] آئین اکبری جلد ا ص ۱۸۲ [۵] مولف خلاصۃ الکلام، اس تذکرہ کا حسب ذیل بیان اہم ہے:
"اصلش از قصبۂ ترشیز، حال انگیز ست و بعضے مولدش جنبد در توابع ترشیز وامین احمد
رازی از تربت نوشتہ اما قول او صحت دارد (ورق ۳۰، نسخہ بانکی پور) و
صحف ابراہیم ورق ۵۱۰ (الف)

اور محمد حسین جہان بانی نے ظہوری کو ترشیزی ہی بتایا ہے،

تقی کاشی کا بیان اسپرنگر کی مرتب کی ہوئی فہرست[۱] اودھ سے ملا ہے، (کیونکہ مؤلف کے تذکرۂ خلاصۃ الاشعار کا جو نسخہ رام پور کے سرکاری کتاب خانہ مین محفوظ ہے، وہ ناقص الآخر ہے اُس مین شعرائے خراسان پورے مذکور نہین ہین، بانکی پور والا نسخہ تو بالکل ہی نامکمل ہے) اس سے صراحۃً پتہ چلتا ہے، کہ ظہوری ترشیزی الاصل تھا، صاحبِ مآثر رحیمی[۲] نے اس کی سکونت اور مولد کے متعلق حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے :-

"وطن اصلی و مولد و منشا ے او قریہ جمند از توابع ترشیز خراسان ست"

وطن سے یہ مراد ہے کہ اس کے آباؤ اجداد کا مسکن یہی قریہ تھا، ظہوری کا بھی مولد یہی ہوا، اُور اسی مقام پر اس کی نشو و نما ہوئی، اس بیان کی تائید خوش گو کے بھی اس قول سے ہوتی ہے[۳]،

"می گویند کہ مولدش درخجندہ بودہ کہ در نواحی ترشیز ست"

خوش گو اور عبد الباقی کے بیان مین تھوڑا سا فرق ہے، (۱) خوش گو نے اس گاؤن کا نام بجائے جمند کے خجند بتایا ہے، (۲) خوش گو کے بیان سے صرف یہ پتہ چلتا ہے، کہ ظہوری کا مولد یہ قریہ تھا بخلاف اس کے عبد الباقی نے اس کو وطن اصلی، تولد و منشا سب کچھ قرار دیا ہے (۳) خوش گو کے بیان سے ترشیز اور خجند مین سوائے قربت کے اور کوئی تعلق ثابت نہین ہوتا، لیکن عبد الباقی نے اس گاؤن کو

---

[۱] فہرست کتابخانہ اودھ جلد ا ص ۴۴ [۲] ص ۴۲۹، بانکی پور کے قلمی نسخہ مین یہ بیان اور بھی صاف ہے؛

"وطن اصل وے از قریہ جمند توابع ترشیز خراسان است و مولد و منشا ے موی الیہ، نیز آن قریہ است و از آدمی زادگان آن مکان جنت نشان است

(ورق ۴۴۴)

[۳] سفینۂ خوشگو فہرست بادلی ص ۲۲۹، بانکی پور کا نسخہ نامکمل ہے، پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ مین ظہوری کا حال نہین

ترشیز کے توابع مین شمار کیا ہے، اس سے ایک طرح کا سیاسی تعلق ظاہر ہوتا ہے،

پہلا اختلاف کتابت کی غلطی پر مبنی ہے خجند اور جمند مین اس طرح یکسانیت ہے، کہ جمند کا خجند، اور خجند کا جمند پڑھ لینا بالکل عام بات ہے، میرے زیر مطالعہ مآثر رحیمی کا مطبوعہ[۱] نسخہ تھا، اس مین جمند ہی لکھا ہے، بانکی پور کے[۲] نسخہ مین بھی جمند ہی ہے لیکن چند ایسے قرائن ہین، جن کی بناپر قطعی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اس قریہ کا نام خجند تھا، جمند کتابت ہی کی غلطی ہے،

۱- مآثر رحیمی کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ترشیز کے توابع مین ایک گاؤن اسی نام کا تھا، "محمد مومن لنگ از آدمی زادگان قریۂ خجند ترشیز خراسان است (ج ۳ ص ۱۶۷۲)

۲- واقعات سے پتہ چلتا ہے، کہ سفینۂ خوش گو مآثر رحیمی سے ماخوذ ہے، اور خوش گو نے یہ نام "مآثر رحیمی" سے لیا ہے،

۳- انڈیا آفس کے کٹیلاگر[۳] نے مآثر رحیمی کے حوالہ سے اس گاؤن کا نام خجند ہی لکھا ہے،

۴- مدراس کے کتاب خانے[۴] کے کٹیلاگر نے بھی مآثر ہی کے حوالہ سے اس قریہ کا نام خجند تحریر کیا ہے،

۵- عبدالغنی صاحب[۴] نے اس کے حوالہ سے خجند ہی اس کا نام بتایا ہے،

۶- ابراہیم خلیل نے خلاصۃ الکلام[۵] مین اس گاؤن کا نام (بغیر کسی حوالہ کے) خجند ہی لکھا ہے،

---

[۱] ڈاکٹر ہدایت حسین کی تصحیح کے بعد رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے تین جلدون مین طبع کیا ہے، جلد سوم مین شعراء کے حالات ہین، یہ دراصل خان خانان بیرم خان کی سوانح حیات ہے [۲] عبدالملک آروی نے ایک مقالہ ظہوری پر لکھا تھا، جو رسالہ ایوان گورکھپور مین مارچ ۳۳ء سے جون ۳۲ء تک شائع ہوتا رہا، یہ مقالہ اغلاط سے لبریز ہے، انھون نے بھی جمند ہی لکھا ہے، بانکی پور کا قلمی نسخہ غالباً اُن کے زیر مطالعہ تھا [۳] بسلسلہ دیوان ظہوری، فہرست کتبخانہ، دیوان ہند [۴] تاریخ زبان وادب فارسی در دربار مغلیہ جلد ۳ ص ۱۸۱ [۵] ورق ۳۰۷

اور چند قرائن سے یہ ثابت ہے کہ خلاصۃ الکلام کا بیان مآثر رحیمی سے ماخوذ ہے،

تیسرے اختلاف کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ اگر خجند اور ترشیز میں قربت کے علاوہ کوئی دوسرا سیاسی تعلق نہ ہوتا، تو اس گاؤں کا باشندہ "ترشیزی" مشہور نہ ہوتا، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمام بلوک کو ترشیز کہا جاتا تھا، تو خجند اور ترشیز کا سیاسی تعلق ظاہر ہو جاتا ہے، لہٰذا مآثر رحیمی کا بیان خوشگو کے بیان پر فوقیت رکھتا ہے،

اسی سلسلہ میں قاموس المشاہیر کے ذیل کے بیان کو جانچ لینا بے محل نہ ہوگا، مؤلف کتاب ہذا بیان کرتا ہے،

"ملا ظہوری شہر ترشیز ضلع سبزوار کے رہنے والے تھے،" (ج ۲ ص ۴۹)

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ترشیز ضلع سبزوار کا ایک شہر ہے حالانکہ ترشیز خود ایک خطہ ہے جس کا صدر مقام سلطان آباد اور ترشیز دونوں ناموں سے موسوم ہوتا ہے، اس کی شہرت سبزوار سے کہیں زیادہ ہے، ایران کے ہر نقشہ پر ترشیز اب تک نہایت جلی حروف میں لکھا ہوا ملتا ہے، صاحب قاموس نے غالباً یہ بیان مراۃ الخیال کے ذیل کے جملہ سے لیا ہے،

"اصلش از خطۂ ترشیز کہ در نواح سبزہ وار واقع شدہ،" (ص ۷۷)

اس بیان سے ترشیز کا ایک علاقہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے لیکن ترشیز اور سبزوار میں سوائے نزدیکی کے دوسرا کوئی سیاسی تعلق ظاہر نہیں ہوتا، اگرچہ اس قول میں بھی ایک طرح کا یہ سقم پایا جاتا ہے کہ جب ترشیز کی شہرت سبزوار سے زیادہ ہے، تو پھر اس کو آخر الذکر کی قربت کی نسبت سے بیان کرنا مہمل معلوم ہوتا ہے، مؤلف گنج دانش نے ترشیز کے حدود اربعہ میں لکھا ہے، کہ اس کے مغرب میں سبزوار واقع ہے،

پروفیسر عبدالغنی نے اپنی تالیف "تاریخ زبان و ادب فارسی در دربار مغلیہ" میں ظہوری کے مولد کے

متعلق یہ جملہ لکھا ہے :-

"معاصر تذکرہ نگار مثلاً تقی اوحدی، عبدالباقی نہاوندی اس امر پر متفق ہین، کہ ظہوری کی پیدائش قریۂ خجند مین ہوئی، جو ترشیز صوبہ خراسان کے ضلع مین ایک گاؤن ہے،" (ج ۳ ص ۱۸۱)

اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقی اوحدی نے بھی اپنے تذکرۂ عرفات العاشقین مین عبدالباقی نہاوندی کی طرح اس قریہ کا ذکر کیا ہے لیکن عرفات کا جو نسخہ[۱] میرے زیر مطالعہ رہا، اس مین ظہوری کا تخلص تین مقام[۲] پر مذکور ہے لیکن صرف ذیل کے عنوان مین[۳] وہ اپنی وطنی نسبت سے مذکور ہوا ہے "زبدۃ المتاخرین عمدۃ المنفردین، مظہر ظہور کمال معانی، استظہار عساکر سخندانی، فارس میدان بلاغت انگیزی شیرین کلامی شکر ریزی، مولانا ظہوری ترشیزی"، اس ٹکڑے کے ہم وزن اور مقفی فقرے اس بات کی بین دلیل ہین، کہ بلاغت انگیزی اور شکر ریزی کے ساتھ سوائے ترشیزی کے اور کوئی دوسرا لفظ مثلاً خجندی نہین لایا جا سکتا تھا، اس لئے ممکن ہے کہ عبدالغنی صاحب نے عرفات مین کسی اور جگہ اس کے قریہ کا نام دیکھا ہو جو میری نظر سے نہ گذرا ہو،

متذکرۂ بالا بحث مین بالخصوص تین معاصر تذکرون کا بیان جانچا گیا ہے، ان تینون کے قول کے مطابق ظہوری کا وطن ترشیز مین یا اس کے کسی قریہ مین تھا، ان مین تقی کاشی سب سے متقدم ہے، اس کے

---

[۱] بانکی پور کا قلمی نسخہ، اس کے نسخے بالکل نایاب ہین، آزاد نے خزانۂ عامرہ مین لکھا ہے، کہ انھون نے ایک ناتکمل نسخہ دیکھا تھا، لیکن خزانۂ عامرہ لکھتے وقت یہ تذکرہ ان کے پیش نظر نہ تھا، آرزو نے بھی اس کی نایابی کی شکایت کی ہے، ایسٹ انڈیا ہاؤس مین جو نسخہ تھا، اور جس کو بلنڈ نے مطالعہ کیا ہے، وہ صرف حرف ق پر مشتمل تھا، ہندوستان کے کسی کتبخانہ مین اس کا نسخہ موجود نہین ہے، میرا خیال ہے، کہ پروفیسر عبدالغنی نے بانکی پور ہی کا نسخہ مطالعہ کیا ہے [۲] ورق ۴۴۳ ب، ورق ۴۴۲، ۴۲۵،

[۳] ورق ۴۴۳ ب،

بیان کی اہمیت کی کوئی خاص وجہ سوائے اس کے نہین ہے، کہ اس کے زمانہ مین ظہوری زندہ تھا، اور دربار عادل شاہی سے وابستہ ہو چکا تھا، لیکن مآثر رحیمی کا بیان چند در چند وجوہ سے بہت اہم ہے۔

(۱) ظہوری اور عبد الباقی دونون خان خاناں سے متعلق رہ چکے تھے (۲) ممکن ہے کہ ظہوری سے وہ دکن مین مل بھی چکا ہو، (۳) ظہوری کے لکھے ہوے (غالباً خود اس کے ہاتھ کے) دو قصیدے اور ایک ترکیب بند عبد الباقی کے سامنے شاہ حسین انجو نے خان خاناں کی خدمت مین پیش کئے تھے، (۴) جب عبد الباقی ظہوری کے حالات زندگی مرتب کر رہا تھا، تو وہ زندہ تھا[۱] ایک آدھ سال کے بعد جب اس پر نظر ثانی کا موقع ملا، تو اس وقت ظہوری فوت ہو چکا تھا، چنانچہ دوسرے اڈیشن[۲] مین مؤلف مذکور نے اس کی اور اس کے خسر ملک قمی دونون کی وفات دو ماہ کے وقفہ سے بیان کی ہے (۵) اس کا بیان بہت مفصل ہے، جس سے اس کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے، (۶) گلزار ابراہیم یعنی ظہوری اور ملک کی مشترکہ تالیف کا پتہ صرف مآثر رحیمی ہی سے چلتا ہے، جس کی تصدیق خود ملک قمی کے بیان سے ہو جاتی ہے،

---

[۱] شاہ حسین انجو بیجا پور کی سفارت پر گئے تھے تفصیل کے لئے دیکھئے دربار اکبری ص ۷۹۰ [۲] دونون شاعرون کے حالات زمانہ حال کے واقعات مین بیان کئے گئے ہین، ملک کے حالات کے ذیل مین ذیل کا جملہ پایا جاتا ہے (ورق ۹۰ ب

"الحال کہ سنہ اربع و عشرین و الف ہجری بودہ باشد، بہ گوشہ گیری و درویشی و فقر و مسکنت می گزرانند الخ"

لیکن اس سے قبل ظہوری کے سلسلہ مین لکھتا ہے:-

"و در بیجاپور آخر الامر بہ اجل موعود بتاریخ خمس و عشرین و الف در گذشت (ظہوری) و گویا میانۂ او و مولانا ملک شرط شدہ بود کہ در حیات و ممات باہم بودہ باشند بعد از دو ماہ از فوت مولانا ملک این قضیہ روے داد"۔

اوپر والی عبارت جو ملک کے ذیل مین ہے ۱۰۲۴ھ ہجری کی ہے، اور ظہوری والی ۱۰۲۵ھ ہجری کی ہے اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہو کہ ۱۰۲۵ھ ہجری مین مؤلف نے کتاب پر نظر ثانی کرکے دوسرا نسخہ تیار کیا، جو مطبوعہ نسخہ مین نسخہ "ب" قرار دیا گیا ہوا، بانکی پور کا بھی نسخہ اسی طرح کا ہے۔

علاوہ ازین اس کتاب کی نوعیت، تعداد اشعار، صلہ وپیش کش کی تفصیل درج ہے، جس سے یہ امر آئینہ ہوجاتا ہے، کہ مؤلف کو ظہوری کے واقعات نہایت مستند ذرائع سے حاصل ہوے تھے، (۷) ظہوری کے صحیح حالات معلوم کرنے کی تمام آسانیان مؤلف مذکور کو حاصل تھین، (۸) ظہوری کی ولادت کا گاؤن تک بیان کر دینا اس کے مواد کے مستند ہونے کا کافی ثبوت ہے،

عرفات العاشقین کا بیان اس سے کچھ ہی کم درجہ کا ہے، کیونکہ اس کے مولف نے حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے :-

"وقتے کہ بندہ در گجرات بودم اعنی در تکمیل ہزار و بیست این دو عزیز (ظہوری و ملک) اشعار مجدد فرمودہ خود را با تمام نزد مولانا نظیری نیشا پوری فرستادہ بودند و دوسے درصد وجواب غزلیات وغیرہ درآمدہ ہمہ را جواب گفت، و ہمہ را مطرح شعراے آنجا ساختہ، بندہ ہر چند غزل بہ حسب اتفاق تتبع نمودہ، رفاقت با ایشان نمودہ ایم" (ص ۴۴۳ ب و ص ۲۷۵)

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف ظہوری کا معاصر ہی نہین تھا، بلکہ اس سے بہت ہی زیادہ وابستگی بھی تھی،

اسی سلسلہ مین ابوالفضل کے بیان کی اہمیت بھی واضح کر دینے کی ضرورت ہو، ابوالفضل اور ظہوری مین خط وکتابت رہتی تھی، چنانچہ ظہوری نے ایک خط دربار اکبری کے ایک امیر منشی عماد خان کے نام لکھا ہے، اس مین حسب ذیل جملہ[1] اس حقیقت کو واضح کرتا ہے :-

"از حضرت علامی مدتے شد کہ نوشتہ نیامدہ شنیدہ می شود کہ درخدمت حضرت بادشاہ ہستند"

اسی طرح ظہوری کا وہ مشہور خط جو فیضی کے نام سمجھا جاتا ہے، رام پور کے کلیات اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی "انشاے ظہوری" مین[2] ابوالفضل ہی کے نام سے موجود ہے، جب فیضی اور ظہوری مین

---

[1] بیاض قلمی آکی پور ص ۱۶۱ تا ۱۶۲ [2] صفحہ ۹۳،

گھر سے تعلقات تھے، تو ابو الفضل سے اگرچہ خط و کتابت نہ بھی ہوتی، پھر بھی ظہوری کے متعلق اس کا بیان بہت اہم ہوتا،

حاصل کلام یہ کہ باوجود ان بیانات کے اتنے اہم ہونے کے یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچ سکی، کہ ظہوری کی ولادت ترشیز یا اس کے توابع مین ہوئی، کیونکہ ایسا خیال کرنا خود ظہوری کے قول کی مخالفت کرنا ہے جس نے صاف طور سے اپنا وطن قائین کے دیہات مین بتایا ہے،

امین احمد رازی نے ہفت اقلیم مین ظہوری کو مشاہیر تربت کے ذیل مین بیان کیا ہے، اور ترشیز کے مشاہیر کی فہرست سے اس کو خارج کیا ہے، چونکہ مولف مذکور نے ان دونون مقامون کے مشاہیر الگ الگ بیان کئے ہین، اس سے یہ بات مسلم ہو جاتی ہے، کہ یہ کتابت کی غلطی نہین ہے، یعنی مولف مذکور کے نزدیک ظہوری تربتی تھا نہ کہ ترشیزی اگرچہ اس کے ماخذ کا پتہ چلانا دشوار ہے، پھر بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ فرشتہ کے دو قلمی نسخون[1] سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ تاریخ مذکور کے مطبوعہ نسخے[2] اس کو تبریزی ظاہر کرتے ہین، ہفت اقلیم کو تاریخ فرشتہ پر تقدم زمانی[3] حاصل ہے، اس لئے قطعی طور سے یہ نہین کہا جا سکتا، کہ اول الذکر کا یہ بیان تاریخ فرشتہ ہی سے لیا گیا ہے، لیکن چونکہ ظہوری اور محمد قاسم دونون (نظام شاہی اور عادل شاہی دربار مین) تقریباً ۲۰ سال تک ساتھ ساتھ رہے ہین، اس لئے محمد قاسم کا بیان اس کے متعلق بہت اہم ہوگا، اور اوس نے ظہوری کی وطنی نسبت کے لئے ہفت اقلیم کو ماخذ قرار نہ دیا ہوگا، اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ شاید مؤلف ہفت اقلیم نے تاریخ فرشتہ کے کسی حصہ سے یہ نسبت اخذ کر لی ہو،

---

[1] نسخہ مملوکہ کتاب خانہ امیر الدولہ لکھنو (بغیر التزام صفحات) و نسخہ مملوکہ کتاب خانۂ ریاست رام پور ص ۲۲۶، مگر غلطی سے تخلص بجائے ظہوری کے ظہیری دیا ہے، ص ۲۳۰ پر بھی یہی غلطی موجود ہے، البتہ ص ۲۲۶ پر صحیح تخلص دیا ہوا ہے، [2] طبع بمبئی اور طبع لکھنو، دونون مین [3] ہفت اقلیم ۱۰۰۵ھ کی تالیف ہے، اور تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ مین مرتب ہوئی،

اسی طرح فزونی استرآبادی نے فتوحات عادل شاہی میں ظہوری کو تربتی قرار دیا ہے، مجھے تاریخ مذکور کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوسکا، صرف اس کے ایک حصہ کا ترجمہ پروفیسر باسو صاحب[۱] کے توسط سے ملا، اس میں پروفیسر مذکور نے ظہوری کو تربتی لکھا ہے، اگرچہ یہ تاریخ ظہوری کی وفات کے ۲۶ سال بعد مرتب ہوئی لیکن چونکہ یہ محض بیجاپور کی تاریخ ہے، اور اس کا مؤلف ظہوری کا معاصر تھا، وہ اس کے بیٹے ملا ظہور کے ساتھ محمد عادل شاہ کے دربار میں تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور تھا، اور مؤلف مذکور کی بیان کی ہوئی نسبت کی تائید فرشتہ اور امین احمد دونوں کے قول سے ہوتی ہے، (یہ بھی ممکن ہو کہ اُس نے انہی ماخذ سے یہ نسبت اخذ کی ہو) اس لئے اس بیان کو بے حد اہمیت حاصل ہے، مزید برآن تربت ترشیز کے جنوب میں ایک شہر ہے، جس کا پورا نام تربتِ حیدریہ ہے، اور قاین بھی ترشیز کے جنوب میں ہے، اور دونوں خراسان کے صوبے میں ہیں، اس لئے جتنی نسبتیں ظہوری کی طرف منسوب ہیں، ان سب میں سب سے زیادہ اہم یہی ہے، ممکن ہے کہ ظہوری نے تعلیم کی غرض سے یا کسی اور وجہ سے یہاں قیام کیا ہو تاہم یہ مسلّم ہے کہ پیدائش کے اعتبار سے ظہوری تربتی نہیں ہوسکتا، کیونکہ تربت ایک شہر ہے اور قاین کی حدود سے باہر ہے، اور ظہوری قاین کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا، اگر یہ شہر قاین کے اندر ہوتا، پھر بھی ظہوری اپنے گاؤں یا ضلع یا صوبہ کی نسبت سے مشہور ہوتا، نہ کہ دوسرے شہر کی نسبت سے جس سے بظاہر کسی قسم کا تعلق نہ تھا،

جن بیانات سے ظہوری کا وطن تبریز ظاہر ہوتا ہے، ان میں خاص طور سے تاریخ فرشتہ کے دونوں مطبوعہ نسخے قابلِ ذکر ہیں، طبع بمبئی اور طبع لکھنؤ دونوں میں ظہوری کو تبریزی بتایا گیا ہے،

---

[۱] انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن جرنل جلد ۶، ۱۹۲۹ء ص ۱۵۹ بعد، اس تاریخ کا اکیلا نسخہ موزہ برطانیہ میں ہے، سرجادو ناتھ سرکار نے اس کی ایک نقل حاصل کی، اسی سے پروفیسر باسو نے استفادہ کیا ہے، یہ تاریخ ۱۰۵۱ھ کے قریب مرتب ہوئی ہے،

مگر ظہوری کی یہ نسبت سراسر غلط ہے، کیونکہ خود ظہوری کے دیوان مین متعدد اشعار ہین جن سے اس کا خراسانی ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً کہتا ہے ؎

ہند وشکر بہ طوطی ارزانی بلبل گلبن خراسانیم

بلاے غربت بیماری وغم ہجران غریب خاک خراسان کنا غمخواری

(کلیات نسخہ رام پور ص ۲۱۱، ص ۳۵)

تبریز آذر بائی جان اور ارمنستان کے صوبے مین واقع تھا، خراسان کا صوبہ اس سے الگ ہے[۵۱]، اس لئے ظہوری کی "تبریزی" نسبت سراسر غلط ہے، مگر یہ غلطی محض کتابت کی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے، محمد قاسم نہ صرف ظہوری کا معاصر ہے، بلکہ دونون ایک عرصہ تک مرتضیٰ نظام شاہ دیوانہ (۹۷۲ھ-۹۹۶ھ) کے دربار سے متعلق رہ چکے ہین، بعدازان دونون تقریباً بیس سال ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار کے زلہ بار رہے ہین، گویا ظہوری کی ہندوستانی زندگی کے ۳۰ سال مین صرف چند سال ایسے گذرے ہین، جن مین دونون ساتھ ساتھ نہ رہے ہون، علاوہ ازین محمد قاسم نظام شاہی امرا مین تھا، اور ظہوری اسی دربار کا چوٹی کا شاعر تھا، پھر جب عادل شاہی دربار مین دونون کا ساتھ رہا، تو محمد قاسم شاہی مورخ کے عہدہ پہ مقرر تھا، اور ظہوری درباری شاعر تھا، لہٰذا ظہوری کے وطن کے متعلق مورخ مذکور ایسی فاش غلطی نہین کر سکتا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ تاریخ مذکور کے مختلف نسخون مین بھی اختلاف ہے، جس سے یہ قیاس یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے، کہ مطبوعہ

---

[۵۱] جغرافیاے تاریخی ایران بارتھلڈ ص ۲۰۰، تا ۲۰۵، مآثر رحیمی کی ذیل کی روایت سے ثابت ہوا کہ تبریز خراسان کی حدود سے باہر تھا۔

"پدر بزرگوار ایشان یعنی میر معصوم چون در تبریز تاہل اختیار نمودہ بود سالہا در مراغہ تبریز ..... متعلق بودہ و میرزاے مشارٌ الیہ در مراغہ نشو و نما یافتہ و آنجا بہ خراسان شتافتہ"

نسخوں میں ظہوری کا تبریزی مذکور ہونا محض کتابت کی غلطی کی بنا پر ہے،

کلمات الشعراء (تالیف محمد افضل سرخوش) کے نسخوں میں بھی اسی طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے یعنی بعض میں تبریزی اور بعض میں ترشیزی، مسٹر لاوری کے چاروں نسخوں[۵۱] میں تبریزی ہے، میں نے ابتدا میں جس نسخہ[۵۲] کا مطالعہ کیا تھا، اس میں بھی تبریزی تھا، لیکن و لاوری کے نسخہ (ب[۵۳]) اور ریاست رامپور کے کتبخانہ کے چار[۵۴] دن نسخوں میں اور اسپرنگر کے یہاں[۵۵] ظہوری کی نسبت تبریزی کے بجائے ترشیزی ہے، اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے، کہ تبریزی محض کتابت کی غلطی ہے، لطف علی بیگ آذر کے تذکرہ "آتش کدہ"[۵۶] سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ تبریز میں ظہوری تخلص کا ایک اور شاعر گذرا ہے، اس بیان میں کسی قسم کا سقم نہیں ہے، کیونکہ ترشیز کے مشاہیر میں ظہوری ترشیزی مذکور ہے، اور مؤلف نے ظہوری تبریزی کا ایک شعر بھی درج کیا ہے، جو ظہوری ترشیزی کے کلیات سے خارج ہے، اس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے، کہ ظہوری تبریزی ظہوری ترشیزی سے الگ شاعر تھا،

تذکرۂ میخانہ عبد النبی اور مراۃ العالم مؤلفہ محمد بقا دونوں میں ظہوری کا وطن طہران بتایا گیا ہے میخانہ کا بیان یہ ہے[۵۷] :-

"منتخب دیوان نکتہ دانی مولانا ظہوری طہرانی..... مولدش از طہران است" (ص ۴۸۲)

عبد النبی ظہوری کا معاصر ہے، انہی چند وجوہ سے اس تذکرہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، میخانہ کے ماخذ کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے، لیکن محمد بقا[۵۸] نے ظہوری اور ملک کے حالات میخانہ ہی سے

---

[۵۱] و لاوری نے پانچ نسخوں سے مقابلہ کر کے حال ہی میں چھپوایا ہے [۵۲] نسخہ کتاب خانہ ندوۃ العلماء لکھنو [۵۳] کلمات الشعراء مطبوعہ ص ۲، فٹ نوٹ [۵۴] نمبر ۵، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۵۱ [۵۵] فہرست اودھ ج ۱ ص ۱۱۲ [۵۶] ذیل شعرائے تبریز [۵۷] ص ۴۸۲، ۴۷۸ [۵۸] مراۃ العالم (بانکی پور) صفحہ ۱۵۵،

لئے ہین، اس قیاس کے وجوہ حسب ذیل ہین، (۱) جمہور رائے کے خلاف دونون نے ظہوری کو طہرانی قرار دیا ہے (۲) تمام تذکرون کے بیان کے خلاف ظہوری کا سنہ وفات ۱۰۲۴ھ بیان کیا ہے، (۳) دونون شاعرون کے واقعات کے سلسلہ مین دونون تذکرون کے چند جملے بالکل یکسان ہین، اور تمام جملون کی ترتیب بھی ایک ہی طرح ہے، (۴) ملک قمی کے دیوان کے اشعار کی تعداد دونون نے ایک لاکھ درج کی ہے، محمد بقا کے سامنے تذکرۂ میخانہ تھا، اس کی وجہ حسب ذیل ہے، (۱) سواے مراۃ العالم کے عبد النبی اور اس کے تذکرہ کا حال کہین اور نہین ملتا، (۲) اکثر شاعرون کے حالات میخانہ ہی سے لئے ہین (۳) شاعرون کے ساقی نامون[۵۱] سے اشعار منتخب کئے ہین، اور وہ اشعار بھی میخانہ ہی سے لئے گئے ہین، بہرحال جب یہ بات تقریبًا مسلم ہو جاتی ہے، کہ محمد بقا نے ظہوری کی وطنی نسبت مین تحقیق کی بہ نسبت تقلید زیادہ کی ہے، تو اس کے قول کی اہمیت بھی کم ہو جاتی ہے،

ظہوری کو طہران کی طرف منسوب کرنا بلکہ صراحتًہ اسی کو اس کا مولد قرار دینا سراسر غلط ہے، کیونکہ طہران نہ کبھی صوبۂ خراسان کی حدود مین شامل تھا، نہ اب ہے، بلکہ رے اور ہمدان[۵۲] مین واقع تھا، اور اس عہد مین ایران کا دار السلطنت ہونے کی وجہ سے اس کو جو فوقیت حاصل ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، اس لحاظ سے عبد النبی اور محمد بقا دونون کا قول خود ظہوری کے قول کے خلاف ہے، کیونکہ آخر الذکر نے صاف صاف لکھا ہے، کہ وہ خراسانی ہے، دو شعر اوپر درج کئے جا چکے ہین، چند اشعار اور بھی مندرج ہین، جن سے اس امر کی بخوبی صراحت ہو جائے گی، کہ ظہوری خراسانی ہی تھا،

گرچہ خوبان خراسان بہ نمک مشہور اند، رفتہ بیرون ز سرم یاد وطن خوش گشت

---

[۵۱] مثلاً فرقتی کے ترجیع بند ساقی نامہ سے تین شعر ص ۱۴۴ ب صوفی مازندرانی کے ساقی نامہ سے پانچ شعر ص ۱۵۸ الف ظہوری کے ساقی نامہ سے ۵ شعر ص ۵۵۴ عبد النبی کے ساقی نامہ سے ۴ شعر ص ۵۶۴ الف

[۵۲] جغرافیاے تاریخی ایران بارتھلڈ ص ۱۷۸، ۱۹۰،

در ہند پیر گشتم و جامہ جوان ہمان گویا ہمین زمان زخراسان رسیدہ ام

یارب بہ شہنشاہ خراسان کہ رسانی بیچارہ غریبان وکن را بہ خراسان

غریب خاک خراسان ترا نواختہ است اگر غریب نوازآمدی غریب مدان

بقیۂ غم و دردے کہ ماندہ بود بہ دہر غریب خاک خراسان بہ حکم ماموں برد

ان کے علاوہ دو مقالے ایسے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہ خراسان کے خطۂ قائین کے دیہات مین پیدا ہوا تھا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے ان وجوہ سے یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے، کہ وہ طرانی نہین ہوسکتا، اور میخانہ کی روایت بالکل غلط ہے،

محمد حسین گوپاموی نے تذکرۂ روز روشن مین ظہوری کو شیرازی قرار دیا ہے، اور اس کو وحشی یزدی کا شاگرد بتایا ہے، یہ تذکرہ بہت[1] حال کا ہے، پھر بھی اس کے زمانے کا پتہ نہین لگایا جا سکا، چونکہ ظہوری شیراز مین، سال تک مقیم رہ چکا تھا، اس لحاظ سے اگر اس کو شیرازی قرار دیا جائے تو ایک حد تک درست ہے، لیکن چونکہ اس نے ظہوری کو وحشی کا شاگرد بتایا ہے، اس لئے اس رائے کے قبول کرنے مین تامل ہوتا ہے، غالبًا جس ظہوری کا ذکر مؤلف نے کیا ہے اس کی شخصیت ظہوری ترشیزی سے الگ ہے، اس قیاس کی تائید ذیل کے قرائن سے ہوتی ہے.

(۱) تذکرہ روز روشن مین ظہوری کا ایک شعر درج ہے، جو ظہوری ترشیزی کے دیوان مین نہین پایا جاتا،

(۲) ظہوری وحشی کا شاگرد نہین تھا، بلکہ اس کا مقابل شاعر تھا، جیسا کہ ذیل کے بیان سے صاف ظاہر ہے،

"و مدتے دران دیار (یزد) بہجت آثار کہ مجمع فضلاے ہر فن است، در خدمت نواب فلکی

---

[1] یہ تذکرہ تیرہوین صدی کے اختتام پر مرتب ہوا ہے،

جناب......... میر غیاث الدین میر میران بسر برد، وباوجود حسان الزمان وحشی بافقی (یزدی) دران سلسلہ رفیعہ راہ مصاحبت ومنادمت یافت ورعایت بیش از بیش دید وزینت وزیب مجالس ومحافل آن عالی جاہ بود"

جس طرح وحشی بافقی غیاث الدین کا مصاحب وندیم تھا، اسی طرح ظہوری بھی اس کے دربار مین اعلیٰ درجہ رکھتا تھا، اگر ظہوری وحشی کا شاگرد ہوتا، تو اُسے نہ غیاث الدین کی مصاحبت حاصل ہوسکتی تھی، اور نہ اس کی محفلون کی زینت کا فخر ہی مل سکتا تھا "باوجود وجود حسان الزمان" کا ٹکڑا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے، کہ وہ وحشی کا حریف اور مدمقابل تھا،

ظہوری کی شاعری کی شہرت خود اس کے وطن کے قیام ہی کے دوران مین ہوچکی تھی، یزد مین محض اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے آیا تھا، نہ کہ وحشی کے سامنے زانوے تلمذتہ کرنے، اس سلسلہ مین مآثر رحیمی کا ذیل کا قول قابلِ غور ہے،

"چون درخراسان نشو ونمایافت وصیت وآوازۂ فضیلت وشاعری بہ اطراف واکناف ربعِ مسکون رسانید بہ طریق سیر وسیاحت واظہارِ قدرت وحالت خود بر مستعدانِ عراق بہ دارالعبادہ یزد افتاد"

علاوہ برین تذکرۂ میخانہ[1] کی صراحت کے بموجب وحشی کی وفات ۹۹۱ھ مین ۵۲ سال کی عمر مین واقع ہوئی، اس لحاظ سے اس کی پیدائش ۹۳۹ھ مین ہوئی ہوگی، ظہوری کا سنہ ولادت[2] ۹۴۴ھ

---

[1] ص ۱۴۵ نیز رجوع شود بہ خلاصۃ الکلام ص ۴۴۴ الف[2] کسی تذکرہ مین ظہوری کا سنہ ولادت نہین ملتا اور نہ کسی نے اس کی عمر ہی کا یقین کیا ہے، البتہ سنہ وفات ۱۰۲۵ھ مسلم ہے، اور میخانہ مین ۸۱ سال کی عمر بتائی گئی ہے، (جو دوسرے واقعات سے ملانے سے صحت کے قرین معلوم ہوتی ہے) اس اعتبار سے ۹۴۴ھ اس کی تاریخ پیدائش قرار پاتی ہے،

ہے، گویا دونوں کی عمروں مین صرف ۵ سال کا تفاوت تھا، شاگرد اور استاد کی عمروں مین صرف ۵ سال کا فرق بالکل ناکافی ہے،

غرض ان وجوہ سے یہ بات تحقق ہوجاتی ہے، کہ ظہوری وحشی کا شاگرد نہین تھا،

بہرحال اگر ظہوری شیرازی سے مؤلف کی مراد کوئی دوسرا ظہوری ہے، تو وہ میرے موضوع بحث سے خارج ہے، اور اگر اوس نے زیر بحث ظہوری کو وحشی کا شاگرد قرار دیا ہے، تو یہ بیان مستند نہین ہوسکتا،

مندرجۂ بالا بحث سے یہ امر ثابت ہوجاتا ہے، کہ شہرت عامہ کسی قول کے صحیح ہونے کی دلیل نہین ہے، ظہوری کی وطنی نسبت ترشیزی کس قدر مشہور ہے، لیکن اس کے غلط ہونے مین کسی قسم کا شبہہ نہین،

تصحیح

افسوس ہو کہ معارف ماہ اپریل ص ۲۹۸ سطر ۲ مین عنوان " وجود باری تعالیٰ کے تحت ادارہ کی مساحت سے "Mandoas not stand Alone." کا ترجمہ "انسان الگ کھڑا نہین رہ سکتا" چھپ گیا ہے، یہ کتاب کا نام ہے، مفہوم کے اعتبار سے اس کو "انسان تنہا نہین ہے،" ہونا چاہئے تھا،

اسی طرح ص ۳۰۵ مین کتابت کی غلطی سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے نسب نامہ کے استفسار کے جواب مین کتاب مرآۃ الجنان کا نام بعض جگہ مرآۃ الخیال چھپ گیا ہے، اور سطر ۱۰ مین ۵۶۱ھ کے بجائے ۵۶۶ھ مکتوب ہوگیا ہے، ناظرین ان غلطیون کی تصحیح فرمالین، "س"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسۃ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

۷- اپنے آپ کو گو مگو میں رکھنے کو بھی فتنہ کہا گیا:-

ینادونھم الم نکن معکم قالوا بلیٰ ولکنکم فتنتم انفسکم و تربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتی جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور

(حدید - ۲)

وہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے، ہاں تھے تو لیکن تم نے اپنے کو فتنہ میں رکھا، اور منتظر رہے، اور شک کیا، اور باطل امیدوں نے تمھیں دھوکے میں رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا، اور دھوکہ دینے والے نے خدا کے ساتھ تمھیں دھوکہ میں رکھا،

منافقین مسلمانوں کے چھپے ہوئے دشمن تھے، اور نہایت خطرناک قسم کے تھے، لیکن زبان سے اُن کے ساتھ ہونے کا اعلان کرتے تھے، یہ روش انھوں نے اپنے مفاد کی خاطر اختیار کی تھی، ان کا مسلمانوں کی جماعت میں گھس کر اسے کمزور کرنا تھا، وہ ظاہر میں مسلمانوں کو اس لئے خوش رکھنا چاہتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو تو کہہ سکیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ تھے، ان کی کفر و ایمان کی اس بین بین حالت کو آیت بالا میں فتنہ کہا گیا ہے، یعنی ان کی عقل دخیر کا فیصلہ تو پیغمبر کی دعوت کی تائید میں ہے، "

اغراض وخواہشات کا تقاضا اس کے خلاف ہے، اور اسی کا ان پر غلبہ ہے، اسی لئے اسلامی غزوات مین مسلمانون کی شکست کی خبر کا انھین شدید انتظار (تربصتم) رہتا تھا، اور اسلامی فوج کی کامیابی ان کے لئے سوہان روح تھی، بس یہان حق و باطل کے درمیان ان کی اسی کشمکش کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے،

۳- جہاد کے موقع پر اس کے واجب الادا ہونے کے باوجود اس مین شرکت نہ کرنا بھی ایک فتنہ ہے،

يا ايها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم لما يحييكم واعلموا ان الله يحول بين المرء وقلبه وانه اليه تحشرون واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب واذكروا اذ انتم قليل مستضعفون في الارض تخافون ان يتخطفكم الناس فآواكم وايدكم بنصره ورزقكم من الطيبات لعلكم تشكرون،

(انفال - ۲۴)

اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ، جب کہ رسول تم کو زندگی بخش چیز کی طرف بلاتا ہے، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان مین، اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے، اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگون پر واقع نہ ہوگا، جو تم مین ان گناہون کے مرتکب ہوئے ہین، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، اور یاد کرو جب تم کم تھے، اور سرزمین مکہ مین کمزور تھے، یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ دشمن تمھین اچک لین، پس اس نے تم کو پناہ دی اور تمھاری مدد کی، اور تم کو پاکیزہ روزی بخشی تاکہ تم شکر کرو،

اوپر کی آیتون مین ایک جگہ لفظ فتنہ آیا ہے، اس کے مفہوم کی تعیین مین سہولت کے خیال سے آگے پیچھے کی آیتین بھی ہم نے نقل کردی ہین، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوا خدا اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہو خواہ مالی قربانی کے لئے اس کی پکار ہو، یا جانی قربانی کے لئے اس مین زندگی ہے، اور اس سے گریز موت ہے، نیز رسول کی دعوت نہ قبول کرنے مین طبع قلب (انّ اللہ یحول بین المرء وقلبہ) کا اندیشہ اور عذاب اُخروی (وانہ الیہ تحشرون) قطعی ہے، اور ان تدبیرون سے متاثر ہونے پر جو اللہ کی راہ مین جانی و مالی قربانی دینے سے روکنے کے لئے کام مین لائی جارہی تھین تحذیر کی گئی ہے، اور انھین فتنہ ٹھرایا گیا ہے اور ان کے بُرے اثرات کی زد مین صرف وہی لوگ نہ آئین گے جو مخالفین یا مارآستین منافقین کے فریب مین آکر غزوات وغیرہ سے دستکش ہوگئے ہین، بلکہ اس کا اثر ان لوگون تک بھی پہنچے گا، جو پوری دینی حمیت رکھتے ہین، دیکھئے مذکورۂ بالاآیت مین منافقین کی ان چالون (یا اھل یثرب لامقام لکم الایہ) کو فتنہ کہا ہے، جو وہ مسلمانون کو غزوات اور دوسرے کامون تک کی شرکت سے روکنے کے لئے کرتے تھے،

۴۔ حق دعوت سے لوٹانے کی کوشش کرنا بھی ایک فتنہ ہے،

۱۔ وَاَنِ احکم بَینھُم بِمَآ انزل اللہ	اور یہ کہ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق
وَلَا تتبع اَھوَائَھُم وَاحذرھُم	فیصلہ کر جو اللہ نے اتاری ہے، اور ان کی
ان یفتنوک عن بعضِ مَآ انزل اللہ	خواہشات کی پیروی نہ کر اور اُن سے اس
الیک فان تولّوا فاعلم انما یُرید	بات سے احتیاط کر کہ اللہ کے بھیجے ہوئے حکم سے
اللہ ان یّصیبھُم ببعضِ ذنوبھم	تجھے بچلا دین پس اگر وہ اعراض کرین تو یقین
وانّ کثیرا من النّاس لفاسقون،	کہ پس خدا کو منظور ہے کہ بعض جرمون پر ان کو
(مائدہ۔ ۴۹)	سزا دے اور بیشتر آدمی فاسق ہین،

۹- وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۝

(اسراء - ۸)

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تجھے اس چیز سے جو ہم نے تجھ پر وحی کی ہے، اس سے بچلا دین، تاکہ تو اس کتاب کے سوا دوسری کتاب گھڑ کر پیش کرے، اور تب تجھے وہ اپنا دوست بنا لیتے، اور اگر ہم نے تیرا قدم جما نہ دیا ہوتا تو اُن کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہی ہو جاتا،

اوپر کی آیتون مین اعدائے دین کی ان کوششون کو جو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت مین لغزش پیدا کرنے کے لئے بروئے کار لاتے تھے، فتنہ کہا ہے، اور اُن سے بچنے کی تلقین کی گئی ہو،

۱۰- علم بھی کبھی فتنہ بن جاتا ہے :-

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

اور انھون نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا سلیمان کے عہد حکومت مین شیاطین کیا کرتے تھے، اور سلیمان نے نہین کفر کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، حالت یہ تھی، کہ آدمیون کو بھی سحر کی تعلیم کرتے تھے، اور اس کا بھی جو ان دونون فرشتون پر نازل کیا گیا تھا، بابل مین جن کا نام ہاروت و ماروت تھا، اور وہ دونون کسی کو نہ سکھاتے تھے، تاآنکہ وہ کہہ نہ دیتے، کہ ہمارا علم فتنہ ہے، پس تو کفر مین نہ مبتلا ہو، پس لوگ ان دونون سے

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ	وہ چیز سیکھتے تھے، جس سے میاں بیوی میں
عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي	تفریق کرتے تھے، حالانکہ یہ اس کے ذریعہ
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا	بدون اذن الٰہی کسی کو ہرگز نہیں پہنچا سکتے
بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ	تھے، اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے، جو ان کے لئے
(بقرہ - ۱۲)	مفید نہ تھی، بلکہ مضر تھی، اور انھیں اس کا
	علم تھا کہ جو اسے اختیار کرے گا اس کا
	آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا، اور بلا شبہہ
	وہ چیز جس پر وہ اپنی جگہ قربان کر رہے
	ہیں، نہایت حقیر ہے، کاش انھیں سمجھ ہوتی

دیکھئے وہ علم جو ہاروت و ماروت کے ذریعہ بابل میں سکھایا جاتا تھا، اسے فتنہ کہا گیا، اس میں یہ خاص بات تھی، کہ اُسے خیر و شر دونوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا، لیکن یہود یہ علم اس لئے سیکھتے تھے کہ اس سے لوگوں کو دکھ دیں، اور ایسا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ کتاب اللہ (تورات) ان کے یہاں متروک و مہجور ہو چکی تھی، بس اسی طرح کے علم سے انھیں شغف رہ گیا تھا،

۴۔ کسی غلط عقیدہ اور عمل پر اکسا کر ڈال دینا بھی ایک فتنہ ہے :-

۱۔ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ	اے بنی آدم شیطان تمھیں فتنہ میں نہ ڈالے
كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ	جس طرح تمھارے والدین کو جنت سے
يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا	نکال دیا، وہ ان دونوں سے ان کا لباس
سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ	اتروا رہا تھا، کہ ان کی شرمگاہیں کھول دے
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا	بلا شبہہ وہ اور اس کا لشکر تمھیں اس نگاہ....

یعنی ان کو دکھا دے

جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٥ (اعراف - ۳)	نگاہ سے تم اسے دیکھ رہے ہو، بیشک شیطان کو ہم نے ان لوگوں کا ولی اور قرین بنا دیا ہے، جو ایمان نہین رکھتے ہین،
۲- فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِيْنَ (صافات - ۱۶۲)	پس بیشک تم اور تمھارے معبود خدا سے لوگون کو ہٹا نہین سکتے،

یا بنی آدم کے خطاب مین عموم وخصوص کے دو پہلو ہین، عمومی اعتبار سے تو ساری دنیا اس خطاب مین داخل ہے، لیکن خصوصی لحاظ سے اس کے مخاطب اہل مکہ ہین، اور اس آیت مین انھین ان کی اس روش پر نکیر کی گئی ہے، جو شیطان کے اکسانے سے انھون نے اختیار کر رکھی تھی، وہ برہنہ ہو کر ان کا خانۂ کعبہ کا طواف کرنا اور اسے عین دین وتقوی تصوّر کرنا تھا اور اس غلط عمل مین اُن کے مبتلا ہونے کو ٹھیک اسی طرح ان پر شیطانی حربہ چل جانا کہا گیا ہے، جس طرح اس کا یہ حربہ آدمؑ پر چل گیا تھا، اور وہ جنت مین برہنہ ہوگئے تھے، بالفاظ دیگر اب سے بہت پہلے شیطان نے تمھارے جدامجد کو طرح طرح کی ترغیبات سے جنت مین برہنہ کر دیا تھا، ٹھیک اسی طرح اُس نے اے اہل مکہ تمھین بھی اس جنتِ ارضی (مکہ) مین عریان کر دیا ہے، اور تم ہو کہ اس کا احساس نہین کر رہے ہو، آدم نے رجوع کیا، اور ان کی توبہ قبول ہوئی، پس تمھین بھی چاہئے، کہ شیطان کے دام تزویر سے نکل آؤ،

دوسری آیت مین مشرکین کو ان کے ان تصوّرات اور عقائد کی ہمہ گیری اور قبول عام ہونے سے مایوس کیا گیا ہے، جو بالکل بے اصل ہین، اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے فریب مین کوئی ہوشمند اور سمجھدار انسان نہین آسکتا، جب تک کہ عقل کا کورا اور عاقبت فراموشی کا شکار نہ ہو، غور کیجئے ان دونون آیتون مین سے پہلی مین لفظ فتنہ کسی غلط عمل پر ترغیب دلانے کے لئے لایا گیا ہے، اور دوسری مین غلط عقائد اور باطل تصوّرات کی قبولیت پر اکسانے کے مفہوم مین استعمال کیا گیا ہے، (باقی)

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

ابو اسمٰعیل ہروی (متوفی ۴۸۱ھ) نے منازل السائرین میں اور حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس کی شرح مدارج السالکین میں "خشوع" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں،

حافظ ابن قیم منازل السائرین کی ایک عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

"قلب میں جس کی عظمت و ہیبت ہوتی ہے، اس کے سامنے طبیعت کی ہر خواہش ختم اور نفس کا ہر انبساط اسی میں فنا ہو جاتا ہے، بس خشوع اسی کا نام ہے کہ بندہ کی ہر خواہش اللہ کی عظمت اور اس کی مرضی کے تابع ہو جائے،

اس خشوع کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے کو ہر وقت عاجز و مسکین سمجھے، اور حکم الٰہی شرعی ہو، خواہ قدری، اس کے سامنے سر نیاز خم کر دے، اور وہ یہ بھی محسوس کرتا رہے کہ قلب کی ہر کیفیت اور اعضاء کی ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس استحضاری کیفیت کو وہ جتنا ہی زیادہ کریگا، صفتِ خشوع سے متصف ہوتا جائے گا،

دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے نفس کے عیوب اور اعمال کے نقائص پر نگاہ رکھے، اور اس بات کی پروا نہ کرے، کہ لوگ اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہیں، وہ

لوگون کے ساتھ نیک برتاؤ اور اُن کے حقوق ادا کرتا رہے، یہی کیفیت اُسے درجۂ فنا تک
لیجانے کا سبب بن جائے گی،

تیسرا درجہ یہ ہو کہ جب بندہ کو مکاشفہ وغیرہ کی کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، تو اس کی طبیعت
مین بڑا انبساط، اور بعض وقت عجب پیدا ہو جاتا ہے، ایسے وقت مین اُسے پورے طور پہ
نفس کی دیکھ بھال رکھنی چاہئے، تاکہ اس کا آئینۂ دل عجب وریا کے گرد وغبار سے میلا
نہ ہونے پائے، اس لئے کہ ایسے موقع پر ان عیوب کے پیدا ہوجانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، پھراس
تصور کو بھی ذہن مین جاگزین رکھے کہ فضل وکرم بخشش ومغفرت سب اسی ذاتِ قدوسی کے
دست قدرت مین ہے، وہ بندون پر بغیر کسی سبب کے بھی فضل وکرم کی بارش کرسکتا ہے"[1]

اوپر خشوع کی جو عمومی تشریح کی گئی ہے، صاحبِ منازل کی اس عبارت سے اس کی مزید توضیح
ہوگئی، کہ خشوع کی کیفیت صرف نماز ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ وہ پوری زندگی مین للّٰہیت پیدا
کرنے کا ایک معیار ہے،

حکیم امت امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم مین خشوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے، اور اس کے
شرائط وارکان، اس کے پیدا کرنے کی صورتین، اس کے باطنی اثرات اور مظاہر وغیرہ کو علٰحدہ علٰحدہ بہت
واضح طور سے بیان کیا ہے، ہم مختصراً ذیل مین درج کرتے ہین، فرماتے ہین :-

"اللہ تعالیٰ سے خشوع کی تعبیر تعظیم سے کی جاتی ہے، لیکن جب تک جلالِ الٰہی
کی معرفت کے ساتھ اپنے نفس کی حقارت کی معرفت بھی شامل نہ ہو، اس وقت تک
خشوع وتعظیم کی حالت منتظم نہین ہوتی"[2]

دوسری جگہ فرماتے ہین :-

---

[1] مدارج، ج ۱ ص ۲۹۶ [2] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱۸،

"اللہ تعالیٰ نے اس آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ[1]

مین ایمان کے بعد ایک مخصوص نماز کی وجہ سے مومنین کی مدح کی ہے، اور یہ مخصوص نماز وہ ہے

جو خشوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو، پھر ان فلاح یافتہ مومنین کے اوصاف گنانے کے بعد بھی

ایک مخصوص نماز کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ[2]

پھر ان صفات کے نتیجہ مین فرمایا کہ وہی لوگ ہین جو جنۃ الفردوس کے وارث و مالک ہون گے

غرضیکہ نماز مین خشوع رکھنے والے مومنین کو پہلے فلاح یافتہ بتایا، اور پھر اس کے نتیجہ مین انھین جنت

الفردوس کے وارث بنانے کا وعدہ فرمایا"

پھر ایک دوسری جگہ خشوع کی عمومی تشریح کرنے کے بعد صوفیہ اور ائمہ کے اقوال و اعمال

سے بھی اس پر استدلال کرتے ہین، فرماتے ہین :-

"جاننا چاہئے کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور جلال الٰہی کے تصور سے جو یقین حاصل ہوتا ہے

اس کا نتیجہ ہے، جو شخص اس کیفیت سے لطف اندوز ہو جاتا ہے، وہ نماز مین ہو خواہ نماز

سے باہر ہر وقت اس پر خشوع و خضوع کی حالت طاری رہتی ہے، بلکہ وہ تنہائی اور رفع حاجت

کے وقت بھی اس حالت سے علٰحدہ نہین ہوتا، اس لئے کہ خشوع کا اصلی سبب خدا کی عظمت و

توقیر کی معرفت، اور اپنی ذلت و تقصیر کا علم ہے، اور اسی علم و معرفت کے تصور سے خشوع کی

کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ چیز صرف نماز کے لئے مخصوص نہین ہے، بلکہ

ہر وقت اور ہر آن اس کا حصول ممکن ہے، چنانچہ بعض لوگون کے متعلق مروی ہے کہ انھون نے خدا سے

شرم و حیا اور اس کی عظمت کے تصور کے استیلاء کی وجہ سے چالیس چالیس برس تک آسمان

کی طرف سر نہین اٹھایا، ربیع بن خثیم (مشہور تابعی ہین ۶۳ھ یا ۶۱ھ مین وفات پائی)

---

[1] بیشک وہ لوگ فلاح یافتہ ہین، جو اپنی نماز مین خشوع رکھتے ہین [2] اور وہ لوگ جو نماز پابندی سے ادا کرتے ہین

کو اُن کے غضِ بصر اور اعضار کے جھکاؤ کی وجہ سے بعض لوگ اندھا سمجھتے تھے، وہ چالیس برس تک ابن مسعودؓ کے مکان پر آتے جاتے رہے، جب وہ آتے تو ابن مسعودؓ کی لونڈی اُن سے کہتی کہ آپ کا اندھا دوست آگیا، ابن مسعودؓ جب ان کی طرف دیکھتے تو آیت کا یہ ٹکڑا پڑھتے، وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (احکام الٰہی کے سامنے سرنیاز خم کر دینے والے کو خوشخبری دیجئے) اے ربیع خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھتے تو خوش ہوتے دوسری روایت میں ہے کہ تم سے محبت کرتے،

ایک روز وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ لوہاروں کے محلہ میں گئے، جب انھوں نے بھٹی کو جلتے، اور آگ کو بھڑکتے دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئے، اور غش کھاکر وہیں گر پڑے،

عامر بن عبد اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے، جو نہایت ہی خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اپر خشوع کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ نماز پڑھنے لگتے، تو بسا اوقات ان کی لڑکی دف بجایا کرتی، اور عورتیں گھر میں بے تکلفی سے گھریلو باتیں کرتی رہتیں، اور انھیں بالکل خبر تک نہ ہوتی،

اُن سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ کو بھی نماز میں وسوسہ اور پراگندہ خیالی ہوتی ہے، انھوں نے فرمایا مجھ پر نیزوں کی پے درپے بارش مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ جس طرح تم لوگ نماز کے وقت پراگندہ خیال رہتے ہو میں بھی رہوں، مسلم بن یسارؒ بھی انھی لوگوں میں تھے، کہ مسجد کا ایک ستون گر پڑا، اور وہ نماز پڑھتے رہے، انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی،

بعض صوفیہ کا قول ہے کہ نماز کا تعلق آخرت سے ہے، جب تم اس میں داخل ہوگئے، تو دنیا کی باتوں سے علٰحدہ ہوجانا چاہئے"

پھر چند حکایات نقل کرنے کے بعد امام غزالیؒ آخر مین فرماتے ہین کہ

"اور جس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے خاشعین فی الصلوٰۃ کی یہی کیفیت ہوتی ہے، یہ تمام حکایات و روایات اور اس سلسلہ مین جو کچھ بیان کیا گیا، اس بات کی دلیل ہے کہ نماز مین اصل چیز خشوع اور حضور قلب ہے، حضور قلب کے بغیر یعنی غفلتِ قلب کے ساتھ محض اعضاء کی حرکت سے نماز پڑھنے کا آخرت مین بہت کم اجر و ثواب ہے"[۱]

شیخ عبدالقادر جیلانی (سنہ ۴۷۰ھ - سنہ ۵۶۱ھ) نے غنیۃ الطالبین مین ابو حازم تابعی سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے "خشوع" کی پوری حقیقت سامنے آجاتی ہے،

ابو حازمؒ فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک صحابی سے ملاقات ہوئی، تو اونھون نے مجھ سے اور چیزون کے علاوہ نماز کے بارہ مین بھی بہت سے سوالات کئے، اور مین ان کو جواب دیتا گیا، آخر مین انھون نے پوچھا کہ

"عبادت کے وقت تمھاری کیا نیت ہوتی ہے؟ مین نے کہا کہ عبودیت، انھون نے کہا کہ کس چیز سے نماز کی ابتدا کرتے ہو؟ مین نے کہا تکبیر سے، انھون نے کہا نماز کی دلیل و برہان کیا ہے؟ مین نے کہا اس کی قرآت، اونھون نے کہا، نماز کا اصل جوہر کیا ہے؟ مین نے کہا تسبیحات جو اس مین پڑھی جاتی ہین، اونھون نے کہا نماز کو زندہ کرنے والی کونسی چیز ہے؟ مین نے کہا خشوع وخضوع، پھر اونھون نے پوچھا کہ اس کا وقار کیا ہے؟ مین نے کہا کہ سکون و طمانیت"

تمام سوالات کے بعد ان صحابی نے فرمایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز ادا کرتے تھے"[۲]

امام ابوالقاسم قشیریؒ (متوفی سنہ ۴۶۵ھ) اپنے "رسالہ قشیریہ" مین خشوع کے متعلق لکھتے ہین:-

---

[۱] غنیۃ جلد ۲ ص ۱۰۹ [۲] ایضاً ص ۹۵،

"خشوع نام ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا،...... بعض صوفیہ سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دل کے لگے رہنے کو خشوع کہتے ہین،...... سہل بن عبداللہ فرماتے ہین، کہ جس کا دل خشوع سے لبریز ہو جائے، اس کے قریب شیطان نہین آسکتا...... بندہ مین خشوع کی علامتون مین سے ایک علامت یہ ہے کہ جب اس پر غصہ کیا جائے، یا اس کی مخالفت کی جائے، یا اوس کی کسی بات کو رد کیا جائے، تو اس وقت وہ خندہ پیشانی اور حلم و ضبط کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے، بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ نگاہ کو ادھر اودھر دیکھنے سے روک دینا ہی خشوع ہے، محمد بن علی الترمذی فرماتے ہین، کہ خاشع وہ شخص ہے جس کے خواہشات کا آتشکدہ ٹھنڈا اور اس کے قلب کا دھوان (بیجا ولولہ) سرد ہو جائے، اور اس کے دل مین اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا نور چمک جائے، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو اس کی خواہش مردہ اور دل زندہ ہو جائے گا، اور پھر اس کے نتیجہ مین اس کے اعضاء پر بھی تواضع و خاکساری طاری ہو جائے گی، حسن بصری فرماتے ہین کہ دل مین پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے خوف کے بیٹھ جانے کو خشوع کہتے ہین[1]"

(باقی)

---

[1] رسالہ قشیریہ ص ۱۰۰،

ارض القرآن حصہ اول

(جدید اڈیشن)

پنڈت چندر بھان برہمن کی تصنیفات کے چند نسخے

منشأت برہمن کا نسخہ مکتبہ حبیبیہ میں

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی حبیب گنج علی گڑھ

مارچ سنہ حال کے معارف مین پنڈت چندر بھان برہمن کی تصانیف و حالات سے بحث کی گئی ہے، مکتبۂ حبیبیہ حبیب گنج (علی گڈہ) مین "منشآت برہمن" کا ایک نادر نسخہ ہے، خوشخط بخط شفیعا، مطلّا و مذہب، پورا نسخہ پاک صاف ہے، ۱۰۷۱ھ مین سید حسین ولد سید محی الدین نے لکھا ہے،

اس میں شاہجہان بادشاہ کے نام کے عرائض سے شروع ہوکر سلطنت کے مختلف امراء کے نام خط ہین، بعض خط اہل خاندان کے نام بھی ہین، چونکہ برہمن دربار و سرکار امراء مین باریاب تھے، یہ منشآت قیمتی معلومات سے مالا مال ہین، جا بجا اپنا کلام بھی نقل کیا ہے،

اس زمانہ کے تعلقات باہم کی بہار ان تصانیف سے واضح ہوتی ہے، ع

دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کرین

(۲)

دیوان برہمن تحفۃ الوداد اور مکاتیب کے نسخے گجرات ورناکلر لائبریری مین

از مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر گجرات ورناکلر سوسائٹی، احمد آباد

مارچ کے معارف مین دیوان برہمن کا ذکر آیا ہے، خوشی کی بات ہے کہ اس کتب خانہ (گجرات

ورنا کلر لائبریری احمد آباد) مین ایک نسخہ موجود ہے، زبان فارسی جیبی تقطیع خط نستعلیق، کاغذ احمد آبادی

ہر صفحہ مین بارہ سطرین خط باریک، سرخ جدول، صرف غزل ہی غزل ہے، اور ترتیب وار حروف تہجی

اس مین الف سے لے کر یائے ہوز تک ہے، جلد شکستہ ہونے سے چند اوراق آخر کے نہین رہے

لیکن عجیب بات یہ ہو کہ اس مین وہ شعر نہین ہے، ع

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار

شاید آخر مین متفرقات مین ہو،

اولہ: اے برتر از تصور و وہم وگمان ما اے درمیان ما و برون از میان ما

آخرہ: در کوے طلب فکر د تا پل بنر دراہ

اس کے علاوہ ایک رسالہ تحفۃ الوداد نام کا ہے، دوسرا رسالہ مکاتیب چندر بھان نامی ہو،

جس مین پہلا خط افضل خان کے نام ہے، ایک اور مجموعہ مکاتیب کا ہے، جو ابتدا اور آخر سے ناقص ہو،

اس مین ایک جگہ بادشاہ کے جشن سالانہ پر ایک رباعی کہی ہے،

استفسار و جواب

امام المسلمین کا حکم تشریعی

اور

عالم رویا کے احکام کی اطاعت

جناب میر انور سعید صاحب
نشیمن، کٹرہ اہلو والیہ (امرتسر پنجاب)

السلام علیکم!

مکاتیب اقبال میری نظر سے نہیں گذرے مگر ایک صاحب جنھون نے ان کا مطالعہ کیا ملاقی ہوے، اور چند ایسی باتین بیان کر گئے جن کا استفسار آپ ہی سے کرنا انسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ علامہ مرحوم نے خود بھی ان معاملات مین آپ سے ہی استفادہ کیا تھا،

(۱) کیا امیر یا امام المسلمین کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی قرآنی حکم کو منسوخ کر دے، اگر نہین تو امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے اس حکم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جب انھون نے عام الرمادہ مین سارق کے لئے قطع ید کی سزا جو قرآن حکیم کے ایک قطعی حکم کے مطابق ہے، منسوخ فرما دی،

(۲) ایک حدیث شریف مین ہے کہ مولائے کل جناب ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ جس نے خواب مین مجھے دیکھا اوس نے بتحقیق مجھے دیکھا، کیا یہ صحیحین کی حدیث ہے، اور اگر جواب اثبات مین ہو تو ایک شخص جب یہ کہے (اور تمام حالات شاہد ہون کہ وہ شخص کاذب نہین) کہ سرکار دوجہان

علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم رویا میں مجھے یہ چیز عطا فرما گئے، اور میں اُسے اسی طرح پیش کر رہا ہوں تو ان افکار کو جو اس صورت میں پیش کئے جائیں، الحاد و زندقہ کہنا کہاں تک بجا ہے، کیونکہ جہاں تک میرے محدود علم کا تعلق ہے، حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جب دنیا کے سامنے فصوص الحکم پیش کی تو اسی تمہید سے کی کہ یہ عطیۂ بارگہ نبوی ہے، مگر علامہ مرحوم فرماتے ہیں کہ یہ کتاب الحاد و زندقہ سے پُر ہے،

اُمید ہے کہ آپ براہ کرم و نوازش جلد جواب دیکر اس موضوع پر مکمل روشنی ڈالیں گے، اور میری اس علمی تشنہ لبی کو سیراب کریں گے،

معارف:۔ ۱۔کسی امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی حکم قرآنی کو منسوخ کر دے، ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی اسلامی مصلحت سے کسی حکم قرآنی کے اجراء میں تاخیر یا التوا کرے، مثلاً دار الحرب میں یا جنگ کی حالت میں جب دشمن کی فوج سامنے ہو، کسی مسلمان پر حد جاری کرنے میں تاخیر کی جائے، یا مثلاً سرقہ کی کسی خاص صورت کو کسی وقت خاص میں مستثنیٰ کر دیا جائے، مگر یہ چیزیں ہنگامی ہونگی اور مصالح ہنگامی کے ختم ہونے کے بعد اصل حکم بحال رہے گا، اسی طرح اس امام کے احکام اوس کے حدود تک محدود رہیں گے،

۲۔حدیث صحیح ہے لیکن رویا کی حیثیت صرف بشارت کی ہے، اس لئے دیکھنے والے کے لئے تو بشارت ہے، لیکن اس رویا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ارشاد سنا جائے، اگر وہ شریعت کے مطابق ہو تو ظاہر کہ صادق ہے، اور اگر مخالف ہے، تو قابل رد ہے، لیکن بیداری کے حکم کی جو قطعیت ہے، اور جو تواتر نقل یا صحیح روایت سے ثابت ہے، اوس کے مقابلہ میں رویا میں سینکڑوں احتمالات ہیں، اس لئے ناقابل قبول ہے ثانیاً یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ نبوت اور صوۃ فی الدنیا میں جو کچھ فرمایا وہی احکام قابل اطاعت ہیں، رویا کا ارشاد جو بیداری کے احکام کے مخالف ہو تسلیم کے لائق نہیں، اور اگر نہ مطابق ہو نہ متضاد و مخالف تو صرف خواب دیکھنے والا اگر اوس پر عمل کرے تو جائز، اور اگر نہ کرے تو ملامت کے قابل

نہین، اور وہ بھی اسی خواب دیکھنے والے کے حق مین خاص رہے گا،

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی احکام واجب الاطاعت ہین، جو حضور اپنی حیاتِ دنیاوی مین دے گئے ہین، والسّلام "س"

ایک آیت کا زمانۂ نزول

جناب سید مسعود احمد صاحب | پچھلے دنون مین سیرۃ النبی مصنفہ مولانا شبلی مرحوم میرے
دارالانوار قادیان | مطالعہ مین تھی، اس کے متعلق ایک ضروری تاریخی استفسار

ارسال کرتا ہون :-

مولانا مرحوم اپنی تصنیف کے حصۂ اول مجلد دوم مین ص ۴۸ پر فرماتے ہین، کہ قُلْ یَااَھْلَ الکِتَابِ تَعَالَوْا اِلیٰ کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ الخ والی آیت وفدِ نجران کی موجودگی مین ۹ھ مین نازل ہوئی تھی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوس مکتوب مین جو ہرقل عظیم الروم کے نام تھا، یہی آیات درج ہین، جو اس سے چند سال قبل کا واقعہ ہے،

براہِ کرم اس تناقض کو دور فرمائین، اور اس آیت کے سنہ نزول کے بارے مین اپنی تحقیق سے متمتع کرین،

معارف :- عنایت نامہ ملا، جواباً عرض ہے، اس آیت کے سببِ نزول مین اربابِ تفسیر کی مختلف رائین ہین، بعض کا خیال ہے کہ اس کا نزول صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا، اور بعض کا میلان ہے کہ یہ وفدِ نجران کی آمد کے وقت نازل ہوئی، حافظ ابن کثیر نے تفسیر مین وفدِ نجران کی آمد کے وقت اس آیت کے نزول پر دو اشکال ظاہر کئے ہین،

اوّل جو آپ نے لکھا ہے،

دوم امام زہری کا قول ہے کہ سب سے پہلے جزیہ وفدِ نجران نے قبول کیا، اور اس بات پر سب

متفق ہین، کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، پھر ان اشکالات کے جوابات دیئے ہین،

۱- ہوسکتا ہے کہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو، ایک بار صلح حدیبیہ سے پہلے دوسری بار فتح مکہ کے بعد،

۲- ابن اسحاق کا جو یہ قول ہے کہ آل عمران کی اسّی سے کچھ زیادہ آیتین، وفد نجران کی آمد کے وقت نازل ہوئین، صحیح نہین، ممکن ہے کہ صرف شروع کی چند آیتین اس وقت نازل ہوئی ہون،

۳- یہ بھی احتمال ہے کہ وفد نجران کی آمد صلح حدیبیہ سے پہلے ہوئی اور جو پیشکش انھون نے اس وقت قبول کی وہ مباہلہ کے بدلے مصالحت کے لئے تھی، جزیہ کی حیثیت سے نہین،

۴- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ خط لکھا تھا، اس وقت یہ آیت نازل نہین ہوئی، بلکہ آپ نے اپنے الفاظ مین اسے لکھا ہو، اور بعد مین اسی کے موافق وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی کے ذریعہ نازل ہوگئے ہون، جیسا کہ آیت حجاب وغیرہ مین حضرت عمرؓ کی موافقت مین آیتین نازل ہوئین،

مجھے یہ قول پسندیدہ معلوم ہوتا ہے، کہ پہلے یہ آیت پاک منفرداً نازل ہوئی ہے، دوسری بار پورے سلسلے کے ساتھ، موجودہ ترتیب کے ساتھ جہان علم الٰہی مین اس کی جگہ تھی، فلا اشکال،

والسّلام، "س"

گکھرون کی تاریخ

جناب سردار علی صاحب ملوٹ ضلع، جہلم،	معارف ماہ جون ۴۳ء مین گکھرون کے سلسلہ مین ایک استفسار کا جواب دیا گیا تھا، پھر ایک مزید سلسلہ بحث

مین معارف ماہ ستمبر ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۲۲۰ مین معارف کی جانب سے ایک نوٹ شائع ہوا، جس مین مذکور ہے، کہ

"گکھرون کے متعلق مستفسر اول جناب محمد اسلم خان صاحب کا ایک مزید تشریحی

استفسار موصول ہوا ہے، امید ہے کہ وہ معارف کے کسی آیندہ نمبر مین پیش ہو، اور اس پر مزید گفتگو کی جا سکے"،

مذکورہ نوٹ کے متعلق مین نے گذشتہ جون ۴۶ء مین بطور یاددہانی ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، جس کے جواب مین آپ کی جانب سے ایک گرامی نامہ نمبر ۶۸۶ مندرجہ ۲۶ رجون ۴۶ء موصول ہوا تھا، کہ

"کثرتِ مشاغل کی وجہ سے گکھڑون کے متعلق ابھی تک کچھ لکھا نہین جا سکا، بہت جلد کسی آیندہ فرصت مین کچھ عرض کیا جا سکے گا"،

اب کامل ایک سال کی خاموشی کے بعد مجھے پھر ایک دفعہ جناب کی خدمتِ عالیہ مین عرض کرنی پڑی، براہِ نوازش میرے عریضے پر بغور و فکر اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی کوشش فرماوین، اس تشریحی استفسار کو جو گکھڑون کے متعلق ہے، لکھنے کی تکلیف اٹھاوین، زیادہ والسلام،

معارف:۔ گرامی نامہ ملا، صحیح ہے کہ گکھڑون کے متعلق پھر معارف مین کچھ نکل نہ سکا، لیکن اس کی وجہ کوئی سہل انگاری نہین، بلکہ زیادہ مستند معلومات کو مناسب موقع سے شائع کرنا پیشِ نظر تھا، آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی، کہ گکھڑون کے متعلق ایک مستند تاریخ ان دنون ایک محقق مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے زیرِ ترتیب ہے، وہ کتاب تیار کر چکے ہین، اور ان دنون مقدمہ کی تسوید مین مصروف ہین، اگر آپ کو زیادہ عجلت ہو تو ان سے گجرات ورناکلر سوسائٹی احمد آباد کے پتہ سے خط و کتابت فرمائین، ورنہ کچھ دنون انتظار فرمائین، ممکن ہے مولانا موصوف اس موضوع پر اپنی تحریر معارف مین اشاعت کے لئے ہمین عنایت فرما سکین،

والسلام "س"

مطبوعات جدیدہ

نظامِ نو، از جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے، حجم ۹۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۴؍

پتہ :۔ مکتبہ نشأۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن،

جناب مصنف اپنی سنجیدہ تصنیفات کے ذریعہ ملک کے علمی و ادبی حلقون مین روشناس ہو چکے ہین نظامِ نو ان کی تازہ تصنیف ہو جس مین غور و فکر کے ساتھ چند فکری و ذہنی مباحث پر سنجیدگی سے گفتگو کی گئی ہے، مصنف نے اس مین دنیا کے موجودہ نظامِ زندگی یا یون کہا جائے، موجودہ مغربی تمدن و معاشرت پر ناقدانہ بحث کی ہے، اور اس کی خامیان دکھا کر ایک نظامِ نو کے مبادیات کو پیش کیا ہے، مصنف نے عقلیت پرستی، افادیت پسندی اور خارجیت پسندی کو مغربی تمدن کے تین نمایان اجزا مین شمار کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ یورپ مین اہلِ مذہب کی شکست کو نفس مذہب کی شکست کا مترادف سمجھا گیا، حالانکہ محض عقلی دلائل دیرا ہین نفس مذہب کی حقانیت و بطلان کا معیار نہین بن سکتے انھون نے مذہب کی راہ کو چھوڑ کر عقلیت پرستی کا دامن پکڑا، اور اس مین وہ ایسی تیز گامی سے بڑھے کہ اخلاقی اصول بھی اُن سے چھوٹ گئے، پھر وہ عقلی استدلالون کے پردہ مین اجتماعی رغبت و پسندیدگی کے نفسیاتی مزاج کی پیروی کرنے لگے، اور اس راہ سے عورتون کو ایسی آزادی دی کہ معاشرت مین بے عنوانیان پیدا ہو گئین، اور سائنس کے علوم مین عقلی استدلال سے کامیاب ہونے کی وجہ سے انسانی تعلقات کی . . . . . . بھی انھون نے اصولِ اخلاق کے بجائے محض عقل کی رہنمائی مین درستی چاہی، پھر ان حقائق سے بحث کی جو انسانی حدو تجربہ کے ماوراء تھے، اور اپنی نارسائی کی وجہ سے ان حقائق سے

انکار کر بیٹھے، اور افادیت پسندی مین وہ اس حد تک بڑھ گئے، کہ محض وقتی اور محسوس فوائد کو اصل کامیابی جانا، مادی فوائد کے لئے اخلاقی اصولون کو چھوڑا، اور اپنی لذت پرستی و مسرت طلبی کو جائز حدود مین نہ رکھ سکے، پھر وہ اپنی خارجیت پرستی سے انسانی زندگی مین خارجی نظامون سے ایسے وابستہ ہوئے کہ اخلاقی تقاضون اور باطنی و روحانی محرکات کو فراموش کر گئے، حالانکہ اصلاح باطن سے خارجی زندگی آپ سے آپ متاثر ہوتی ہے، دوسری طرف ایشیائی متفکرین و مصلحین نے خارجی نظامون کو سرے سے نظر انداز کیا، انکی ساری توجہ صرف روحانیت پر مبذول رہی، اس افراط و تفریط کے درمیان صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اعتدال کے ساتھ ان دونون کو اہمیت دی اور سیاست، معاشرت اور معیشت کا ایسا نظام بنایا جس پر ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد قائم ہوسکتی ہے، دوسری طرف اس نے اصلاح باطن، تزکیۂ نفس اور نظام عبادت کے ایسے اصول وضع کئے، جو انسانون مین صحیح سیرت و کردار پیدا کرسکین،

پھر ان تحریکون پر نظر ڈالی گئی ہے، جو مذہب انسانیت، قومیت پرستی، اشتراکیت اور بین الاقوامی وفاق کے نام سے موجودہ تمدن کی بنیادی خامیون کو دور کرنے کے لئے جاری ہوئین لیکن ان تحریکون مین ایسی بنیادی خامیان مخفی ہین جن سے ان کی خوبیون پر بھی پردہ پڑ گیا، پھر مصنف نے ایک صالح نظام کے ضروری اجزا ترتیب دیئے ہین، اور ان کی مطابقت اسلام سے دکھائی ہے، اور آخر مین دکھایا ہے، کہ کسی اصول یا نظریہ کا محض برحق مفید اور صالح ہونا اس کی کامیابی کا ضامن نہین، جب تک کہ اس کے پیرو اپنی انفرادی سیرت و اجتماعی طاقت سے اس کو پھیلانے اور اس کے مخالف نظامون کو مٹانے کی سعی مین مصروف نہ ہوجائین، اسلام کے پیرو اپنی عملی جد و جہد، ایثار و قربانی تنظیم، مرکزیت اور فہم و تدبر سے سرگرم عمل ہون، تو وہ آج بھی نظام عالم کو بدلنے کی قدرت رکھتے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کا ترجمہ دوسری زبانون مین بھی کیا جائے، کہ مزید مفید نتائج مرتب ہوسکین،

محاوراتِ داغ از جناب ولی احمد صاحب ایم اے، وزیر اعظم ریاست دوجانہ،

جم ۳۰۰ صفحے، کاغذ بہتر، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت فی جلد ستے ر، پتہ :- مکتبۂ ادب اردو بازار دہلی،

داغ کی شاعری مین محاورات کا جو برمحل اور برجستہ استعمال اپنی امتیازی شان کے ساتھ پایا جاتا ہے، ان کو یکجا کرنے کا خیال ایک زمانہ سے زبان کے خدمت گذارون کے پیش نظر تھا خوشی کی بات ہے، کہ اس خدمت کو صاحبِ ذوق مصنف نے اپنی اس تصنیف کے ذریعہ پورا کیا، اور ۴۴۴۴ محاورات کا قابلِ قدر انتخاب بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تیار کر لیا، ہر محاورہ کی تشریح اور جس شعر سے وہ اخذ کیا گیا ہے، مع دیوان کے حوالہ کے اس کے سامنے درج ہے، اس طرح اردو زبان و ادب کی مفید خدمت انجام پائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اس کو لغت کی کتابون کی ترتیب سے مرتب کیا جاتا، یون تو حروفِ تہجی کی ابتدائی تقسیم کا لحاظ رکھا گیا ہے لیکن ایک حرف سے شروع ہونے والے تمام محاورے تحتانی حروفِ تہجی کا لحاظ کئے بغیر غیر مرتب طریقہ سے نقل کر دیئے گئے ہین جس کی وجہ سے اگر کسی ایک محاورہ کے مراجعہ کی ضرورت ہو، تو اس حرف تہجی کے پورے باب کا مراجعہ کرنا پڑے گا، جس میں خاصہ وقت صرف ہو سکتا ہے اسلئے طبع ثانی مین اس کی ترتیب مین اصلاح کی ضرورت ہے، مصنف نے شروع مین تقریب کے عنوان سے اردو غزل، اور داغ کے کلام پر بھی اختصار و جامعیت سے گفتگو کی ہے اور وہ لائق مطالعہ ہے،

شہدائے اسلام، از جناب اخلاق حسین صاحب قاسمی، ناشر سنٹرل بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد دہلی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- مجلد عار

شہدائے اسلام مین ایسے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات جن کر یکجا کئے گئے ہین جن مین ان کے اللہ کی راہ مین جامِ شہادت نوش کرنے کا ذکر آیا ہے، ابتدا مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے ایسے واقعات بھی درج کئے گئے ہین، جن مین آپ کو کفار کے ہاتھون ایذائین پہنچین، اگر اس بیان کا

خاتمہ" بھلا وہ قوم کیسے ترقی پاسکتی ہے، جو اپنے پیغمبر کو زخمی کر دے" پر کرنے کے بجائے اس پر کیا جاتا، کہ "اے اللہ ہماری قوم کو ہدایت دے، کہ وہ نہیں جانتی" تو زیادہ بہتر ہوتا، رسالہ کا خاتمہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ پر کیا گیا ہے،

خدا کی حاکمیت:- از حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، حجم ۴۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- ۴ر، پتہ :- ادارہ دعوۃ الحق، بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی، حیدر آباد دکن،

معارف میں زیر ترتیب سیرۃ جلد ہفتم کے چند صفحے کچھ دن گذرے شائع ہوئے تھے، ناشر نے ان کو "خدا کی حاکمیت" کے نام سے رسالہ کی صورت میں عام افادہ کے لئے شائع کیا ہے، اس میں حضرۃ الاستاذ مدظلہ نے دکھایا ہے کہ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، احکامِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں، احکام تشریعی و تکوینی، قانون و شرع کے اصول و کلیات ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھے گئے ہیں اور اُمت کے مجتہدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے لئے مسائل و فروع کا استنباط کریں "حکومت الٰہیہ" پر اس زمانہ میں طویل بحثیں جاری ہیں، یہ رسالہ اس موضوع کی جان ہے، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

اسلامی روایات کا تحفظ، از جناب سید جمیل واسطی ایم اے رکینٹب) حجم ۱۶۳ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ، مکتبہ دانش مزنگ، لاہور،

یہ مصنف کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں مختلف تمدنی و معاشرتی مسائل پر ناقدانہ گفتگو کی ہے، یہ مضامین "علم و عمل" "مسلمانوں پر مغربی تہذیب کا اثر" "پردہ" "تعداد ازدواج" "خود رخوری" "ضم پرستی" "نسلی تعصب" اور "مے نوشی" وغیرہ پر ہیں، ان موضوعوں پر مغرب کے کشکول میں اُن کے حسن و قبح کے معیار کے لئے جو دلائل ہیں، ان پر نظر ڈالی گئی ہے، اور ان کا صواب دکھانے کی کوشش

کی گئی ہے، اس کا مطالعہ نوجوانون کے لئے خاص طور پر مفید ہوگا،

بہشت:- از جناب بنی پرشاد سنگھ صاحب بھٹناگر حجم ۱۹۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی

ناشر مول چند اینڈ برادرس، چوک فیض آباد،

اس رسالہ مین مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے انسانون کو نیکی کی زندگی اختیار کرنے اور برائیون سے بچنے کی تلقین کی ہے، اور دکھایا ہے کہ انسانی زندگی کی راحت سچی محبت اور پاکیزہ زندگی ہی مین ہے، جناب نصیر الدین احمد ریٹائرڈ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے اس کا دیباچہ لکھا ہے، یہ رسالہ غالباً بلا قیمت مل سکتا ہے ۔

خونی ترانے مرتبہ جناب عبد الوہاب صاحب غازی اصلاحی، حجم ۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی،

قیمت ۲ر، پتہ:- اردو اشاعت گھر، نمبر ۳۴، فیرس لین (چوتا گلی) کلکتہ،

ان دنون ملک مین جو فرقہ وارانہ فسادات جاری ہین، ان مختلف واقعات پر وقتاً فوقتاً مختلف شعرا اور خود مرتب نے اپنے جو تاثرات نظمون مین قلمبند کئے، وہ نظمین اس مجموعہ مین یکجا کی گئی ہین جو مختلف عنوانات خانہ جنگی، کلکتہ کا فساد، کربلائے بہار، سٹری لاشین، شہیدان بہار، بینی آباد، مظفر پور، ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء " نوجوانان بہار سے خطاب، وغیرہ عنوانون سے ہین،

تاجدار رقاصہ، ترجمہ جناب فصیح الدین احمد صاحب ایم اے حجم ۱۰۱ صفحے تقطیع چھوٹی،

قیمت ۱۲ر، نیا گھر، اردو بازار دہلی،

یہ ایک فرانسیسی ناول کا آزاد ترجمہ ہے، اس مین ایک رقاصہ کی سرگذشت بیان کی گئی ہے جس مین اس کی زندگی کی مختلف منزلین دکھائی گئی ہین، وہ اسی سلسلہ مین ایک غریب نوجوان کی شریک زندگی بنی، پھر اپنی قسمت سے نپولین کے تخت کی تاجدار بن گئی، اور نپولین کے محل مین اس کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات پیش آئے، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے،

" ض "

جلد ۵۹ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۷ء عدد ۶

شذرات

جون کا مہینہ ہندوستان کی تاریخ مین یادگار رہے گا کہ برسون کی کشمکش کے بعد یہان کی سیاسی جماعتون کے رہنماؤن نے ایک بات پر خوشی یا ناخوشی سے اپنے اتفاق کا اعلان کیا، توقع ہے کہ ملک مین خونریزیون، اور سفاکیون کا جو سلسلہ قائم تھا، وہ اس نئی سیاسی کروٹ سے تھم جائے گا، خدا کرے کہ ملک کو حقیقی امن و امان نصیب ہو، اور یہ ملک جو کبھی جنت نشان تھا، اپنے گوشہ گوشہ مین ترقی کی معراج کو پہنچے، اور سب قومون، ملتون اور جماعتون کو یکسان فراغ بالی نصیب ہو،

آج کل مسلمانون مین جو ذہنی انقلاب برپا ہے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہین، یہ حقیقت اب روز روشن کی طرح مسلمانون پر عیان ہوتی جاتی ہو کہ اسلام صرف چند عقیدون کا نام نہین، وہ انسانی حیات کی تمام تر تفسیر ہوا وہی انسانی زندگی کا وہ آخری نظام ہے جس سے نظام عالم کی اصلاح کی امید قائم کی جا سکتی ہو، لیکن بہرحال ان حقائق کے ساتھ اس سے بھی چشم پوشی نہین کیجا سکتی، کہ اس وقت دنیا کے گوشہ گوشہ مین "غیر اللہ" کی حکومتین قائم ہین، اور اسی قسم کی حکومتون کے خاکے اس وقت ہندوستان مین بھی تیار کئے جا رہے ہین، یا جلد ہی تیار کئے جائین گے، اگر ہم تخیل اور تصور ہی کی دنیا مین رہین، تو پھر ہماری وقتی اور اضطراری ضرورتون کو پورا کرنے کی ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہو، مستقبل کے کسی خوش آیند تصور پر وقتی ضرورتون سے نگاہ نہین ہٹائی جا سکتی، جس طرح ہم اپنے پختہ عقائد اور حقیقی تصورات کے باوجود حکومت وقت کے قوانین کا بھی خاموشی سے اتباع کرتے ہین، اور اضطراراً تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہین، اسی طرح اگر ہم اپنی اجتماعی ضرورتون کے لئے بھی اضطراری حالات سے مجبور ہو کر کچھ نہ کچھ

کر لینا چاہئیں، تو یہ کیوں نہ دانشمندی کی بات سمجھی جائے،
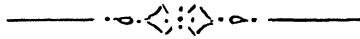
خوشی کی بات ہو کہ معارف میں محکمۂ قضا کے قیام کی تحریک کی جو تجدید کی گئی ہو، وہ ملک کے ممتاز مسلمان ارباب سیاست کی نگاہ میں ہے، ملک کے مختلف حلقوں کے بعض ذمہ دار اکابر سے گفتگو کا موقع آیا، وہ وقت کے منتظر ہیں، توقع ہو کہ جب اسلامی اکثریت واقلیت کے صوبوں کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلیوں کے روبرو تفصیلی مسائل آئیں گے تو اس بحث کو بھی ہاتھ لگایا جائے گا، اور اس کو تشفی بخش طریق سے کسی مناسب راہ پر لاکر طے کیا جائے گا، خدا کرے کہ سیاسی افکار و مشاغل کے ہجوم میں ملت کی یہ اہم ضرورت فراموش نہ ہونے پائے،
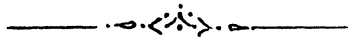
بہر حال مسلمان جس تیزی سے اپنے دینی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس کے اثرات صرف اسلامی ہند تک محدود نہیں، دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی اس کے خوشگوار نتائج سامنے آرہے ہیں، اور وہاں یورپ کی تقلید عام کے پرانے تخیل کی جگہ اسلامی تصورات کی طرف میلان بڑھ رہا ہو، چنانچہ نوجوان ترک جو کبھی سرمستی و سرشاری کے ساتھ یورپ کی تقلید عام کی طرف والہانہ انداز میں بڑھے تھے، اب شاید اسی تیزی سے واپس آنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، ان دنوں حکومت ترکی کی مجلس وزرا میں وزیر تعلیم کا ایک نیا مسودہ قانون زیر غور ہو، توقع ہے کہ وہ گرمی کی تعطیلات سے پہلے مجلس کبیر ملی کے سامنے بھی آجائے اس نئے مسودۂ قانون کے مطابق ترکی کے ابتدائی مدارس میں دینی تعلیم شروع کی جائے گی، اور ایسے مخصوص مدرسے کھولے جائیں گے جن میں اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا، اس سلسلہ میں دینیات کے لئے ایک مستقل کالج کے قیام کی تجویز بھی زیر غور ہے، ترکوں کی یہ "رجعت پسندی" ہمیں دل سے محبوب ہے، ہم دلی مسرت سے اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں، دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں حسن نیت کے ساتھ راہ صواب پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے،
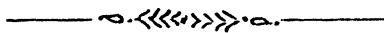
مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری مرحوم اپنی زندگی بھر علی گڈہ کی تعلیمی تحریک اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیون سے وابستہ رہے، خوشی کی بات ہے کہ اسی حلقہ سے مرحوم کے خدمات کے اعتراف کے لئے ایک یادگار قائم کرنے کی اپیل شائع ہوئی ہے جس پر دستخط کرنے والون مین ملک کے دوسرے چالیس ممتاز عمائد کے ساتھ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی ظلہ نے سرفہرست اپنے دستخط ثبت فرمائے ہین، اتفاق سے مسلم یونیورسٹی کے انجینیرنگ کالج کے طلبہ کے لئے دارالاقامہ کی کوئی عمارت موجود نہین ہے، اس تحریک کے بانیون کا خیال ہے کہ مرحوم کی یادگار مین شعبہ انجینیری کے طلبہ کے لئے دو لاکھ کے سرمایہ سے دارالاقامہ تعمیر کیا جائے، اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے انجینیرنگ کالج اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کو قرض حسنہ کی شکل مین وظائف دیئے جائین، اُمید ہے کہ ملک کے ارباب کرم اس تحریک کو لبیک کہین گے، کہ اس کے ذریعہ ایک طرف ایک مخلص کارکن کے دیرینہ خدمات کی یاد تازہ ہو، اور دوسری طرف ملک کے سب سے بڑے مسلم تعلیمی ادارہ کی ایک ضرورت پوری ہو، اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سہولت کا سامان بہم پہنچے، چندہ کی رقمین سکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اولڈ بوائز لاج مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ کے پتہ سے ارسال کی جائین،

دارالمصنفین مین تاریخ اسلام و تاریخ ہند کی تدوین کے جو سلسلے جاری ہین، ان مین سے مشرقی حکومتون کی تاریخ مین سے تاریخ بنو عباس کے سلسلہ کی آخری جلد جو عباسی دور کے علمی کارنامون کا مرقع ہے، زیر ترتیب ہے، اور مغربی حکومتون کے سلسلہ مین اندلس کی تاریخ کی تین جلدین تیار ہو چکی ہین، آخری جلد جو یہان کے ملوک طوائف پر مشتمل ہے، ان دنون زیر ترتیب ہے، امید ہے کہ یہ بھی اس سال پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، دوسری طرف تاریخ ہند کے سلسلہ کی پہلی جلد جو تاریخ سندھ پر مشتمل ہے ان دنون زیر طبع ہے ڈھائی سو صفحات تک چھپ چکے ہین، امید ہے کہ تاریخ سندھ کی اشاعت سے ہندوستان کی تاریخ کے ایسے معلومات سامنے آئین جو اب تک عام مورخین کی نگاہون سے بھی اوجھل رہے ہین،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۴)

۷۔ تخلیق مقاصد، اثباتِ خودی کا یہ ساتوان مقدمہ ہی، جو لوگ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہین ان کے نزدیک تو ان تمام دنیوی جھگڑون سے نجات کی صورت صرف یہ ہے، کہ خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کر دیا جائے، شوپنہار کے فلسفہ کا خلاصہ صرف یہ ہی کہ "دنیا ایک "خراب آباد" یا زندون کی دوزخ ہے، ہر طرف ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، ہر چیز اپنی اپنی غرض پوری کرنے کی فکر مین لگی ہوئی ہے، اور ہاتھ پاؤن پھینک رہی ہی، انسان بھی اپنی نفسانیت کا غلام ہے، اس کے اندر بھی طرح طرح کی اندھی خواہشین ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہین، زندگی کی بنیاد خود غرضی اور نفسانیت پر ہے، اور پھر ستم ظریفی یہ ہی، کہ باوجود اس دوڑ دھوپ کے، باوجود اس جد و جہد کے ہم اپنی خواہشون مین آخر کار ناکام رہتے ہین، اس لئے ہمارے اندر زندگی کی جو خواہش ہے، اس کو مٹا دینا چاہیے"[1]

بودھ کی تعلیم کا اصل الاصول بھی یہی ہی، کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے، اور ہمارے صوفیہ

---

[1] ماخوذ از شوپنہار مصنفہ مجنون گورکھپوری،

کی تعلیم بھی یہی ہے کہ

از کار جہان تمام انکار خوش است — این کار اگر کنی تو بسیار خوش است
خود را بہ کنار گیر و بگذر ز ہمہ — در عالم تدبیر ہمین کار خوش است

اس بنا پر وہ دلِ بے مدعا کو خدا کی بڑی نعمت سمجھتے ہیں، اور ڈاکٹر صاحب اپنی ایک ابتدائی غزل میں اس سے بھی زیادہ بلند پروازی کرتے ہیں، اور دلِ بے مدعا کے حاصل کرنے کی خواہش سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں :-

ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا
مرغِ دل دامِ تمنا سے رہا کیونکر ہوا

اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اگر خواہشاتِ نفسانی فنا ہو جائیں، تو زندگی بڑی پرسکون اور پرکیف ہو جاتی ہے، اسی بنا پر ایک شاعر کہتا ہے،

ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیئے

خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت زود فنا اور آنی ہوتی ہے لیکن ترکِ خواہش یا ترکِ لذت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت دیرپا بلکہ لازوال ہوتی ہے، انسان کو دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا احساس نہیں ہوتا، خیر و شر اور رنج و الم کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، اور زہر بھی تریاق کا مزہ دینے لگتا ہے، تسلیم و رضا کا مسئلہ اسی ترکِ خواہش سے پیدا ہوتا ہے، یا تسلیم و رضا سے خواہشیں اور آرزوئیں رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتی ہیں، اس بنا پر جس شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے گویا دنیا کا تمام کاروبار اس کے اشاروں پر چلنے لگتا ہے،

سیل و جو با بر مراد او روند — اختران زان سان کہ او خواہد شوند

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ در جہان زاوج ثریا تا سمک

اور ڈاکٹر صاحب بھی شخصی طور پر اس کیفیت زندگی سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں،

این دل کہ مرا دادی لبریز یقین بادا این جام جہان بینم روشن تر ازین بادا

تلخے کہ فرو ریزد گردون بسفال من در کام کہن رندے آنم شکرین بادا

اسلام نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنی تعلیمات میں سلب و ایجاب کے دونوں پہلوؤں کو جمع کر لیا ہے، اور اس مسئلہ میں بھی اس کی تعلیم کی یہ خصوصیت موجود ہے، خواہشوں کی ایک قسم ایسی ہے جس سے شخصی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اس سے دنیا کی تعمیر نہیں ہوتی، بلکہ تخریب ہوتی ہے اسی قسم کی خواہشوں کا نام "ہوی" ہے، اور ہوا و ہوس کی ترکیب اسی لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اور اسلام نے اسی قسم کی بری خواہشوں کے زائل کرنے کی تعلیم دی ہے،

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰیهُ بِغَیْرِ هُدًی مِنَ اللّٰهِ،	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے؟ جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی،
اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ	اے پیغمبر! کیا تو نے اس کو بھی دیکھا؟ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے،

لیکن ان کے علاوہ بہت سی پاکیزہ، مفید اور بلند خواہشیں بھی ہیں جن سے تہذیب نفس ہوتی ہے نظام عالم قائم رہتا ہے، اور ان کے ذریعہ سے خودی کو اپنی نشو و نما کے لئے ایک وسیع فضا مل جاتی ہے اس لئے اسلام نے ان خواہشوں کے پیدا کرنے اور ان کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے، حدیث میں ہے،

انّ اللّٰہ یحب معالی الامور و	بیشک خدا بلند کاموں کو پسند اور حقیر

کاموں کو ناپسند کرتا ہے، یبغض سفسافھا

یہی خواہشیں ہیں جن سے انسان کی خودی کو نشو ونما ہوتی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ان کے پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے،

زندگانی را بقا از مدعاست ‫ ‫ کاروانش را درا از مدعاست
زندگی در جستجو پوشیدہ است ‫ ‫ اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو ہنگامہ آرائے خودی ‫ ‫ موج بیتابے ز دریائے خودی
آرزو صید مقاصد را کمند ‫ ‫ دفتر افعال را شیرازہ بند
زندہ را نفی تمنا مردہ کرد ‫ ‫ شعلہ را نقصان سوز افسردہ کرد
نے گرفت از نیستان آئین خویش ‫ ‫ نغمہ زد از لذت تعیین خویش
اے ز راز زندگی بیگانہ خیز ‫ ‫ از شراب مقصدے مستانہ خیز
مقصدے مثل سحر تابندۂ ‫ ‫ ماسوی را آتش سوزندۂ
مقصدے از آسمان بالاترے ‫ ‫ دلربائے دلستانے دلبرے
باطل دیرینہ را غارتگرے ‫ ‫ فتنہ در جیبے سراپا محشرے
ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم ‫ ‫ از شعاع آرزو تابندہ ایم
آرزو را در دل خود زندہ دار ‫ ‫ تا نگردد مشت خاک تو مزار

یہ صبح کی طرح روشن اور آسمان سے زیادہ بلند مقاصد حقیر خواہشوں کو فنا کرکے انسان کو مستغنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا،

اے فراہم کردہ از شیران خراج ‫ ‫ گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج
از سوال افلاس گردد خوارتر ‫ ‫ از گدائی گدیہ گر نادارتر

از سوال آشفتہ اجزاے خودی　　بے تجلی نخل سیناے خودی

اے خنک آن تشنہ کاندر آفتاب　　مے نخواہد از خضر یک جام آب

چون حباب از غیرتِ مردانہ باش　　ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

لیکن صرف سوال ہی کی تخصیص نہین، بلکہ ہر بداخلاقی سے خودی ضعیف ہوتی ہے، البتہ ڈاکٹر صاحب نے صرف سوال کی تخصیص اس لئے کی ہے، کہ

(۱) وہ اپنی تعلیمات کی تائید جہان تک ممکن ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات وروایات سے کرتے ہین، اور حدیثون مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے جن شرائط پر بیعت لی تھی، ان مین ایک شرط یہ تھی،

لا تسئلوا الناس شیئًا　　لوگون سے کسی چیز کا سوال نہ کرو،

اور ان بزرگون نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر راہ مین کوڑا بھی گرجاتا تھا تو کسی سے یہ نہین کہتے تھے کہ اٹھا کر دیدو، اسی روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ

الحذر از منتِ غیر الحذر

(۲) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سرکاری ملازمت سے خودی ضعیف ہوتی ہے، اور ملازمت حاصل کرنے کے لئے سرکاری دفترون مین جو دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے، وہ ظاہر ہے، اس لئے وہ اس سے روکتے ہین،

تا بکے دریوزۂ منصب کنی

صورتِ طفلان زنے مرکب کنی

(۳) وہ کسبِ معاش کے دوسرے طریقون کی ترغیب دیتے ہین،

مشتِ خاکِ خویش را از ہم مپاش / مثلِ مہ رزقِ خود از پہلو تراش

آنکہ خاشاکِ بتان از کعبہ رُفت / مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(۸) صحرائیت و بدویت۔ اثباتِ خودی کا یہ آٹھواں مقدمہ ہے لیکن اس سے وحشیانہ زندگی مقصود نہیں، بلکہ تمدن و تہذیب کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر خودی کی تربیت مقصود ہے،

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردکِ میدانی

کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی

یورپ میں روسو بھی تہذیب و تمدن کا سخت مخالف تھا، اور اس کے نزدیک انسان کی ابتدائی فطری حالت ہی بہتر تھی، ڈاکٹر صاحب بھی بعض معاملات میں اس کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اقبال بعض معاملات میں روسو کے مانند ہے، وہ چاہتا ہے کہ پھر سے عہدِ نبوی کے شاندار شب و روز آجائیں، اس کے تمام خیالات اسی ایک خواب کی تعبیر ہیں، روسو فطرت کی طرف جانا چاہتا ہے، اقبال دشتِ حجاز پر مٹا ہوا ہے۔ اس کا دل دکھتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان تہذیب حاضرہ کے تصنع اور چمک دمک سے متاثر ہوتے جارہے ہیں جن میں سطحی اور تعیش کے سوا کچھ نہیں، اسلامی روایات عربی ہیں، اس لئے انھیں اپنے شریفانہ جذبات اور قدرتی فطانت کو برقرار رکھنا چاہئے، یورپ کی نقل کسی طرح سودمند نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ایرانی اوضاع واطوار نے ماضی میں کچھ فائدہ نہیں پہونچایا، غیر ملکی خیالات کا مبالغہ آمیز اور غلامانہ تتبع ہر ایک قوم کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے"[1]

ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے:-

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۳۸ - ۱۳۹

"اقبال ہر حال اور ہر منزل پر وہی تیرہ سو برس پہلے کا حدی خوان شتربان اور عرب بدوی ہو
وہ اپنے اونٹ کی نکیل ہاتھ مین لے کر مغرب اور مشرق کے آسمانون کے نیچے سر بلند گذرنا چاہتا ہی،
اور اپنی ملت کو بھی ساتھ لیجانا چاہتا ہی[1]

ڈاکٹر صاحب نے صحرائیت اور بدویت کی جو تعلیم دی ہے، اوس کے وجوہ حسب ذیل ہین،

۱- ایک تو یہ کہ مسلمانون کا اصلی مولد و منشار ہی صحرائے عرب ہے، اس لئے ان کو قدرتی طور پر صحرائیت کی طرف مائل ہونا چاہئیے، زبورِ عجم مین انھون نے ابہام و اجمال کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے،

لالۂ صحرایم از طرفِ خیابانم برید | در ہوائے دشت کہسار و بیابانم برید
رو بہی آموختم از خویش دور افتادم | چارہ پردازان بآغوشِ نیستانم برید

وہ اپنی غزلون مین عرب کے مشہور معشوقون کا جو نام نہایت دلچسپی سے لیتے ہین، اوس سے اسی عرب و حجاز کے خطہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، انھون نے یورپ سے شیخ عبد القادر کو جو پیغام دیا تھا،

رختِ جان تبکدۂ چین سے اٹھالین اپنا
سب کو محورخِ سعدی و سلیمیٰ کردین

اوس سے یہی عرب و حجاز کا خطہ مقصود تھا، لیکن انھون نے صرف انہی تلمیحات واشارات پر قناعت نہین کی ہی، بلکہ نہایت وضاحت کے ساتھ تبلا دیا ہے کہ وہ قوم کو صحرائے عرب کی سادہ زندگی اور سادہ اخلاق کی دعوت دیتے ہین،

"تا شعار مصطفےٰ از دست رفت | قوم را رمزِ بقا از دست رفت

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۱۰،

آن نہالِ سربلند و استوار　　سیرتِ صحرائی اشتر سوار

پاے تا در وادی بطحا گرفت　　تربیت از حدتِ صحرا گرفت

رختِ ہستی از عرب برچیدہ　　در خمستانِ عجم خوابیدہ

سُست از تاب عجم اعضاے او　　سرد تر از شکِ او صہباے او

داستانے گفتم از یاران نجد　　نکہتے آوردم از بستانِ نجد

محفل از شمع نوا افروختم　　قوم را رمزِ حیات آموختم

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مذہبی اور اخلاقی وجوہ سے ان کا میلان عرب کی طرف ہے، کیونکہ عرب کی سادہ صحرائی اور بدویانہ زندگی ہی نے دورِ اوّل کے مسلمانوں مین فاتحانہ اخلاق پیدا کئے تھے، اور دورِ آخر مین عجمی اثرات نے اُن کو تعیش و ترہیب کی طرف مائل کرکے ان اخلاق کو فنا کر دیا،

۲- صحرائی زندگی بالکل نیچرل اور فطری ہوتی ہے کسی چیز مین تکلف و تصنع کا شائبہ نہین ہوتا، اس لئے اخلاق مذہب اور معاشرت سب اپنی اصلی حالت مین قائم رہتے ہین، اور فطرت کا جو منشا ہے وہ پورا ہوتا رہتا ہے لیکن مہذب و متمدن زندگی کی مصنوعی لطافت و نزاکت فطری قوتون کو ضعیف کردیتی ہے اس لئے ایک متمدن انسان مین وہ جوش و ولولہ نہین ہوتا، جو صحرا نشینون مین عموماً پایا جاتا ہے،

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی　　یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

دنیا مین محاسب ہے تہذیبِ فسونگر کا　　ہے اس کی فقیری مین سرمایۂ سلطانی

یہ حسن و لطافت کیون؟ وہ قوت و شوکت کیون　　بلبل چمنستانی شہباز بیابانی

اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن　　بنتی ہے بیابان مین فاروقی و سلمانی

اس لئے تہذیب و تمدن کی نازک، لطیف اور رنگین زندگی انسان کی ترقی کو روک دیتی ہے،

تو اے شاہین نشیمن در چمن کردی ازان ترسم

ہوائے او ببالِ تو دہد پروازِ کوتاہے

۳- متمدن زندگی بظاہر نہایت مسرور معلوم ہوتی ہے، لیکن درحقیقت اس کا سرمایہ رنج و غم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں، کہ مہذب دنیا میں زندگی کی مصیبت اور تکان کا احساس ناقابلِ برداشت طور پر بڑھا ہوا ہے، لیکن اوّلاً تو ایک صحرا نشین آدمی میں قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی خواہشیں اور حاجتیں بہت کم ہوتی ہیں، اس لئے وہ قدرتی طور پر مہذب آدمی سے زیادہ مسرور زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کی خودی میں تکان کے بجائے نشاط زیادہ پایا جاتا ہے،

نغمہ پردازی زجوے کوہسار آموختم

در گلستان بودہ ام یک نالہ دردآلود نے

۴- صحرا کی اسی بے سروسامان نشاط انگیز اور خوددار زندگی کا نام ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح میں فقر ہے، اور اسی فقر کی بدولت صحرا سے مجدد، رفارمر، اور پیغمبر پیدا ہوتے ہیں،

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی

وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگین

تعلیم و تربیت علم و عرفان کا حقیقی ذریعہ نہیں ہے، بلکہ حقائق کا علم صرف کوہ و بیابان میں ہوتا ہے،

مدرسہ نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو

خلوتِ کوہ و بیابان میں وہ اسرار ہیں فاش

اس لئے خودی کی تربیت صرف دشت و بیابان میں ہوتی ہے،

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہی موقوف کہ مشتِ خاک مین پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز

یہی ہے سر کلیمی ہر اک زمانے مین ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز

اسی تربیت یافتہ خودی کا نام نبوت ہے، اور اس کا ظہور صرف کوہ و بیابان سے ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر یہ شرف حاصل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا، اور صحرائے عرب مین؛

دران شب ہا خروشِ صبح فرداست کہ روشن از تجلیہائے سیناست

تن و جان محکم از بادِ در و دشت طلوعِ امتان از کوہ و صحراست

اس قطعہ مین ڈاکٹر صاحب نے نہایت واضح طور پر بتا دیا ہے، کہ وہ صحرائیت اور بدویت کی ترغیب اس لئے دیتے ہین کہ اس سے روحانی اور جسمانی دونون قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور یہی قوت دین و دنیا کی سعادتون کا سنگِ بنیاد ہے، اور اہلِ عرب نے اسی قوت سے دنیا کو زیر و زبر کر دیا تھا،

عرب را حق دلیلِ کاروان کرد کہ او با فقر خود را امتحان کرد

اگر فقر تہیدستان غیور است جہانے را تہ و بالا توان کرد

اس مسئلہ پر علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے، چونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ہم اس جگہ اس کے جستہ جستہ مقامات کا خلاصہ درج کرنا مناسب سمجھتے ہین، وہ لکھتے ہین کہ اقالیم معتدلہ مین بعض مقامات ایسے ہین جہان کھیتی باڑی نہین ہوتی، اس لئے وہان کے باشندے نہایت تنگدستی کی زندگی بسر کرتے ہین، مثلاً اہلِ حجاز اور جنوبی یمن کے لوگ، ان کو اناج اور سالن میسر نہین ہوتا، ان کی غذا صرف دودھ اور گوشت ہوتی ہے لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے جسمانی اور اخلاقی حیثیت سے ان کی حالت سرسبز و شاداب مقامات کے خوش گذران لوگون سے بہتر ہوتی ہے، ان کے رنگ صاف، اُن کے جسم پاک، ان کی صورتین مکمل اور بہتر، ان کے اخلاق بے اعتدالی

سے منزہ، اور ان کے ذہن علم و ادراک مین زیادہ تیز ہوتے ہین، اس کی وجہ یہ ہو کہ غذا کی کثرت اور رطوبت جسم مین فضلات ردیہ پیدا کر دیتی ہے، اور اس سے جسم بے ڈول ہو جاتا ہے، اور اخلاط فاسد پیدا ہو جاتے ہین، جس سے رنگ میلا ہو جاتا ہے، اور گوشت کی کثرت سے شکل وصورت مین بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، دماغ پر بخاراتِ ردیہ کے چڑھنے سے ذہن وفکر پر پردہ پڑ جاتا ہے جس سے غباوت، بے اعتدالی اور غفلت پیدا ہوتی ہے،

شہری لوگ چونکہ عیش وعشرت مین منہمک رہتے ہین، اور اُن کے جان ومال کی حفاظت پولیس کرتی ہے، اس لئے وہ اپنے قلعہ کی چار دیواری مین غفلت کی نیند سوتے ہین، اور اُن کو کسی قسم کی بے اطمینانی نہین ہوتی، وہ ہتھیار اتار کر پھینک دیتے ہین، اور جب اس طرح کئی پشت گذر جاتی ہے، تو وہ عورتون اور بچّون کی طرح دوسرون کی حفاظت کے محتاج ہو جاتے ہین، اور یہ ان کا طبعی اخلاق ہو جاتا ہے لیکن بدو چونکہ اجتماعی زندگی سے الگ، صحرا مین زندگی بسر کرتے ہین، اس لئے نہ ان کو پولیس کی مدد حاصل ہوتی ہے، نہ اُن کے گھر مین چار دیواری ہوتی، اس لئے وہ اپنی مدافعت خود کرتے ہین، اور ہمیشہ مسلح رہتے ہین، ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہین، اور گہری نیند کبھی نہین سوتے، صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے ہین، یا اونٹون کے کجاوے پر اُن کی آنکھ لگ جاتی ہے، صرف اپنی قوت پر بھروسا کر کے جنگلون اور میدانون مین تنہا گھومتے پھرتے ہین، اس لئے قوت اور شجاعت ان کا فطری جوہر بن جاتی ہے" اور انہی حقائق کی طرف ڈاکٹر صاحب نے ان اشعار مین اشارہ کیا ہے،

مین تجھ کو بتاتا ہون تقدیر امم کیا ہی؟　　　شمشیر وسنان اوّل طاؤس ورباب آخر

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہین　　　چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش

نہ کرا فرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سی　　　کہ بجلی کے چراغون سے ہر اس جوہر کی ارزانی

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ　　بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

ترے صوفے ہین افرنگی ترے قالین ہین ایرانی　　لہو مجھکو رلاتی ہے جوانون کی تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل　　نہ زورِ حیدری تجھ مین نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی مین　　کہ پایا مین نے استغنا مین معراج مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانون مین　　نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانون مین

نہین تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر　　تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑون کی چٹانون مین

اے باد بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو　　خاموشی و دلسوزی سرمستی و رعنائی

(باقی)

اعلان

۱۔ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہِ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲۔ معارف ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر مین آجانی چاہیئے ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر رسالہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

منیجر دار المصنفین

مآل و مشیت

از

جناب صاحبزادہ خان بہادر ظفر حسین خان صاحب سابق انسپکٹر مدارس یوپی و سابق پرنسپل پبلک ریلیشن آفیسر حکومت ہند

"مقالۂ روسو" کے مترجم اور "مساحتِ ذہنی" کے لائق مصنف اپنے منصب کے فرائض مفوضہ کی ادائی کے ساتھ اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع سے علم و ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کرتے رہے ہین، وہ اگرچہ ایک زمانہ کے بعد بزمِ معارف مین شریک ہونے کا موقع نکال سکے لیکن دارالمصنفین سے ان کے دیرینہ مراسم کی یاد ہمیشہ تازہ رہی، اُمید ہے کہ ناظرینِ معارف موصوف کے پختہ کار قلم کی تازہ گلکاریون سے لطف اندوز ہون گے،

"س"

دفترِ اوّل

مآل

کتنے الفاظ ہین جو انسان کی زبان پر شب و روز عادۃً جاری ہین، مگر جن کا مفہوم یا تو سطحِ فہم سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سمجھ سے باہر ہوتا ہے، یا پھر دھندلے سے نقشِ معنی کے سوا کچھ نہین، لیکن انسان بزعمِ خود اس کو حقیقت کی مکمل تصویر سمجھتا ہے، کائنات، موت، حیات، جبر، قدر، مادہ، جوہر، روح، قوت، حرکت، مآلِ زندگی، مشیتِ ایزدی، کون روز نہین بولتا، لیکن کیا ہم اُن کی حقیقت کو کما حقہٗ سمجھتے ہین؟

جن عقائد کو عوام بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے ہین فلسفی ان عقائد کو عقل کی کسوٹی پر کستا، اور فہم انسانی کی سہل انکاریون اور ضعیف الاعتقادیون کو فلسفیانہ تنقید کی روشنی مین دیکھتا ہے، فلسفہ کی ضخیم وحجیم کتابون مین سر کھپانے سے زیادہ مفید عمل شاید یہ ہوگا، کہ کبھی فرصت کے چند لمحون مین ہم اپنے منتہائے علم کا جائزہ لین، یعنی جن عقائد کو ہم حقائق سمجھتے رہے ہین، ان کی عقلی بنیادون پر غور کرین اور یا در ہوا تو ہمارے وعقائد کو اپنی فہرست سے ایک ایک کر کے کاٹتے جائین، اس عمل کے اخیر مین یا تو ہم جانین گے کہ کچھ نہین جانتے، یا ہمارے عقائد کی فہرست سمٹ کر گنے چنے اصول پر آجائے گی جن کو ہم اپنے علم کے بنیادی اور اٹل اصول کہہ سکتے ہین، اور پھر ان بنیادی اصول سے مستخرج اور مستنبط نتائج واصول کی مدد سے اپنے علم کی عمارت ازسرِ نو بنا سکتے ہین جس کو بجا طور پر اپنا فلسفۂ حیات کہہ سکتے ہین،

سطور ذیل اسی قبیل کی سعی کا ایک عکس ہے، ان مین جا بجا فلاسفۂ ماسبق کے خیالات کی جھلک نظر آئے گی، لیکن دوبارہ غور کرنے پر مفہوم کی سمت کا اختلاف خود بخود ظاہر ہو جائے گا، فلسفہ کے کسی طالب العلم کا ذہن خواہ وہ کتنا ہی غیر جانبدار کیون نہ ہو، کسی نہ کسی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، لیکن متاثر ہونا مقلد ہونے کا مرادف نہین، ہوسکتا ہے کہ ایک فلسفی کانٹ کے نظامِ فلسفہ سے متاثر ہوتے ہوئے اپنا جداگانہ نظامِ خیال رکھتا ہو، جس مین جا بجا اس تاثر کے آثار پائے جاتے ہون لیکن بہ حیثیت مجموعی اور آخری نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک جداگانہ چیز ہو گی،

علاوہ برین اپنے خیال کے آخر منزل تک پہنچنے کے لئے ہر مفکر کو کچھ دور ایسی راہون پر چلنا ہوتا ہے جو دوسرون کی بنائی ہوئی تھین، اور اُن کے بعد اپنی راہین نکالنا ہوتی ہین، اس لئے اُن کے ذہنی نقل و حرکت کا پورا نقشہ پیش نظر رکھے بغیر، تتبع، تقلید یا سرقۂ خیال کا اتہام بعید از انصاف ہوگا،[۱]

۱؎ راقم الحروف کسی مخصوص مدرسۂ فلسفہ کا تابع نہین، اس کے ساتھ متداول مذاہبِ فلسفہ سے خالی الذہن بھی نہین، جہان جہان سابقین اور اپنے درمیان مشترک راستون کو طے کیا ہے، پورا پورا احساس ہے، لیکن چونکہ اپنی منزل

نشاۃ جدیدہ کی نگاہ مین سائنس حقیقت شناسی کا آخری نقطہ ہے، اور علم و معانی کے ہر گوشہ پر حاوی، دارالاختیار کا سفید پیرہن پوش سائنس وان اقلیم علم کا فرمانروا ہے، اور اس کا نادری حکم چار دانگ عالم مین جاری ہے، بیچارہ فلسفہ پسپا ہوکر کنشت و مسجد و بتخانہ و دیر" مین قلعہ بند ہے"

اگرچہ سائنس کے حملے شب و روز، دیر و حرم پر بھی جاری ہین، مگر مذہب کی سنگلاخ دیوارین، صدیون کے پیہم حملون کے باوجود، اپنی جگہ پر قائم ہین، اور اصل یہ ہے کہ مابعدالطبیعات کے بچے کھچے تصوّرات کو اگر کہین پناہ ملی ہے تو وہ مذہب ہی کا دار الاسلام ہے لیکن سائنس کی ان تمام لن ترانیون کے باوجود، آپ نے کبھی غور کیا کہ اس کی پونجی کیا ہے؟ بس مظاہر فطرت کے دستور ظہور کو دریافت کرنا اور جو کچھ آنکھ سے دیکھا یا کان سے سنا یا دیگر حواس کی مدد سے محسوس کیا، اُن کو مختلف سرخیون کے تحت مین ترتیب دینا اور شمار و اعداد کا انبار جمع کرنا، ایک سائنٹسٹ کا کام اُس لائبریرین سے زیادہ نہین جو کتب خانہ کی بے شمار کتابون پر چٹین لگا کر مختلف مضامین مین تقسیم کر دیتا ہے لیکن اگر آپ اس سے پوچھین، کہ ان کتابون کے اندر کیا ہے تو وہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا، سوائے قانون فطرت دریافت کرنے کے جو عبارت اس امر سے ہے، کہ کسی فطری واقعہ کے واقع ہونے کے طور و طریق کیا ہین، سائنس سلسلۂ اسباب کا بھی سراغ نہیں لگاتا، کنہ ذات اور ماہیت کی گہرائیون تک جانا تو بڑی بات ہے طبعیات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸) آگے بھی اسی لئے ان حوالون کو قلم انداز کرنا مناسب سمجھا گیا، علاوہ برین حق کسی کا کاپی رائٹ نہین، اور اس کے بیان مین ہر شخص بلا خوف تردید و توارد اپنا اسلوب اختیار کر سکتا ہے، زمانۂ حال کے تصنیف و تالیف کا دستور ہے، کہ لوگ دوسرون کی کتابون سے تفصیلی نوٹ لیتے ہین، اور اپنی تحریر کا حجم دل کھول کر اقتباسات کی بھر مار سے بڑھاتے ہین، اس کے برخلاف اپنا نظریۂ مطالعہ یہ رہا ہے کہ ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد جو نفس مطلب ذہن مین باقی رہ گیا، اتنا ہی کارآمد سمجھا، اور جس کو ذہن نے قبول نہین کیا، اور اس لئے فراموش کر دیا، اس کے بارسے ذہن کو محفوظ رہنے ہی مین عافیت سمجھی،

کیا ہے، عنصری ظہور ترتیب پر ایک سرسری نظر یا رقصِ ذرات کا تماشا، نباتیات کیا ہے؟ لالہ و گل کی سوانح عمری، حیوانیات کیا ہے؟ مرغ و ماہی کا افسانہ، ہیئت کیا ہے؟ اختر شماری، اور سیارون کی حرکت کی داستان سرائی، ہاتیج الوقت مسئلہ ارتقا، کی حقیقت بھی ایک بوستان خیال سے زائد نہین جس مین ماحول اور اجسام کے باہمی عمل در ردّعمل کے طلسم ہوش ربا کے علاوہ کیون" اور کس لئے" کا جواب درکنار، یہ تک پتہ نہین چلتا، کہ فطرت کے مختلف طبقات کے اندر کسی جدا گانہ ارتقار کا ڈراما ہو رہا ہے، یا کسی نہج سے ادنی طبقات، اعلیٰ طبقات حیات مین بھی ترقی پذیر ہو سکتے ہین، اقدار، مآلِ حیات، کون و فساد کو چھوڑیئے، ان کا حل تو سائنس خود اپنی استعداد سے باہر تسلیم کرتا ہی ہے، خود سائنس کے اولیات اور مظاہر فطرت کی ماہیت ہمیشہ مابعد الطبیعیات کا موضوع بحث رہا ہے، اور رہے گا، ارسطا طالیس "طبعیات" کے بعد اسی وجہ سے مابعد الطبعیات پر رسائل لکھنے پر مجبور ہوا، کہ مباحثہ حق تشنہ رہا جاتا تھا، سائنس دان کی مثال ایک مکھی کی سی ہے، جو ایک بڑے کرہ پر بیٹھی ہو، اور اپنی حد نظر کی مجبوریون سے کرہ کو ابعادِ ثلاثہ کے بجائے صرف طول و عرض مین محدود سمجھتی ہو، سائنس کی نظر کائناتِ عالم پر ہمیشہ جزئی پڑتی ہے، اور فلسفہ کی ہمہ گیر اور کلی، سائنس کے پاس آخری توجیہ کا آلہ بخت و اتفاق ہے، جب کہ فلسفہ فطرت کے عقدے عقل محض کی روشنی مین حل کرتا ہے، سائنس کی نظر پست ہی، اس معنی کر کہ وہ حیات کو غیر حیّ عناصر کی مدد سے اور شعور کے کرشمون کو بے شعور مادّہ کی مدد سے حل کرنا چاہتا ہے تخلیق کی ہر نئی منزل پر (مثلاً جمادات کے بعد نباتات، نباتات کے بعد حیوانات) جہان عقل توجیہ سے عاجز ہوئی، وہان سائنس نے عناصر کے اتفاقی اجتماع کا عذر تراشا، غور کیجئے، تو سائنس کے "اتفاق" اور مذہب کے "خدا" مین سر مو فرق نہ پایئے گا، اور اگر شمار کیجئے تو بلا مبالغہ سائنس مذہب سے کہین زیادہ معجزات کا قائل نکلے گا،

نشاۃ جدیدہ سے دوسری شکایت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری قوت، فہم انسانی کے سمجھنے

اور حدود بندی مین صرف کر دی ہے جس کا نام بعد الطبیعیات کی اصطلاح مین علیات رکھا گیا ہے، اور موجودیات یا حقیقتِ موجودات کی تفتیش کی جانب جو فلسفۂ قدیم کا خاص مشغلہ تھا، بہت کم اعتنا کیا ہے، مغرب کے فلسفیون نے حقیقتِ علم ہی کے جاننے کو کافی سمجھا، اور حقیقتِ علم ہی کے واسطے سے حقیقتِ اشیا کی سرسری جھلک دیکھنے کی کوشش کی ہے، ڈیکارٹ، لاک، ہیوم، کانٹ وغیرہ فہم انسانی کی حقیقت شناسی کے باہر قدم نکالنا فلسفہ کا گناہ کبیرہ سمجھتے رہے جس کا ایک ناخوشگوار ردِ عمل یہ ہوا کہ سارا فلسفہ نفسیات مین سمٹ کر آگیا، اور نشاۃ جدیدہ کے پرستارون کی ساری سعی اسی بت کے تراشنے اور سنوارنے مین صرف ہوتی رہی، یہان تک کہ زمانہ کی رفتار کے مطابق نفسیات کو سائنس کا درجہ مل گیا، اور دار الاختبار کے بتخانے اس نئے سومنات سے سجائے جانے لگے، چونکہ اس تحقیق کی جڑ خود پرستی مین تھی، اس کی دل فریبیون نے دنیا و مافیہا کو بالکل بھلا دیا، اور انسان، انسان ہی کو پوجنے لگا، غالب کے ہان یہی فلسفہ نغمہ بن گیا :-

گلت را نوا، نرگست را تماشا

تو داری بہارے کہ عالم ندارد

کیرکاگارڈ، ہائی ڈیگر، برگسون اور شیلر کی سرکردگی مین اس تحریک کے خلاف خفیف سا ردِ عمل شروع ہوا تھا، اور موجودیات، کنہ ذات، حقیقت اشیا کی جانب از سر نو توجہ شروع ہوئی تھی، لیکن ذہنی موسم اس قسم کے خیالات کے لئے اس قدر ناساز گار تھا، کہ یہ تحریکین پنپ نہ سکین،

انسان کیا ہے؟ نظام عالم کا ایک عضو، کائناتِ عالم سے الگ اس کا کوئی مفہوم نہین، مگر ہوتا یہ ہے، کہ ادھر ذہن نے سہولتِ فہم کے لئے تجرید خیال کیا، گل سے رنگ اور رنگ سے بو کو جدا کیا، ادھر زبان نے ہر تصور کے نام رکھ دیئے، اب کیا تھا جس طرح لغت مین ایک ایک لفظ الگ ہے، ذہن نے کائنات عالم کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، حقیقت مین گوشت سے ناخن جدا ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو،

لیکن ذہنی تجرید، زبان کی سازش سے ایسے شعبدے ہمہ وقت کرتی رہتی ہے، منطق کا فن جو انسان نے اپنے اس غیر فطری ذہنی مشغلہ میں مدد دینے کے لئے خود ایجاد کیا تھا، حقیقت سے گمراہی کا مزید ذریعہ بن گیا، موضوع و معروض، صفت و موصوف، مبتدا و خبر کی تفریقیں، حقیقت میں محض خیالی ہیں، اس سخت ضرورت ہے کہ مابعد الطبیعیات کے صحیح نظام کی ابتدا، مابعد المنطق کے ایک ایسے نظام کی داغ بیل سے کی جائے، جس کی بنیاد بجائے تحلیل کے ترکیب پر قائم ہو، فی زمانہ تجرید کی نحوست نظریات سے متجاوز ہو کر انسانی اعمال و کردار تک متعدی ہوگئی ہے، موجودہ فلسفۂ اخلاقیات کیا ہے؟ انسانی تعلقات کا پوسٹ مارٹم! خیر و شر، فضائل و رذائل کے نام نہاد تصورات میں اخلاق کی فرضی تقسیم، جزپرستی نشأۃ جدیدہ کی سیرت میں اس قدر رچ بس گئی ہے، کہ ہم نہ صرف کسی شے کے جز کو دیکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس جز پر ذہن کے صرف ایک جز سے نظر کرتے ہیں، اگر ہم ایک طرف کسی شے پر من حیث الکل غور کرنے سے معذور ہیں، تو دوسری طرف ذہن کے من حیث الکل استعمال سے معذور ہیں، نفسیات نے ذہن کا مصنوعی تجزیہ عقل، جذبہ اور ارادہ میں کیا، گویا ذہن الگ الگ خانوں میں تقسیم ہوگیا، جن کو ایک دوسرے سے واسطہ ہی نہیں، کبھی عقل کی طرف جھکے تو اس قدر غلو کیا، کہ اہل و عیال گویا اقلیدس کی شکلیں بن گئیں، کبھی جذبات سے مغلوب ہوئے تو پردۂ ناموس تار تار کر دیا، کبھی ارادہ کا بھوت سوار ہوا تو خودکشی کرنے میں بھی تامل نہ ہوا، آخر الذکر قنوطیت کا علمبردار، دشمن اسلام فلسفی (شوپن ہاؤر) جس کی عصبیت بلا دلیل قرآن کو (نعوذ باللہ) فاسقانہ کتاب کہنے میں تامل نہیں کرتی، اپنے مہمل نظام خیال کو تکرار دوام کے بل پر ہم سے منوانا چاہتا ہے، غرضکہ جہان دیکھئے، یک رخی، جز پرستی، تصویر کا ایک رخ سامنے ہے؛

از خلش کرشمۂ کار نمی شود تمام

عقل و دل و نگاہ را جلوۂ جدا جدا طلب

یہ جز پرستی تین طرح کی ہے (۱) جزو شے پر جزو ذہن کا عمل (۲) کل شے پر جزو ذہن کا عمل،

(۳) جزو شئے پر کل ذہن کا عمل حقیقت شناسی کی شاہراہ ایک اور صرف ایک ہی، اور وہ یہ کہ کل معروض پر کل موضوع کا عمل ہو، اور کل شے سے کل ذہن کا رابطہ قائم ہو، صحیح مابعد الطبیعیات کا موضوع بحث بھی کلی عمل ہے، جس مین مروجہ منطق اور سائنس بجائے معین ہونے کے مخل اور سد راہ ہوتی ہین، اور ایک ایسے مابعد المنطق نظام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو موضوع و محمول، علت و معلول تصور و تصدیق قیاس و استقرا، حکم و استدلال کے مصنوعی تفرقے مٹا کر عقل کے واحد اور قدرتی عمل کی آئینہ دار ہو، علت و معلول ہی کے مغالطہ کو لیجئے انسان کی جز پرست پندار کے مطابق علت گویا ایک فاعل مطلق اور معلول ایک مفعول محض ہے، جو علت کے پیچھے مین گویا بالکل مجبور ہے لیکن اس مسئلہ پر ذرا ایک کلی اور ہمہ گیر نظر ڈالئے، تلوار کی دھار ممکن ہے کہ انسان کی گردن کے اندر سے تارِ نظر کی طرح گذر جائے لیکن ذرا سنگِ خارہ پر وار کر کے آزمائے تو حقیقت میں دوسرا رُخ خود بخود بے نقاب ہو جائے گا، عرف عام مین جس طرح دو ہاتھون کے بغیر تالی نہین بجتی، عالم اسباب کی گہرائیون مین نظر دوڑائیے تو دکھئے گا کہ علت بغیر اپنے معلول کی معاونت کے بے اثر اور بے عمل ہے، ذرا غور کیجئے کیا یہ تعاون تعلیل کی ایک دوسری شکل نہین تو کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر علت و معلول کی تفریق کیسی؟ منطق کی اصطلاح مین اس قضیہ کی تحلیل کہ "انسان ناطق" ہے، یہ ہوتی ہے، کہ "انسان" موضوع اور "ناطق" محمول ہے لیکن کیا فی الواقع نطق، انسان سے کوئی علحدہ وجود رکھتا ہے، نیوٹن کی مطلقیت کا رد عمل آئنسٹائن کی اضافیت مین ظہور پذیر ہوا، لیکن مضاف اور مضاف الیہ کو چھوڑ کر ان کی درمیانی اضافت کو حقیقت سمجھنا ذہنی تجرید کی شعبدہ بازی ہے، جو بسا اوقات ایک ہی شے کے اندر اول مضاف و مضاف الیہ قرار دیتی ہو اور پھر ان کی باہمی اضافت کی جداگانہ صورت گری کرتی ہو، حالانکہ اضافت کا کہین مضاف سے علحدہ وجود ہو؟ تجرید کی حماقت، موسیقی، یا کسی آرٹ کی صنعت گری کے مقابلہ مین بخوبی ظاہر ہوتی ہے جہان کلی صنعت سے کسی جزو کا ایک آن کے لئے جدا کرنا، اس کی حقیقت کو فنا کر دینا ہے، "جہان چار سو"

انفس وآفاق سے بڑھکر کون صنعت ہوگی، اور یہ صنعت عالیہ تجرید وتحلیل کا کب تاب لاسکتی ہے، اس کی حقیقت ایک ایسی وسیع النظری کی طالب ہے، جو کل پر محیط ہو، جو لوگ افلاطون کے اعیان نامشہود کو تصورات کا مرادف سمجھتے ہین سخت غلطی کرتے ہین، اصل مین تصور ہمارے تجربہ سے ماخوذ چیز کا نام ہے، ہم ایک مخصوص رنگ و بو اور شکل کا احساس کرتے ہین، جس کا علم گلاب کے ادراک کی شکل مین رونما ہوتا ہے، پھر ہم لالہ و نسرین یا ونسترن کا اسی طرح ادراک کرتے ہین، اور اس طرح "پھول" کے عام تصور تک پہنچتے ہین، یہ تجرید کا عمل ہے، اس لئے کہ عام پھول کا کائنات مین کہین وجود نہین، لیکن ادراک کے ساتھ کسی شے کی عین ذات کو تاڑ لینے والی نگاہ بھی ہمارے اندر ودیعت ہے، جو حقیقۃً ہمارے نفس کا انتہائی کمال علم ہے، اور جس کے سامنے اعیان غیر مشہود اسی طرح مشہودات حقیقی ہین جس طرح مظاہر فطرت جن کو ہمارے حواس محسوس کرتے ہین، اعیان شناسی کی اس قوت کو وجدان کہئے، نظر حقیقت کہئے، عقل اعلیٰ کہئے، یہ وہ قوت ہے جو اعیان کا براہ راست اسی طرح علم حاصل کرتی ہے جس طرح قوت مدرکہ مدرکات کا، اعیان تصورات مجردہ نہین، بلکہ مدرکات کے قبل کی ایک شے ہے، جن کو ہم قوت مدرکہ سے نہین، بلکہ وجدان کی قوت سے اپنے سامنے پاتے ہین، یہ وہ منزل ہے، کہ الفاظ بیان کی مساعدت نہین کرتے، اور نطق خیال کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے،

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد   یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

اس کی ذرا سی جھلک دیکھنا ہو تو تصور کیجئے کہ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہین، آفتاب دن بھر کی ضیا پاشی سے تھک کر افق کے پردہ کے اندر جا چکا ہے، دھندلکا ہو چلا ہے، آپ ایسے مقام پر کھڑے ہین، کہ باد تند کا ایک تھپیڑا آپ کو ہزاروں فٹ نیچے گرا سکتا ہے، پہاڑی کے نیچے ایک وسیع جھیل کے شفاف اور ساکن پانی مین کنارہ کے درختون کا عکس پڑ رہا ہے، ہر طرف سکوت کا عالم ہے، سوائے قلب کی حرکت کے جس کو آپ اس وقت بخوبی سن سکتے ہین، ہر پتہ خاموش اور ہر ذرہ

ضربہ لب ہے، اس کیفیت کی اگر آپ نفسیاتی تحلیل کرین تو شاید کہین گے، کہ آپ پر خوف و ہراس رقت و محویت سے ملی جلی ایک حالت طاری ہے، اور اس وقت آپ صحیح معنی مین روح مظاہر یا مین نامشہود کا مشاہدہ کر رہے ہین؛ جو روزمرہ کی زندگی کے مدرکات مین مفقود ہوتا ہے، خوف و ہراس کی انقباضی کیفیت جسے درد دل کہیئے یا کسی اور نام سے تعبیر کیجیئے، اصل مین علم کی کنجی ہے، کان آنکھ ہم سب کے ہین، مگر ان کے "ہونے" کا احساس اسی وقت ہوتا ہے، جب ان مین درد ہو، ورنہ کبھی بھولے سے بھی ان کا خیال نہین آتا، یہی درد و الم شعور کی جان ہے، اور اگر موت واقعی حیات انسانی کا سب سے زیادہ المناک واقعہ ہے تو شاید اسی مناسبت سے علم حقیقی کا دسیع باب علم بھی ہو، معمولی زندگی مین یہی انقباض تشکک کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو ہر علم کا پیشرو ہے، اور بیان و اظہار کی صورت مین یہی تشکک سوالات کا جامہ پہن لیتے ہین، جن کا جواب علم ہوتا ہے، سقراط جو ایک دایہ کا لڑکا تھا، کہا کرتا تھا کہ "مین نے فن سوال اپنی ماں سے سیکھا ہے، جس طرح وہ حاملہ عورتون کو وضع حمل مین مدد کرتی تھی، مین انسانون کے دماغ کو خیالات کے حمل سے ہلکا کرتا ہون"، فلسفہ کی تاریخ مین یہ طریق سوال طریق سقراطی کے نام سے مشہور ہے، منطق کی تدوین مین صدیان صرف ہوگئین، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، ذہن کے تجریدی عمل نے اب منطق کو الجبرا بنا دیا ہے، جس مین خیالات کے بجائے علامتین اختیار کر لی جاتی ہین، اور پورا سلسلۂ فکر علامتون مین تحویل کر دیا جاتا ہے، لیکن تفتیش کا صحیح راستہ یعنی سوال کی ٹکنک کی دریافت و تدوین کی جانب کسی نے اعتنا نہین کیا، حالانکہ یہ تفتیش حق کا سہل ترین اور فطری طریقہ ہے، اور اس کے قواعد و ضوابط منطق کی شکل اس طرح بنائے جا سکتے کہ انسان اپنے نفس سے صحیح سوال کرنا اور صحیح جواب حاصل کرنا سیکھ سکے، سوال و جواب اضافی تصورات ہین، جن کا خاصہ یہ ہے کہ ایک کے ذہن مین آنے کے ساتھ دوسرا خود بخود ذہن مین خطور کرتا ہے، اس لئے کہ دیگر مضاف و مضاف الیہ کے تصورات کی طرح سوال و جواب کی تفریق بھی ذہن کے بر خود غلط

تحلیل و تجرید کے عمل نے مصنوعی طور پر کردی ہے، اصل مین دونون ایک ہین، صرف روے سخن کا فرق ہوتا ہے، استفسار مین حقیقت کا مستفسر رخ سامنے ہوتا ہے، جو جواب کی شکل مین علم کا دوسرا نام ہے،

راقم الحروف نے اپنی طالب العلمی کے زمانہ مین ماہیت استفسار پر کافی مواد جمع کیا تھا، اور اس موضوع پر ایک مبسوط رسالہ لکھنے کا قصد تھا، اس باب مین اپنے ہم عصر وہم مذاق طلبہ سے تبادلۂ خیالات کیا تو انھون نے خوب مضحکہ اڑایا، اور مجھے "مفتش" "مستفسر" اور شاید "سائل" کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا، جس کا ردعمل ایک طرف تو یہ ہوا کہ مین اپنے معترضین کو جواب دینے کے لئے مزید مواد جمع کرنے مین مشغول ہوگیا، لیکن دوسری طرف یہ ہوا کہ اس کو شائع کرنے کی ہمت نہین ہوئی یہان تک کہ سارا مواد ملازمت کے تبادلون کے دستبرد کے نذر ہوگیا،

بادی النظر مین کائنات عالم کی بساط، اسباب و نتائج کا جارخانہ نظر آتی ہے لیکن اس کے تار و پود کو ذرا غور سے دیکھئے تو ہر مقام پر غرض و غایت کی آمیزش نظر آئے گی، اگر فطرت کے ہر منظر کے پہلے ایک سبب نظر آئے گا، تو اس کے بعد ایک غایت بھی رونما ہوگی، اور فہم انسانی حیران ہوگی، کہ حقیقی لم کس کو کہا جائے، اسباب ماسبق کو یا غایات مابعد کو، ارتقاے فطرت پر کلی نظر ڈالئے جس کو سائنس کے مقابلہ مین مابعد الطبیعیاتی نظر کہنا بجا نہ ہوگا، تو معلوم ہوگا کہ وہ سرتاپا اغراض و مقاصد سے مرکب ہے، اور نظام عالم مین اسباب کی حیثیت، ذرائع و وسائط سے زائد نہین، جن کو مشیت، گویا اپنے حسب منشا نتائج اخذ کرنے کے لئے اختیار و انتخاب کرتی ہے، ہر عمل کے آگے ایک غایت ہوتی ہے، اور اسباب و ذرائع کو چن چن کر اس طرح رکھتی جاتی ہے کہ ان کے اجتماع سے اعمال مقصودہ ظہور پذیر ہوتے جاتے ہین،

اس نظریہ کے سامنے میکانکی تصورحیات جو مظاہر فطرت کو اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ، ماضی مین دور تک پھیلا ہوا تصور کرتا ہے، ایک جسم بے روح نظر آتا ہے لیکن یہان ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعات کی رفتار ماضی سے حال مین ہو کر مستقبل کی طرف ہے، جیسا کہ میکانکی تصور فرض

کرتا ہی یا یہ دھوکا ہے، اور حقیقت مین واقعات کی رفتار کا رُخ مستقبل سے حال مین ہو کر ماضی کی جانب ہے،
اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم وقت کی ماہیت کی بحث کے ساتھ غور کرین گے' اس لئے کہ یہ سوال
دراصل وقت کے متعلق ہے کہ اس کی رفتار ماضی سے مستقبل کی جانب یا مستقبل سے ماضی کی جانب ہے، چلتی
ٹرین مین درخت پیچھے بھاگتے نظر آتے ہین، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، اگر درختون کی جگہ ہم
وقت کو اور ٹرین کی جگہ، محوری و مدوری گردش مین مشغول زمین کو تصور کر لین تو وقت کے متعلق
بھی متداول تصورات فی الجملہ مشکوک نظر آنے لگین گے،

لیکن یہان تک ہم نے کل عالم پر اپنے ذہن کے صرف دو پہلوون سے نظر کی، خالی فہم سے
کام لیا، تو کائناتِ عالم محض عالم اسباب نظر آیا، اگر ارادہ کو زاویہ نگاہ بنایا تو عالم اسباب کے پہلو بہ پہلو ایک
قصرِ امل تعمیر ہو گیا اور اغراض وغایات کی دوسری دنیا آباد نظر آنے لگی' ان دونون پر جذبات کا اور اضافہ
کیا، اور جذبات کے نقطۂ نگاہ سے عالم پر نظر ڈالی تو اس عالم رنگ و بو کی حقیقت کا دوسرا رُخ بے نقاب
ہوا، وہ یہ کہ اس تمام ہنگامۂ ایجاد کی رونق نغمۂ شادی سے نہین، بلکہ نوحۂ غم کے دم سے ہے، تخم اپنے
کو فنا کر کے برگ و بار لاتا ہے، پیدائش کے ہر منظر کا پیش خیمہ کرب و الم ہے، اور بقا کے ہر نہال کی آبیاری
خون سے ہوتی ہے، خواہ یہ حیات انفرادی ہو، یا حیات ملی، فطرت انھی قربانیون کی آئینہ دار، تاریخ
ان ہی قربانیون کا افسانہ اور انسانی زندگی انھی قربانیون کا مرقع ہے،

آیندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است
یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

حیات کی طرح موت بھی ایک مسلسل خط ہے، جس کا آغاز حیات کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے،
اور وہ جس کو عرف عام مین موت کہتے ہین اسی خط کا آخر نقطہ ہے، زندگی کا ہر وہ لمحہ جو گذر گیا
موت کے خط کا گذشتہ نقطہ تھا، اور بہ ظاہر یہ امر کتنا ہی مستبعد نظر آئے،

واقعہ شاید یہی ہے، کہ جینے کے ساتھ ہی ہم مرنے بھی لگتے ہین، ہر حرکت کی ماہیت ان جذبی پہلو الم و انقباض ہے اور انبساط و لذت، عدم انقباض و الم کا نام ہے، فطرت کا خمیر درد و غم ہی سے ہے، جو کہین غمِ دل کہین غمِ روزگار بن جاتا ہے،

مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولی برقِ خرمن کا ہی خونِ گرم دہقان کا

اس جہانِ آرزو مین ایک آرزو پوری ہونے نہین پاتی، کہ اس کی جگہ دوسری آرزو لے لیتی ہی، ایک آرزو کی پیروی، ایک مقصد کے حصول کی آس مین جو وقت صرف ہوا، وہ بے چینی مین گذرا، اور یا تو بالآخر داغ نامرادی کھایا، یا اگر مقصد پورا ہوا، اور درد مین چند لمحہ سکون ہوا تو اس لئے کہ دوسرے مقصد کی لگن شروع ہو، غرضکہ ساری تقویم حیات اقبال کی زبان مین "تب و تاب جاودانہ" ہی رہی، ایک طائر کس جانفشانی سے اپنے آشیانہ کے لئے تنکے چنتا ہے، کس ایثار کے ساتھ اپنے بچون کی پرورش کرتا ہے، اور یہ سب اس لئے کہ یہ تمام صیاد کے دستِ جفا سے تحس نحس ہو، اگر زندہ بچے تو پھر وہی وظیفہ مشقت، وہی دورابتلاءِ محن، وہی خس چینی اور پھر انجام مین وہی بربادی، اگر بچون نے پر و بال نکالے اور خود اپنے پیرون پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تو ان کا مقسوم بھی اسی دائرۂ رنج و محن کی گردش قرار پایا، دیگر حیوانات کی حیات پر نظر ڈالئے تو اُن کی زندگی بھی بہ شکل دیگر اسی افسانۂ غم کا اعادہ ہے، انسانی حیات مین چونکہ شعور، ادراک، تخیل، اور حافظہ ارتقاء کے اعلی مدارج پر پہنچا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے درد و الم کا دائرہ بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، چنانچہ انسان حیوان کی طرح جسمانی تکلیف ہی سے متاثر نہین ہوتا، بلکہ اس کا حافظہ گذرے ہوئے غمون کو یاد دلا کر رولاتا، اور اس کا تخیل آیندہ مصیبتون کے خوف سے اُسے بے چین رکھتا ہے، ہر جسمانی حرکت یا ذہنی فعل محنت خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے، ہمیشہ مستلزم الم ہے، جس کو ہر شخص اپنے تجربہ سے محسوس کر سکتا ہے اور

اس حقیقت سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ حیات انسانی کا ہر لمحہ الم سے توام ہے، زمان کی نظری حقیقت کچھ ہو لیکن اس کی تجربی حقیقت الم ہی ہے، جس کو ہم ہمہ وقت محسوس کرنے کے لئے مجبور ہین، ہنگامی احساس لذت کوئی ایجابی جذبہ نہین، بلکہ فقدانِ الم ہی کا دوسرا نام ہے، اس لئے اس کی ماہیت سلبی ہے، ایجابی نہین، ایجابی شے الم اور صرف الم ہے، لذیذ کھانون کا لطف خود کھانون کے اندر نہین، بلکہ الم کی اس صورت سے وابستہ ہے، جسے ہم بھوک کہتے ہین، اصل حقیقت بھوک ہے، سیری بھوک کا سلبی پہلو ہے،

غرضکہ کائنات عالم پر جس طرف چاہے نظر ڈالئے قربانی و ایثار، درد و الم، حزن و ملال، تاًلِ حیات کے اجزائے ترکیبی نظر آئین گے، اگر ہم ہر قدر کے آگے دوسرے فاضل تر قدر رکھتے جائین، تو بالآخر ہمارا سلسلہ تین اعلیٰ قدرون پر ختم ہوگا، یعنی حق، خیر، حسن، جو علی الترتیب منطق، اخلاقیات اور جمالیات کا موضوع بحث ہین، اور نفس انسانی کی سہ گونہ قوتون یعنی علم، عمل اور جذبات کے مطابق و متقابل ہین، لیکن اس تثلیث کی توحید کی جائے، تو حق، خیر، اور حُسن تاًل حیات ہی کے تین جداگانہ پہلو ہین، اور جو اپنی آخری تحلیل مین الم ہے، تحقیق حق، انقباض تشکک یا دردِ شعور کا دوسرا نام ہے، ایثار، عمل خیر کی جان ہے، اور حسن کی قدر، ہجر و فراق کے دم سے ہے،

(باقی)

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن پندرہ فی صدی، اور دوسری مطبوعات پر بیس فی صدی کردیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

فتاوی عالمگیری

کے

دوسندھی مولفین اوران کے اجداد

از

جناب سید حسام الدین صاحب راشدی السندی

دسمبر ۱۹۴۶ء اور جنوری ۱۹۴۷ء کے معارف مین "فتاوی عالمگیری اوراس کے مولفین" کے عنوان سے جومضمون شائع ہوا ہے اس مین سندھ کے دو بزرگون سید نظام الدین ٹھٹھوی اور قاضی ابوالخیر ٹھٹوی کے نام بھی لئے گئے ہین، جن کو فتاوی عالمگیری کے مولفین مین شمولیت کا شرف حاصل ہی،

صاحب مضمون نے ان دونون حضرات کے سلسلہ مین تذکرۂ علماے ہند مصنفہ مولانا رحمان علی کو اپنا ماخذ بنایا ہے، جس مین دو سطرون سے زیادہ اُن کے سوانح حیات موجود نہین، ذیل مین ان دونون بزرگون کے متعلق مزید معلومات پیش ہین،

(۱) سید نظام الدین ٹھٹھوی

نسب | سید صاحب کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے :-

سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید نظام الدین اول بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف سید جادم اول بن قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن سید امیر نسیم الدین محمد المعروف بہ میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین

المحدث بن سید فضل اللہ بن سید میر عبد الرحمٰن بن سید عبد اللطیف الحسینی الاسنکی الشیرازی،

وطن | اُن کے اجداد شیراز مین رہتے تھے، بعد مین ہرات مین رہنے لگے، جہان سے قاضی سید شکر اللہ -

اوّل بن سید وجیہ الدین ۹۰۶ھ مین قندھار تشریف لائے،

سندھ مین آمد | قاضی سید شکر اللہ قندھار مین ۲۰ برس تک رہے، اس کے بعد مرزا شاہ بیگ ارغون

کے ایما سے بسلسلۂ تجارت ۹۲۷ھ مین سندھ آئے، اور ٹھٹھہ مین سکونت اختیار کر لی، وہ صاحب علم

وفضل ہونے کے علاوہ بڑے متقی اور دیندار تھے، مرزا شاہ بیگ کے بعد جب مرزا شاہ حسن ارغون سریر آرائے

سلطنت ہوا اس وقت قاضی صاحب کو ٹھٹھہ کی مسند قضا پر فائز کیا گیا،

ایک دفعہ شاہ حسن نے چند تاجرون سے کچھ گھوڑے خرید کئے، اور قیمت دینے مین جان بوجھ کر

اتنا تساہل کیا کہ تاجر مایوس ہو کر قاضی سید شکر اللہ کی عدالت مین دعویدار ہوے، قاضی نے بادشاہ

کو بحیثیت مدعا علیہ کے عدالت مین طلب کیا، اور جب وہ آیا، تو اس کو مدعیون کے مقابل بیٹھنے کا اشارہ

کیا، دعوے کی مسل پیش ہوئی، بادشاہ نے دعوے کی صحت کا اقرار کیا، اور مدعیون کو رقم دے کر

راضی کر لیا، اس کے بعد قاضی موصوف مسند سے اُٹھے اور آگے بڑھکر آداب سلطنت بجا لائے، اور بادشاہ

کو اپنی مسند پر لاکر بٹھایا، مرزا شاہ حسن نے اپنی قبا مین چھپائی ہوئی ننگی تلوار نکال کر قاضی صاحب کے سامنے

رکھدی اور کہا کہ اگر آج آپ فیصلے سے پہلے آداب سلطنت کو بجالاتے، اور میرے درجے کو ملحوظ رکھکر مجھے

مدعیون کے ساتھ نہ بٹھاتے تو اس تلوار سے آپ کا سر قلم کر دیتا، کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب نے استعفا

دیدیا، اور شاہ حسن نے محمد اوچی کو بلاکر اُن کی جگہ مقرر کیا، جن کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ

"قاضی شیخ محمد اُچہ منسوب بآل جعفر از مشاہیر علمائے زمانہ است نخست از ہرات بہ اُچہ رسیدہ بود،

در عہد جام نظام الدین چون سید میران محمد مہدی جونپوری وارد ٹھٹھہ گردیدہ وعلمائے زمان بر

نسبت تکفیر بستند، نام بردہ کہ معنی رسے داشت و مقامات اہلِ حال مطلع بود محبت اہلِ ظاہر را

دستگیر آن ولی اکمل بود، ایلق رو نمود، سید میران بحالش متوجہ گردیدہ دعاے بالش بزرگی و دوام آثار سترگی باولادش کرد، ازآنست کہ خاندان آن بزرگ بوجہ حوادث ستے ہرگز انقلاب نمذ نمی شود، بالجملہ قاضی معز اللہ بعد ہجرت اوچہ و ملتان بکھر متوطن گردیدہ، بنا بر کثرت شہرت منسوب با چہ ماندہ، وقتیکہ قاضی سید شکر اللہ شیرازی استعفار خدمت قضا ٹھٹھہ چنانچہ سبق ذکر یافتہ، درخواست مرزا شاہ حسن حسب تجویز قاضی میر مذکور کہ در وطن قدیم ہرات ہم از اسلاف رابطۂ خاص داشتہ و باحیاء آن رابطہ اینجا نیز قرب مقابہ و پیوند صورت یاب گردیدہ دیرا طلبیدہ بآن منصب جلیل القدر مخص فرمود، بہ برکت قدم تجانفش و دعاے میران سید مہدی جونپوری آن منصب بتوارث وقف اولادش است، در ابتداے حکومت میرزا عیسیٰ ترخان بجل حیاتش در نوردیدہ شد، دو پسر والا گہر ازو مخلف ماندند۔"

اس کے بعد آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے[۵۱]

اجداد | سید شکر اللہ نے ٹھٹھہ کے ایک انصاری خاندان سے شادی کی، جس سے سید ظہیر الدین پیدا ہوئے، سید ظہیر الدین کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام رقمطراز ہے کہ۔۔

"قائم مقام پدر بزرگوار گردیدہ، فضیلت و حکمت نیک اندوختہ، ظاہرش بہ تقوی و تشرع و تدریس و باطن بہ سلوک راہ فقر و سبیل سنت اجداد مصروف بود"[۵۲]

تاریخ ظاہری کا مصنف ان کو اس طرح یاد کرتا ہے :۔

"گوہر بحر عزت و سیادت، در معدن بلاغت و فصاحت، جامع العلوم موشگاف معانی میر ظہیر الدین"[۵۳]

آپکے دو فرزند ہوئے ایک سید شکر اللہ ثانی، دوسرے سید عبدالرحمن، سید شکر اللہ کے متعلق

---

[۵۱] تحفۃ الکرام قلمی ص ۱۱۵، [۵۲] ص ۵۴۳ [۵۳] ظاہری قلمی ص ۱۱،

تحفۃ الکرام مین ہے :-

"باوصف جد و پدر متصف بر آمدہ نا مدار روزگار زیست"

انھون نے ایک مسجد بھی بطور یادگار اپنے محلہ مین بنوائی، اُن کے چار بیٹے ہوئے، سید محمد حسن، سید نور محمد، میر سید ظہیر الدین جادم ثانی، سید لطف اللہ، سید نور محمد کے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہی کہ

"در وقتِ خود مظہر اتم علم و عرفان و مرجع اکمل دین و ایقان زیستہ"،

ایک فرزند ہوا سید نظام الدین اول جو کہ بقول تحفۃ الکرام :-

"در مناظم فضل و کمال، او فق اہل حال و قال گذشتہ"

ان کے چار بیٹے ہوے، سید نعمت اللہ، سید نور محمد ثانی، سید فضل اللہ اور سید محمد شفیع،

سید نظام الدین ثانی | سید نور محمد ثانی کے دو فرزند ہوئے، سید ابو القاسم اور سید نظام الدین ثانی یہی سید نظام الدین ثانی فتاوی عالمگیری کے مولفین مین سے ہین، میر علی شیر قانع ان کے متعلق لکھتے ہین کہ

"سید نظام الدین ثانی در فقہ او فق انام در علوم اعلم کرام بر آمدہ بجذبہ طبع گرائیدہ، سوے جہان آباد شدہ، در فتاوی عالمگیری بساشغل کل سائر علما کردہ، از نظر بادشاہ بگذشت و استدعاے منصب کردہ، بادشاہ مطابق ضابطہ کہ اہل فضل را باسم نوکری نخواندی ازان آبا فرمودہ تکلیف قبول معاش نمودہ سید رضا نہ دادہ عن قریب آنجا سفر آخرت گزید"[1]

آپ کی اولاد | ان کے دو فرزند ہوئے، ایک سید عرب شاہ دوسرے سید احمد سید عرب شاہ آخری زمانے مین مجذوب ہوگئے، اور کوئی اولاد نہین چھوڑی، سید احمد کے ایک بیٹا سید عطار اللہ ہوا جس نے شادی کی اور صاحبِ اولاد بھی ہوا، لیکن عین جوانی مین یہ بھی مجذوب ہوگئے،

اجداد | ان کے اجداد مین امیر نسیم الدین اور عطاء اللہ جمال الدین نیز اُن کے عم بزرگوار میر اصیل الدین

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی صفحہ ۵۴۳،

کا تذکرہ قاضی نور اللہ شوستری نے حبیب السیر کے حوالہ سے مجالس المومنین میں کیا ہے، نیز روضۃ الصفا اور ہفت اقلیم وغیرہ میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے، صاحب تحفۃ الکرام نے دوسری جلد میں انہی حوالوں سے ان کے حالات بیان کئے ہیں،

(۱) امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المحدث الاسکنی الشیرازی سید نظام الدین ثانی کے بانہوں جد ہیں، ان کے متعلق تحفۃ الکرام میں مرقوم ہے کہ

"عم گرامی صرف تتبع وحفظ اقوال و افعال ہدایت مال نمودہ، فنون عقلیہ را از علوم شرعیہ حلۂ ترتیب و تدوین پوشانیدہ، جواہر و لآلی، حدیث مصطفویہ را با نامل تنقیح در سلک انتظام داد، وصحاح وحسان سخنان عالمگیرش، تحفۃ الاحباء، وریاض السیر وروضۃ الاحباب است"[۵۱]

حبیب السیر کے حوالہ سے آگے چل کر لکھتا ہے، کہ

"آنحضرت مانند عم بزرگوار امیر اصیل الدین در علم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ، در سائر علوم دینیہ و یقینیہ از محدثان باستحقاق درگذشتہ، شاگرد عم خود است، چند سال در مدرسۂ شریفیہ سلطانیہ در گنبدے کہ در دو مقبرہ حضرت خاقان منصور است، و در خانقاہے خلاصیہ بدرس و افادہ اشتغال داشتہ در ہفتہ یک نوبت در جامع ہرات بوعظ پرداختی، سلاطین و حکام حد تمشی واجب دانستندی"[۵۲]

ہفت اقلیم میں امین رازی لکھتے ہیں کہ

"برادر زادہ سید اصیل الدین عبد اللہ است دی در عصر خود ملاذ طوائف اکابر و اشراف انام بودہ، لوح ضمیر تنویرش مطرح اشعۂ انوار اسرار کتب الٰہی و صحیفۂ مہر خاطر عالی، ماثرش مہبط لوامع حقائق اخبار حضرت رسالت پناہے است"

---

۵۱ تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی، ص ۔ ۵۲ تحفۃ الکرام جلد دوم ص ،

زبانش مظہر اسرار تحقیق ضمیرش مظہر انوار توفیق

جمال دین مزین از اہتمامش علوم شرع واضح از کلامش

از مولفات فصاحت صفاتش روضۃ الاحباب در اقطار آفاق اشتہار دارد"[۵۱]

(۲) امیر نسیم الدین، امیر جمال الدین کے بیٹے اور سید نظام الدین کی گیارہویں پشت مین جد تھے، اُن کے لئے تحفۃ الکرام مین ہے، کہ

"در تکمیل علوم سیما حدیث یگانہ زمانہ بود، موجب تعیین سلطان در مقبرہ مذکور قائم مقام پدر بزرگوار بود، خلف رشیدش سید عرب شاہ بجاے آبا نیک جا گرم کردہ، بعد از و پسرش سید نعمت اللہ با وصاف آبا متصف زیستہ، از و سید وجیہ الدین یادگار و قائم مقام ماندہ فرزند رشیدش قاضی سید شکر اللہ کہ در مجلد ثالث میان احوال ٹھٹھ مذکور گردد"[۵۲]

یہی قاضی سید شکر اللہ شیرازی تھے، جو ۹۰۶ھ مین ہرات سے قندھار آئے، اور ۹۲۷ھ مین قندھار سے سندھ مین تشریف لائے،

۳- امیر جمال الدین عطاء اللہ کے عم بزرگوار السید الجلیل امیر اصیل الدین عبداللہ الحسینی الاسکی الشیرازی کے سلسلے مین تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در علم تفسیر و حدیث وانشاء و تالیف شبیہ و نظیر نداشت، در زمان سلطان ابو سعید از شیراز بہ ہرات تشریف آوردہ ہر ہفتہ یک نوبت در مدرسہ مہد علیا گوہر شاد آغا بوعظ خلق می پرداخت، در ماہ ربیع الاول بر بیان میلاد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت نمودہ از مولفاتش شرح درج الدرر بر سیر سنیہ خیر البشر و رسالہ مزارات ہرات مشہور ہفدہم ربیع الآخر سنہ ثلث و ثمانمایۃ وفات کردہ، دو گوہر نامدار مانند صفی الدین محمد و برہان الدین محمد"[۵۳]

---

[۵۱] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۶۱ [۵۲] تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی ص ۷ [۵۳] ایضاً ص ۷۰،

صاحب موصوف ہی کے متعلق صاحب ہفت اقلیم لکھتے ہیں کہ

"بصفت اصالت و وفور جلالت موصوف و معروف بودہ، در علم حدیث و تفسیر شبیہ و نظیر نداشتہ، در زمان سلطان ابوسعید از شیراز بہ ہرات تشریف بردہ اقامت فرمودہ و باشارۂ آن بادشاہ ہفتہ یک نوبت زبان بوعظ و نصائح می کشود، از مولفاتش کتاب افادت اثر، درج الدرر کہ محتوی است بہ سیر سینۂ خیر البشر و رسالۂ مزارات ہرات بین الجمہور مشہور است[۵۱]"

اس خانوادہ کے اور بھی چند حضرات کا تذکرہ ہفت اقلیم اور تحفۃ الکرام میں آیا ہے، میر اصیل الدین کے ابن عم سید الحکماء المدققین امیر صدر الدین محمد الشیرازی کے متعلق ہفت اقلیم میں آیا ہے کہ

"بجودت طبع و دقت ذہن از جمیع علماء متبحرین و فضلاء متاخرین ممتاز و مستثنی بودہ چہ در اندک زمانے از شغل استفادہ فراغت حاصل کردہ آغاز درس و افادہ فرمود، بعد از آن ہمت بر تالیف و تصنیف گماشت رسالہ تحقیق علم و اثبات واجب حاشیہ شمسیہ و مطالع و حاشیہ تجرید را در سلک تحریر کشید، وفاتش بعد از فوت سلطان یعقوب در اندک زمانے اتفاق داد[۵۲]"

تحفۃ الکرام بھی تقریباً انہی الفاظ میں رقمطراز ہے[۵۳]

امیر صدر الدین کے فرزند خاتم الحکماء غوث العلماء امیر غیاث الدین منصور شیرازی کے لئے ہفت اقلیم لکھتا ہے کہ

"پسر و آن قمر و ثمر آن شجر است، بعد از پدر بہ دفور علم و دانش بر وسادہ فضیلت تکیہ زدہ صیت مہارتش در علوم حکمی و ریاضی بمسامع علماء نزدیک و دور رسید و صداے دانشش

---

۵۱ ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۱۷۱ ۔ ۵۲ ایضاً ص ۵۹ ۔ ۵۳ تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۷۱

باطراف واکناف آفاق اُفتاده بین الجمہور مشہور گردید"

وصف خورشید از نگوید ہوشمند

فیض نور او بود مدحش پسند

چون فضلائے دانا سال البشر و عقل حادی عشر خوانده اند، ہرآئینہ تاریخ فوتش را مولانا علی حسن یس ضرار

عقل حادی عشر نماند بجا یافته[۵۱]"

تحفۃ الکرام مین اس سے زیادہ تفصیل ہے،

" ولادتش تسعمائیہ در خدمت پدر بزرگوار امیر صدرالدین محمد مذکور تحصیل علوم نموده، در چہارده سالگی داعیہ مناظره علامہ دوانی در خود یافته وسائل جست، در بیست سالگی از ضبط جمیع علوم فارغ گردیده، مدتے منصب صدارت بادشاہی مغفور بوے متعلق بود، در مرتبہ ثانی کہ مجتہد الزمانی شیخ علی بن عبدالعالی از عراق عرب متوجہ پایہ سریر خلافت شد، بعضے مفسدان نقار بمیان آورده تا مباحثہ علی ممہد گردید و بخشونت انجامید، بادشاه حمایت مجتہد الزمانی کرده میر بر نجیدند و بعد روزے چند از منصب صدارت استعفا نموده جانب شیراز شدند، و در سنہ ثمان واربعین و تسعمائیہ فوت یافته[۵۲]"

تحفۃ الکرام مین حبیب السیر کے حوالے سے اُن کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے :-

" صاحب حبیب السیر گفته کہ از مصنفاتش انچہ بہ نظر رسیده، کتاب حجۃ الکلام ہست در آنجا متوجہ اقاویل حجۃ الاسلام غزالی شده، دیگر کتاب محکمات میان تحریر ین ملین وال خود

---

[۵۱] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۵۹، و ۲۶۰

[۵۲] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۲۲

میر صدرالدین محمد و ملا جلال الدین محمد دوانی و حواشی ایشان بر شرح تجرید مطالع، دیگر محاکمات میان ایشان در حواشی اوائل شرح مختصر اصول عضدی، دیگر شرح بر کتاب هیاکل انوار، دیگر شرح بر رسالہ اثبات واجب پدر خود، و کتاب تعدیل المیزان بر منطق کہ خلاصہ منطق شفا است با سوانح طبع نقاد ایشان و کتاب معیار الافکار خلاصہ تعدیل المیزان و کتاب لوامع و معارج در علم هیأت کہ در محاذات کتاب تحفۂ شاہی است، و آنرا در هفده سالگی تصنیف فرمودہ، دیگر کتاب تجرید بر حکمت کہ جمیع مسائل حکمت طبیعی و الٰہی را بعبارت موجزہ مجرد از دلائل ذکر فرمودہ، دیگر رسالہ در معرفت قبلہ، دیگر کتاب معالم الشفاء در طب، دیگر مختصر آن کہ مسمی بشافیہ است، دیگر کتاب سفرویہ در هیأت دیگر حاشیہ بر الٰہیات شفا، دیگر حاشیہ باشارات، دیگر حاشیہ بر شرح حکمت العین، دیگر رسالہ در باب خلافت فرزند ارجمند میر صدر الدین محمد، دیگر رد بر حاشیہ شمسیہ علامہ دوانی، دیگر رد بر حاشیہ خلاصۃ التخلیص، دیگر رد بر حاشیہ تهذیب المعزالیہ دیگر رد بر انموذج مشارٌ الیہ، دیگر رسالہ در تحقیق جهات، دیگر رد بر رسالہ زوار مشار الیہ، دیگر رسالہ مشارق در اثبات واجب، کتاب اخلاص مغفوری، دیگر حاشیہ بر اوائل کشاف تفسیر سورہ، دیگر کتاب مقامات العارفین در تصوف و اخلاق کہ باسم فرزند ارجمند میر شرف الدین علی نوشتہ، در رسالہ قانون سلطنت سوائے آن از تصانیف انچہ در کتب ایشان بتقریبے اسامی مذکور و بعضی علماء از آن خبر دادند کتاب ریاض الرضوان و کتاب اساس در علم ہندسہ و غیر آن،

صاحب حبیب السیر نوشتہ کہ غرض از تفصیل تصانیف حضرت امیر و اظہار تشرف بمطالعہ اکثر آن رد کلام بعضے از افاضل عصر است، مثل ملا ابوالحسن کاشی، و ملا میرزا جان شیرازی کہ مصنفات حضرت میرزا کہ اکثر بواسطہ نفاست متداول نشدہ بودند، بدست ہر کہ می افتاد

سخنان خوب را از آنجا می دزدید ندوی گفتند که از میر غیر نامے نیست و بعضے کتب که در مصنفات متداوله خود نام آن را مذکور ساخته اند، وجود خارجی نیافته اند و اگر احیاناً یکے ازان کتاب بدست طالب علمے افتاده بدزدی ایشان مطلع شد، دعوای توارد می کنند و از حضرت استاذ تحریر رحمه الله شنیده که می فرمودند، ملا ابوالحسن شش دلیل از جمله ادله که در رساله اثبات واجب ذکر کرده، وآن را خواص فکر خود شمردی، از شرح هیاکل حضرت امیر انتحال نموده بود، و در ایامے که بالتماس بعض اعزه وے رساله اوی نوشتم اظهار سرقه وانتحال او نمودم آن رساله متروک ساخته، ساآدگر تالیف نمود، آن نیز خالی از سرقه نیست، از اثر مهارت میر در فنون ادعیه وطلسمات قتل، ذوالفقار خان حاکم بغداد است که با دشاه دین پناه بغی می ورزید و تفصیلش بر السنه جمهور مذکور و مجملے ازان در رساله قانون السلطنت مسطور،[1]

ان کے دو فرزند ہوئے ایک سید شریف الدین، دوسرے میر صدر الدین، اس خانوادہ کے دو اور بزرگون کا بھی تحفۃ الکرام مین ذکر آیا ہے، یعنی میر نظام الدین احمد و میر حبیب الله، یہ دونون حضرات بھی علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے،

سادات شکر اللہی | قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھ مین سادات شکر اللہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا، اسی خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل نیز دینی مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہین آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے مین آباد ہے،

اس موقع پر مین اس خاندان کے چند اور بزرگون کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہون، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس خاندان کے مختلف افراد نے سندھ مین آنے کے بعد علم، ادب اور مذہب کی کیا کیا خدمتین انجام دین،

---

[1] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۲، ۳،

سید شاہ ولی | بن سید ابو القاسم بن سید علی اکبر بن سید عبد الواسع بن سید محمد حسین بن سید شکر اللہ ثانی، علامہ مخدوم رحمہ اللہ جیسے یگانۂ روزگار کے شاگرد تھے، اور بقول صاحب تحفۃ الکرام:۔

"در املاء و انشاء و شعر، طبیعت صافی و قریحت کافی داشت[۱]"

صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء مین آپ کا ذکر یون فرماتے ہین:۔

"بفنون کمالات علمی آراستہ و حلہ تورع و تقوی پیراستہ اوقات با بر کا تش صرف مطالعۂ کتب و افادۂ تلامذہ می بودہ، بر جادۂ اسلاف مستقیم و میان سادات بہ بزرگی موصوف و بہ حسن خلق و فرط متانت نزد اکابر و اصاغر معروف[۲]"

صاحب موصوف نے تحفۃ المجالس کے نام سے ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے شوال المکرم ۱۱۵۰ھ کی ۱۳ تاریخ کو رات کے وقت اپنی جاگیر حکب پور تعلقہ اکرا لہ (سندھ) مین وفات پائی نعش وہان سے لا کر ۱۵ تاریخ کو اُن کے آبائی قبرستان مین دفن کی گئی، اُن کے ایک شاگرد لطف اللہ نے "قد فات فی عشقہ" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ مقالات الشعراء مین اُن کے دو فارسی شعر بھی نمونہ کے طور پر دیئے گئے ہین، تذکرۂ علماے ہند مین بھی ۵۰ ۲ صفحہ پر ان کا ذکر آیا ہے، اُن کے دو فرزند ہوے، ایک سید محمد ناصر دوسرے سید محمد سراج الدین،

میر سراج الدین | میر سراج الدین بھی بہت اچھے شاعر ہوے ہین، تاریخ گوئی مین ان کو خاص دستگاہ حاصل تھی، تحفۃ الکرام مین درج ہے کہ

"با وصاف اسلافش متصف و جانشین و یادگار بزرگان است، بہ محامد اخلاق موصوف متانۃ سائرہ لا وجدی باشد، طبیعت شعر دارد و در استخراج تواریخ نیکو مہارت می نماید[۳]"

سید غلام اولیا | بن سید عنایت اللہ بن سید اسد اللہ بن سید عنایت اللہ بن سید عبد الرحمن بن سید

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۱۹۵ مطبوعہ بمبئی [۲] مقالات الشعراء قلمی ص ۳۱۰ [۳] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی جلد ۳ ص ۱۹۶

ظہیر الدین والاسلام عرف میر جادم بن سید شکر اللہ اول بہت بڑے بزرگ اور اہلِ دل گذرے ہیں، اُن کے متعلق تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"درعین جوانی بتحصیل علوم ظاہر و باطن متوجہ شدہ بہ اتقار و تورع درجۂ علیا حراندوختہ ... صاحبِ خوارقِ کلیہ برآمدہ، مجرو درعین رشد جہان فانی را بدرود کردہ، جماعۃ مخصوصہ اہل دانند مانند اہبیت و یکم ہر ماہ مطابق روز وفاتش مجمع ارادت مندبہ یادتش ختم و اطعام بعمل آورند وکشف مہمات می نمایند"[1]

سید محمد ناصر ابن سید عطار اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن ظہیر الدین بن سید قاضی شکر اللہ اول، زہد و تقوی میں "اعجوبۂ روزگار" تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ انھوں نے زندگی بھر کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا، اس حد تک معصوم تھے، کہ جانوروں میں بھی نر و مادہ کی تمیز نہیں تھی، سلسلۂ نقشبندیہ میں وہ کامل تھے، اور عقیدت مندوں کی بہت کثرت تھی، جن کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے،

ایک دفعہ ٹھٹھہ میں خشک سالی ہوئی، لوگ بہت پریشان ہوئے، مزارات اور مقابر پر جاکر دعائیں مانگنے لگے کسی صاحب کو خواب میں بشارت ہوئی، کہ جس شخص نے کبھی عورت کا منہ نہ دیکھا ہو اسے نماز استسقار پڑھانی چاہئے تاکہ بارانِ رحمت کا نزول ہو، لوگ اُن کے پاس آئے، والدۂ محترمہ کے ارشاد سے انھوں نے تین دن تک نماز پڑھائی، اور دعائیں مانگیں، تا آنکہ ابرِ رحمت جوش میں آیا، اور گوہر مقصود حاصل ہوا،

سید نظام الدین کے جد دوم یعنی سید نور محمد کے دوسرے بھائی سید ظہیر الدین جادم ثانی کی اولاد میں بھی بہت سے اہلِ کمال پیدا ہوئے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۹۶، مطبوعہ

سید محمد کاظم | بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہے کہ

"عجائب احوالات داشتہ، احیاناً دو، دو، سہ، سہ روز و شب درخواب کہ عین بیداری توان انگاشت، بخلوت بودی، ذکر قلبی، از مردم مسموع کردی، آخر ہا خود با فاقہ رسیدے ہم چنین کمالات دیگر داشت، از احصار افزدن باشد"[۵۱]

صاحب تحفۃ الکرام | میر سید علی شیر بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین بھی اسی سلسلہ عالیہ کے ایک جوہر تابندہ اور گوہر درخشندہ تھے، تحفۃ الکرام، مقالات الشعراء اور کئی دیگر تصانیف انھون نے یادگار چھوڑی ہین، اگر وہ تحفۃ الکرام، اور مقالات الشعراء نہ لکھتے تو آج سندھ کی سیاسی اور ادبی تاریخ سے ہم قطعی نابلد رہتے،

میر عظیم الدین | اس خانوادہ کی ایک اور عظیم شخصیت میر عظیم الدین نام کی ہے، جس کا سلسلہ یون ہے، سید عظیم الدین بن سید یار محمد بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی، یہ بھی ایک بلند پایہ شاعر و ادیب تھے، ایک دیوان، ایک مثنوی میر رانجھا، اور ایک منظوم تاریخ موسوم بہ فتح نامہ ان کی یادگار ہین،

غرض سید نظام الدین مؤلف فتاوی عالمگیری کا تمام خاندان شیراز، ہرات اور قندھار سے لے کر سندھ تک کئی صدی برابر علم و فضل کے دریا بہاتا، اور دین کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا،

(۲) قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی

سید نظام الدین کے بعد فتاوی عالمگیری کے مؤلفین مین قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی کا نام آتا ہے، یہ بزرگ بھی سندھ کے مشہور مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھہ کے باشندے تھے،

یہ ٹھٹھہ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام

---

[۵۱] تحفۃ الکرام قلمی ص ۵۵۶،

میں ہے کہ

"جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محل زہد و ورع و تقوی بودہ، ہموارہ بدرس علامہ اشتغال ورزیدی"[۱]

تاریخ معصومی[۲] اور ماثر رحیمی[۳] میں بھی تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے، وہ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے، ان کے فرزند مخدوم الخیر کے لئے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ

"درزمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاوی عالمگیری شریک استنباط مسائل شد"[۴]

ان کے ایک فرزند ہوا ملا اسحاق جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا، ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا، جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی،

۱؎ تحفۃ الکرام قلمی ص ۲۲۰ ۲؎ معصومی ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ صفحہ ۲۱ ۳؎ ماثر رحیمی ۲۰۸ بنگال

۴؎ تحفۃ الکرام قلمی، صفحہ ۹۲

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت ہے، ضخامت :- ۳۲۹ صفحے،

طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۴)

شیخ محی الدین ابن عربی نے خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے، ان کے علاوہ اور دوسرے متاخرین علما، صوفیہ نے بھی اپنی اپنی کتابون مین خشوع پر بحث کی ہے لیکن ان کے بیانات مین زیادہ تر متقدمین ہی کے اقوال کا اعادہ یا انہی کی تعبیرات کو اپنے الفاظ مین پیش کیا گیا ہے اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے ہم ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہین، البتہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الخشوع فی الصلوٰۃ" لکھا ہے جس مین کچھ نئی باتین بھی ملتی ہین، اس لئے اس رسالہ کا جستہ جستہ کچھ حصہ ہم یہان نقل کرتے ہین،

یہ رسالہ نظر سے اس وقت گذرا جب مضمون کی پہلی قسط پریس مین جا چکی تھی، اس لئے بعض ایسی چیزین جنھین مضمون کی ترتیب کے لحاظ سے مقدم ہونا چاہئے تھا، ہمین موخر کرنی پڑین، مگر بہر نوع مقصود استفادہ ہے جس کے لئے تقدیم و تاخیر کوئی ضروری شرط نہیں، یہ کیفیت کس طرح پیدا ہوتی ہے، اس کے متعلق لکھتے ہین :-

"وہ خشوع جو قلب مین پیدا ہوتا ہے، اس کا ذریعہ ذاتِ الٰہی کی معرفت، اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کا عرفان ہے، پس جسے جتنی ہی یہ معرفت حاصل ہوگی،

وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی خاشع ہوگا"

لیکن جن لوگون کو یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، یہ ضروری نہین ہے کہ ان مین سے ہر شخص کا حال یکسان ہو، اس لئے کہ خدا کے جن صفات کے تصور سے قلب مین خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ صفتین مختلف ہین، ان مین سے قلب کو جس صفت کا مشاہدہ اور عرفان زیادہ ہوگا، اس کے اوپر اسی صفت کا عکس زیادہ نمایان ہوگا، چنانچہ اس تمہید کے بعد وہ لکھتے ہین :-

"بعض لوگون مین خشوع اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ قوت مطالعہ رکھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بالکل قریب ہے، اور اس کے ہر بھید اور راز کی اطلاع رکھتا ہے، (اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مطالعہ) اس سے شرم وحیا اور (بندہ کے) تمام حرکات وسکنات مین اس کی دیکھ بھال رکھنے (کے تصور پیدا کرانے) کا باعث ہوتا ہے،

اور بعضون مین خشوع اس کی صفت جمال وکمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی محبت مین محویت اور اس کی ملاقات ودیدار کا شوق پیدا ہو، بعضون مین خشوع کا باعث اس کے قہر وغضب اور جزا و سزا کا تصور ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس سے خوف ودہشت پیدا ہو،

اسی اختلاف حال ہی کی وجہ سے مختلف علما، وصوفیہ نے خشوع کی مختلف تعبیرین کی ہین، ورنہ مآل ونتیجہ کے اعتبار سے سب کی تعبیرات کا مقصد ایک ہی ہے،

یہ بحث تمام کرنے کے بعد قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی مین خشوع کی عمومی تشریح اور "خشوع فی الصلوٰۃ" (نماز مین خشوع) کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے، اور آخر مین بہت ہی تفصیلی طور سے نماز کے ان ارکان وآداب اور مواقع کو بتایا ہے، جہان پر خشوع کا اظہار بہت ضروری ہے، مثلاً قیام، رکوع، سجدہ اور دعا وغیرہ، مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، اس لئے ہم صرف انہی اشارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہین،

نماز میں خشوع مستحب ہے یا واجب؟ | نماز اور نماز کے علاوہ ہر شرعی کام میں کیفیت خشوع کی موجودگی اور اس کی اہمیت و فضیلت پر تمام محدثین، فقہا، اور صوفیہ کا اتفاق ہے، لیکن نماز میں فقہی تقسیم فرض، واجب اور مستحب کے لحاظ سے اس کو کون سا درجہ حاصل ہے، اور بغیر خشوع کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کیا جائیگا یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔

عام فقہا و محدثین تو خشوع کے استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن بعض علما اور متکلمین کا رجحان اس کے وجوب[۱] کی طرف ہے، ہم دونوں کے بیانات اور دلائل نقل کرنے کے بعد ان میں تطبیق دینے کی کوشش کریں گے۔

جو لوگ استحباب کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں کہ

(۱) جس طرح ہم منافق اور ریاکار کی نماز کو باطل قرار نہیں دیتے، بلکہ سب متفق طور سے کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے فرض ادا ہو گیا، اور وہ شرعی تعزیر کا مورد نہیں رہا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان خشوع و خضوع اور حضور قلب کے بغیر نماز پڑھے، تو بدرجۂ اولیٰ اس کی نماز کو فاسد نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ اس کو تارک صلوٰۃ قرار دے کر سزا دی جا سکتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ نماز عند اللہ مقبول ہوگی یا نہیں، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں،

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو شیطان اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے اور بُرے بُرے خیالات ڈالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس . . . . . آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا، کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، جب ایسا محسوس ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ سجدۂ سہو کرلے،

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خشوع اور حضور قلب نماز میں مستحب ہے، شرط و واجب نہیں، ورنہ اگر یہ شرط و واجب ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے نہ کہ صرف سجدۂ سہو کا،

---

[۱] وجوب بمعنی شرط ہے،

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں، مثلاً ابو طالب کئی، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، امام غزالی، امام رازی وغیرہ، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں :-

(۱) قرآن نے اس آیت اقم الصلوٰۃ لذکری میں امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ نماز ذکر الٰہی کے لئے ہی پڑھنی چاہئے، اور ذکر الٰہی کے لئے حضور قلب ایک ضروری شرط ہے، اب جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے،

(۲) قرآن نے ان آیات وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (غافلین میں سے نہ ہو) اور فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہی، جو نماز کے بارے میں سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں) میں نماز کے اندر غفلت سستی اور عدم حضور سے روکا ہے، اور ایسا کرنیوالوں کے لئے وعید فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیزیں خشوع کے منافی ہیں،

(۳) اس آیت الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ (کیا اس کا وقت نہیں آیا، کہ لوگوں کے دل اللہ کو ذکر کیلئے جھک جائیں) میں ان لوگوں پر مزید وعید کی گئی ہے، جو خشوع وخضوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں من جملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا، کہ صحابہ کرام سے خشوع کے خلاف کچھ افعال سرزد ہو گئے تھے اس پر یہ آیت اُتری، اگر خشوع نماز میں کوئی ضروری شرط نہ ہوتی، تو یہ وعیدیں کیوں کیجاتیں ؟

(۴) حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع (جس کی نماز خشوع سے خالی ہے، اس کی نماز کچھ نہیں ہے) میں صاف طور سے اس نماز کو جو خشوع سے خالی ہو بے حقیقت تبلایا گیا ہے،

سفیان ثوری سے منقول ہے من لم یتخشع فسدت صلاتہ (جو نماز خشوع کے ساتھ نہ پڑھے، اس کی نماز فاسد ہے) حسن بصری سے مروی ہے۔

کل صلاۃ لایحضر فیھا القلب ہر وہ نماز جو حضور قلب کے بغیر پڑھی گئی ہو

فھی الی العقوبۃ اسرع، وہ انعام واکرام کے بجائے سزا وعقوبت کی طرف زیادہ تیزی سے لیجانے والی ہے،

نقلی دلائل کے علاوہ اُن کے پاس عقلی وذوقی دلائل بھی ہین، وہ کہتے ہین :-

اعضاء کی ظاہری حرکت نماز کا جسم اور خشوع اوس کی روح ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ بغیر روح کے جسم کا قیام ناممکن ہے،

(۲) حافظ ابن قیم فرماتے ہین کہ نماز بندہ کی طرف سے ایک نیاز اور تحفہ ہے، جسے وہ بارگاہ رب العزت مین پیش کرتا ہے، اس لئے اُسے چاہئے کہ وہ بہتر سے بہتر صورت مین پیش کرے، ورنہ اس کی نماز اعزاز واکرام کے بجائے عتاب وعقاب کا سبب بن جائے گی،

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان آیات قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون مین مومنین کی فلاح اور وراثت جنت کو جن صفات پر معلق ومشروط رکھا ہے، ان مین سے ایک خشوع بھی ہے،

اگر یہ کوئی بہت اہم صفت نہ ہوتی، تو فلاح وصلاح کو ایک ساتھ مشروط کیون کیا جاتا؟

(۴) امام غزالی فرماتے ہین کہ تمام عبادات مین نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس مین حضور قلب، حضور ذہن اور طمانیت وسکون ایک ضروری ولازمی شرط ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور قلب کے بغیر بھی زکوٰۃ ادا کردے، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اس مین کوئی خرابی نہین آئے گی، اسی طرح روزہ وحج بھی، لیکن نماز بغیر اس صفت کے نہین ادا ہو سکتی، اس لئے نماز مین عبد اپنے معبود سے ہم کلام ہوتا ہے، اور ہم کلامی قلب وذہن کے حضور وشہود (جس کا دوسرا نام خضوع وخشوع ہے) کے بغیر ناممکن ہے،

لیکن یہ وجوب واستحباب کا اختلاف بالکل نزاع لفظی کے مرادف ہے، فقہاء جو بغیر

خشوع نماز کے جواز کے قائل ہین، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے بغیر خشوع نماز پڑھی ہو وہ قانون کی گرفت سے بری ہوگیا، اب ہم اُسے تارک الصلوٰۃ نہین کہہ سکتے، یہ اور بات ہو کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہین یا اوسے اس کا اجر و ثواب ملے گا یا نہین ؟ اور جو لوگ اوس کے وجوب کے قائل ہین ان کا مقصد یہ ہے کہ خشوع جو روح صلوٰۃ ہے، اگر نماز مین وہ روح ہی مفقود ہے، تو گو وہ قانون کی زد سے نکل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہان کسی اجر و ثواب کا مستحق کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور اس بے روح عبادت کو عبادت کیسے کہا جا سکتا ہے ؟ تو دونون استحباب و وجوب کے قائل دو حیثیتون سے ہین، ایک کے پیش نظر صحت عند العباد ہے، اور دوسرے کے پیش نظر صحت عند اللہ، اس لئے مختصر الفاظ مین یہ کہنا چاہئے کہ خشوع شرط قبولیت ہے، شرط جواز نہین،

حیاتِ شبلی
حصۂ اوّل

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری نہین ہے، بلکہ اس مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی...... علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت، اُس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات جمع کئے گئے ہین،...... ضخامت مع مقدمہ و دیباچہ ۹۲۰ صفحے کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت :- غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیہ مجلد للعہ

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

(۲) مال و اولاد فتنہ ہے :-

۱- یاایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ وان اللہ عندہ اجر عظیم (انفال ۲۸)	اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور دانستہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو: اور یقین مانو کہ تمھارا مال اور اولاد فتنہ ہے، اور یہ کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے۔
۲- انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم (تغابن - ۱۵)	تمھاری دولت اور اولاد بس تمھارے لئے آزمایش کی چیز ہے، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے،
۳- فاذا مس الانسان ضر دعانا ثم اذا خولناہ نعمۃ منا قال	پس جس وقت انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم

إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍۭ ۚ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، (زمر - ۴۹)

اسے کسی نعمت سے نواز دیتے ہیں، تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے اپنی تدبیر سے ملی ہے، بلکہ وہ فتنہ ہے لیکن اُن میں سے اکثر اسے نہیں سمجھتے،

۴- وان لو استقاموا على الطريقة لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فيه الآية (جن ۱۶، ۱۷)

اور یہ کہ اگر وہ لوگ راستہ پر قائم رہتے، تو ہم نے اُن کو زیادہ سے زیادہ پانی سے سیراب کیا ہوتا تاکہ اس میں انھیں آزمائیں،

۵- وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ، (طٰہٰ - ۱۳۱)

اور تو اپنی نگاہ ان چیزوں کی طرف نہ ڈال جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے، ان کی آزمائش کے لئے دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور تیرے پروردگار کا عطیہ بہتر اور دیرپا ہے،

اوپر جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں مال اور اولاد دونوں کو اور کہیں صرف مال کو فتنہ ٹھہرایا گیا ہے: اور پہلو ہر جگہ یہی ہے، کہ ان کی محبت میں غلو حق و صداقت کی راہ سے انحراف کا باعث ہو، اس لئے یہ چیزیں فتنہ ہیں،

(۳) اسلامی جماعت کے خلاف داد و دہش بھی فتنہ ہے،

۱- لَوْ خَرَجُوا۟ فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا۟ خِلَٰلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ ٱلْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّٰعُونَ لَهُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِٱلظَّٰلِمِينَ لَقَدِ ٱبْتَغَوُا۟ ٱلْفِتْنَةَ

اگر وہ تمھارے ساتھ نکلے ہوتے تو سوائے اس کے کہ اور دونا فساد کرتے، اور کیا ہوتا، اور تمھارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے، اور

مِن قَبلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الأُمُورَ حَتّى جَآءَ الحَقُّ وَظَهَرَ اَمرُ اللّٰهِ وَهُم كَارِهُونَ،

(توبہ - ۷)

اُن کے کچھ جاسوس موجود ہین، اور ان ظالمون کو اللہ خوب سمجھے گا، انھون نے تو پہلے جنگ احد وغیرہ مین بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کی کارروائیون کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے یہان تک کہ سچائی کا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا، اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا،

۲- وَلَو دُخِلَت عَلَيهِم مِن اَقطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الفِتنَةَ لَآتَوهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا اِلَّا يَسِيرًا،

(احزاب - ۱۴)

اور اگر مدینہ مین اس کے اطراف سے ان پر کوئی آجائے، پھر اُن سے فساد کرنے کی درخواست کرے تو یہ اُسے منظور کرلین گے، اور اس مین ذرا بھی دیر نہ کرین گے،

۳- سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ اَن يَأمَنُوكُم وَيَأمَنُوا قَومَهُم كُلَّمَا رُدُّوا اِلَى الفِتنَةِ اُركِسُوا فِيهَا،

(نساء - ۹۱)

بعضے ایسے تم کو ملین گے کہ وہ یہ چاہتے ہین کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہین، اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہین، جب کبھی شرارت کی جانب انھین لے جایا جاتا، وہ اس مین گر پڑتے ہین،

مندرجہ بالا آیتون مین مخالفین کی ان ریشہ دوانیون کو جو اسلامی جماعت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ عمل مین لاتے تھے، انھین فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ہوتا یہ تھا کہ جب جہاد کے لئے نفیر ہوتی تو منافقین خود بھی میدان جنگ مین جانے سے گریز کرتے، اور دوسرے مجاہدین کے سامنے بھی ایسی باتین کرتے، کہ اُن کے حوصلے پست ہوجائین، اور وہ بھی شریک جہاد نہ ہون،

۴۔ فراوانی مال اور محرومی مال دونون فتنہ ہین ؛

۱۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ۚ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ، (انبیاء۔ ۳۵)	ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا، اور ہم تم کو بری بھلی حالت سے آزمایش کے لئے گذارتے ہین، اور ہماری طرف تم پلٹائے جاؤگے،

مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کبھی مال و دولت سے نواز کر آزماتا ہے، اور کبھی سلبِ نعمت سے امتحان کرتا ہے، کامیاب انسان وہ ہے جو دولت کی ریل پیل کی صورت مین شاکر اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونے کی حالت مین صابر رہے،

(۵) مومن کی بدحالی کافر کے لئے فتنہ ہے،

۱۔ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ، (انعام۔ ۵۳)	اور اسی طرح ہم نے ان مین سے بعض کو بعض سے آزمایا ہے، تاکہ وہ کہین، کیا یہی لوگ ہین جن پر خدا نے ہمارے درمیان سے احسان کے لئے چن لیا ہے، کیا خدا شاکر بندون سے واقف نہین ہے،
۲۔ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا (فرقان۔ ۲۰)	اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازارون مین بھی چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تم مین سے بعض کو بعض کے لئے آزمایش بنایا ہے کیا تم صبر کروگے؟ اور تیرا پروردگار دیکھ رہا ہے،

اوپر کی دونون آیتون مین مومنین کی فاقہ مستی کو کفار کے لئے وجہ فتنہ قرار دیا گیا ہے، یہ صورت حال اُن کے لئے وجہ فتنہ اس بنا پر تھی کہ وہ ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے، جب وہ قرآن پاک کا یہ دعوی سنتے، کہ مسلمان ہی کامیاب ہین، اور دوسری طرف ان کی یہ بدحالی دیکھتے تو کہتے یہ ہو نہین سکتا، کہ یہ خدا کے محبوب ہون، حالانکہ محبوبیت الٰہی کے لئے قارونیت (خوشحالی) شرط نہین ہے، مگر اونھون نے یہی معیار ٹھرالیا تھا، اور اسی پر اخروی زندگی مین بھی اپنے کو مسلمانون کے مقابل کامیاب بتاتے،

آیت وَلَئِنْ رُجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی (حٰمٓ سجدہ ۵) کا ٹکڑا اُن کی اس ذہنیت کا کھلا ہوا ثبوت ہی،

۶۔ سلبِ حکومت بھی ایک فتنہ ہی،

۱۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا	اور ہم نے سلیمان کو امتحان مین ڈالا،
عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ	اور ہم نے اُن کے تخت پر دھڑ ڈال دیا،
(صٓ ۴۳)	پھر اونھون نے رجوع کیا،

ابتلا غایتِ تخلیق ہے، اس سے انبیائے کرام بھی نہین بچے ہین، بلکہ جس طرح ان کے درجے سوا ہین، اُسی طرح اُن کی آزمایشین بھی شدید ہین،

ع جن کے رتبے ہین سوا ان کو سوا مشکل ہے

اور اس منزل سے تمام انبیا گذارے گئے ہین، حضرت سلیمان ؑ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے، ان کی آزمایش اس طرح ہوئی، کہ ان کو جو عظیم الشان سلطنت بخشی گئی تھی، وہ اُن سے چھن گئی لیکن اس پر اونھون نے جزع فزع نہیں کیا، بلکہ خدا کی جناب میں رجوع کیا، اور ان کی زبان پر یہ کلمات

رَبِّ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ	اے پروردگار میرے مناسب حال حکومت بخش،

مِن بعدی انك انت الوهاب — تو بڑا بخشنے والا ہے،

جاری تھے، ان سے سلب حکومت کے سلسلہ مین جو تفصیل عام طور سے مشہور ہے، وہ صحیح نہین ہے، قرآن سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی غلطی پر تنبیہ کی گئی تھی، اس پر انھون نے انابت کی، اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کے لئے دعا کی، جو قبول ہوئی، چنانچہ بعد کی آیتون مین کھلی ہوئی تصریح موجود ہے، سلب حکومت انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہے، عام انسان مشکل سے اس کا تحمل ہو سکتا ہے، لیکن حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے صبر و ضبط کا دامن نہین چھوٹا، اور اس موقع پر بھی ان کی عقل نے صحیح رہبری کی،

۱۲- عذاب دنیوی سے دوچار ہونے کو بھی فتنہ کہا گیا ہے،

۱- ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون وجاءھم رسول کریم (دخان - ۱۷) — اور بلاشبہ ان (مکہ والون) سے پہلے فرعون کی قوم کو ہم نے فتنہ (عذاب) سے دوچار کیا اور ان کے پاس اس سے پہلے خدا کا شریف فرستادہ (موسیٰ) ان کی اصلاح و درستگی کے لئے آچکا تھا، لیکن انھون نے اسے قبول نہین کیا، بلکہ اسے جھٹلایا

۲- وحسبوا الا تکون فتنة فعموا وصموا ثم تاب الله علیهم ثم عموا وصموا کثیر منهم والله بصیر بما یعملون، (مائدہ - ۱۰۰) — اور وہ اس زعم مین مبتلا ہو گئے، کہ فتنہ (عذاب) ان پر نہ ٹوٹے گا، کہ اس کی زد مین آئین پس اس سے اور وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ اپنی رحمت کیساتھ ان پر لوٹ آیا، پھر بھی ان مین سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے

۳- لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم — پیغمبر کے بلاوے کو باہم ایک دوسرے کو پکارنے

كدعاء بعضكم بعضا قد يعلم الله	کے درجہ مین نہ ٹھراؤ، خدا تم لوگون مین سے
الذين يتسللون منكم لواذا	ان لوگون کو خوب جانتا ہے، جو احکام
فليحذر الذين يخالفون عن امره	رسول کی تعمیل سے بچنے کے لئے آڑ مین
ان تصيبهم فتنة او يصيبهم	ہو کر کھسک جایا کرتے ہین، ان لوگون
عذاب اليم،	کو جو اس کے حکم سے الگ ہو جایا کرتے ہین،
(نور - ۶۳)	انہین فتنہ (عذاب) سے دوچار ہونے
	یا دردناک عذاب کی زد مین آنے سے
	ڈرتے رہنا چاہئے،

اوپر کی آیتون مین سے پہلی آیت مین کفار مکہ کو فرعون کی قوم کی طرح عذاب سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس لئے کہ تکذیب دعوت مین وہ اُن کے نقش قدم پر چل رہے ہین، بتعبیر دیگر فرعون اور اس کا جتھا موسیٰؑ کی دعوت حقہ کے جھٹلانے کے سبب تباہ ہوا، اور یہ مکہ والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق و صداقت کے جھٹلانے کے سبب ہلاک ہون گے، اور دوسری آیت مین یہود کے تکذیب رسل اور قتل انبیاء کے جرائم ذکر کرنے کے بعد ان کی ان شرارتون کی وجہ یہ بتائی گئی ہے، کہ اُن کے دلون سے عذاب الٰہی کا خوف بالکل جاتا رہا تھا، اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے، کہ خواہ ہم جو کچھ کرین ہم پر کسی طرح کی افتاد نہ آے گی، تیسری آیت مین ان لوگون کو جو حلقۂ اسلام مین داخل ہونے کے باوجود احکام الٰہی کی تعمیل سے کاوا کاٹتے تھے، اس حرکت پر عذاب پھوٹ پڑنے کی دھمکی دی گئی ہے، دیکھئے مندرجۂ بالا تینون آیتون مین ہر جگہ لفظ "فتنہ" عذاب دنیوی ہی کے مفہوم کو شامل ہے، پہلی جگہ قوم فرعون کو عذاب (دنیا مین) سے دوچار کرنے کے معنی مین اور دوسری جگہ یہود کے دنیوی عذاب سے نڈر اور مطمئن ہونے کے موقع پر اور تیسری جگہ منافقین پر احکام الٰہی کی تعمیل مین سہل انکاری کے سبب عذاب آدھمکنے کے مقام مین،

از

جناب مفتی جلال الدین صاحب ایم اے صدر مفتی ریاست کشمیر

عموی المکرم والمعظم :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مین نے آپ کو عم سے خطاب کیا ہے اس لئے کہ میرا ظن غالب ہے کہ آپ قبلہ ام عموی المرحوم قاضی سعدالدین صاحب کے یارِ طریقت و برادر تلمذ ہین، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قاضی صاحب مذکور کے ذریعہ شرف ملاقات حاصل کرچکا ہون، لیکن اس وقت جب کہ مین چھوٹا تھا، اور سنِ تمیز کو نہین پہنچا تھا، اس بات کا فخر حاصل ہے، کہ علامہ مرحوم نے ہمارے غریب خانہ مین اپنی قیمتی اور مقدس عمر مین سے کچھ دن گذارے ہین، اس لئے اس بڑے مکین نے ہمارے مکان کو شرف بخشا ہے مین قاضی سعدالدین صاحب کا برادرزادہ ہون، اور اپنے خاندان مین مین ایک فرد ہون، جو جامع شرق و غرب ہو، مین نے پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل و منشی فاضل ایم اے عربی، اور ایم اے فارسی کے علاوہ بی اے مع انگریزی از رزو علوم ریاضی پاس کیا ہے، یہان کے سکالری کالج مین پروفیسر عربی و فارسی ہون، گو آج کل سیاسی عتاب کی وجہ سے معطل کیا گیا ہون،

فتوی دہی و قضا گری ہمارے خاندان مین احمد شاہ دُرانی کے وقت سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہے، اگرچہ سوداگری کا پیشہ چھوڑ کر درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا پیشہ اس سے بہت مدت پہلے اختیار کیا گیا تھا یعنی اس خاندان کے جدِ اعلیٰ خواجہ بہاء الدین خوارزمی فاروقی اکبر بادشاہ کے زما

مین سے تھے، اور عالمگیر اورنگ زیب کے وقت تک یہ خاندان تجارت پیشہ تھا، جب کہ مولوی خیرالدین ابوالخیر نے آبائی پیشہ چھوڑ دیا، اور علم و عرفان کی طرف مائل ہوکر سرچشمۂ شریعت و طریقت ہوئے، فقہ کی مشہور کتاب عالمگیری مرتب کرنے والون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، وہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیار دہلی مین مدفون ہین، اُن کے فرزند مولانا معزالدین امان اللہ شہید نے پدر بزرگوار سے بھی زیادہ عزت و شہرت حاصل کی، اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے، چنانچہ شیخ الاسلام سے ہی تاریخ وفات کا حساب لگایا جاتا ہے، نادر شاہ و محمد شاہ کی جنگ مین شہید ہوئے، مفتی صدرالدین خان آزردہ صدرالصدور دہلی ان کے برادرزادہ تھے،

اس تمام بکواس سے میری مراد یہ ہے کہ عربی و فارسی کے ساتھ ہمین موروثی میلان ورجحان ہا ہی انہی کی درس و تدریس اور ان کے ساتھ شغل و شغف ہمارا پیشہ اور ذریعۂ معیشت رہا ہے، مین نے اپنے بزرگون کی تقلید کی کوشش کی، اور اپنے والد ماجد قاضی ضیارالدین صدر مفتی و دیگر اعمام اولی الاحترام قاضی سعدالدین صاحب، قاضی شریف الدین صاحب و مفتی امان اللہ صاحب سے مستفید ہونے کی کوشش مین کوئی کمی نہین کی، لیکن مین یہ نہین کہہ سکتا ہون، کہ پوری طرح کامیاب ہوا، اس لئے مین مجبور ہون کہ مین یہ کہون کہ و ذاک ابی اور ھا انا کے لئے کسی طرح بھی لائق نہین ہون،

الغرض مین نے اپنے متعلق بہت کچھ عرض کر دیا، قاضی سعدالدین و مفتی امان اللہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہوکر آئے تھے، علامہ شبلی کے ساتھ دوستی و برادری قائم کرچکے تھے، میرا خیال کیا بلکہ پختہ عقیدہ ہے کہ علامۂ مرحوم کے ذریعہ کم از کم اگر کسی ذریعہ سے نہین، آپ کے ساتھ بھی رشتۂ مواخات قائم کر چکے ہین، اسی عقیدہ کے تحت مین نے جناب کو عم سے خطاب کیا، امید ہے کہ میرا یہ خیال و عقیدہ صحیح ہوگا، ورنہ جناب سے استدعا ہے کہ کم از کم مجھے اب اپنے اس تعارف کے بعد برادرزادہ یا پسرخود کے خطاب سے، بلکہ وہی خیال میرے متعلق ہمیشہ کے لئے رکھین، امید ہے کہ میری استدعا منظور ہوگی،

عرض کرچکا ہون کہ عربی فارسی زبانون کے ساتھ میرا تعلق ہے، اس لئے مین اس ادب کے احیار مین مصروف رہتا ہون، جو یہان کشمیر مین ان دو زبانون مین تصنیف کیا گیا ہے، اور جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے شائع نہین ہوا ہے، اور منظر عام پر نہین لایا گیا ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لٹریچر اس قابل ہے اور اس درجہ کا ہے کہ ادبی دنیا مین ایک امتیازی پوزیشن حاصل کرسکتا ہے ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو، اس لئے مین چاہتا ہون کہ جناب کو تکلیف دون، اور اقساط مین نمونے بھیج کر جناب کی رائے عالیہ کا استصواب کرون تاکہ اس رائے کے مطابق یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ یہ خاص نمونہ اشاعت کے لائق ہے، یا نہین، کشمیر کی زمین کو روحانیت نے اپنے لئے بہت صالح پایا تھا، اس لئے روحانیت کو جس جس کے ساتھ تعلق ہے، مثلاً تصوف، عشق، سلوک، تفسیر و حدیث وغیرہ بہت مقبول ہوا، اس کے نتیجہ مین وہ زبانین مثلاً عربی، فارسی، جو ان مضامین کے لئے ذریعۂ اظہار تھین، وہ بھی مقبول ہوئین، لازمی طور پر ان زبانون کے مقبول ہونے کے یہ معنی ہین کہ ان کا لٹریچر بہت مقبول ہوا، کشمیر ہر لحاظ سے زرخیز ہے، میرا مطلب اس سے یہ ہو کہ علم و ادب کے بیج کے لئے بھی بہت زرخیز ہے، اس لئے کہ یہان کے لوگ بقول ڈاکٹر اقبال "زیرک و دراک" ہین، انھون نے اپنے آپ کو طبعی طور پر فارسی عربی کے علوم کے لئے صالح پایا، کشمیری کی طبیعت نے فردوسی کے شاہنامہ کے مقابلہ مین اکبر نامہ، نظامی کے خمسہ کے مقابلہ مین خمسہ حضرت صرفی و خمسہ (پنج گنج) بہاء الدین متو پیش کیا، مولوی رومی کا مقابلہ بحر العرفان حضرت اکمل الدین کامل سے کیا گیا، اسی طرح ہر قسم کا لٹریچر تصنیف کیا گیا ہے، اکثر بہت قیمتی اور اعلیٰ پایہ کا ہے لیکن بے اعتنائی و طاق نسیان پر پڑا ہوا ہے، اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ کیڑے مکوڑے اور دیمک کی غذا بنا ہوا ہے، بلکہ فارسی عربی سے اب توجہ عام ہٹنے اور انگریزی زبان مروج ہونے کی وجہ سے اکثر خاندانون اور گھرانون کی ناخلف اولادان قلمی عدیم المثال کتابون اور واحد نسخون کو پانچ دس آنے کی عوض بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین، بنیا ایک ایک ورق پھاڑ کر، تمباکو، چائے،

ہلدی، کھانڈ، کی فروخت کے لئے استعمال کرتا ہے، مین نے اکثر دیکھا ہے کہ اس نااہل کا اس طرح اوراق پھاڑنا، میرے جگر کے پھاڑنے کا باعث ہوا ہے، مین نے ایسے مواقع پر اپنی گرہ سے پیسہ دیکر حتی الامکان اس کو ضائع ہونے سے بچایا ہے، لیکن تا کجے، سیلاب کو چمچ سے روکا نہین جا سکتا ہے، میرے پاس سرمایہ نہین کہ مین اس کو زیور طبع سے آراستہ کرون، عوام اکثر غربا پر مشتمل ہین، وہ کوئی مدد نہین کر سکتے ہین، بلکہ زمانہ کی تبدیلی، مذاق کے تغیر، انگریزی کی ترویج نے حالات اس قسم کے پیدا کئے ہین، کہ عربی اور فارسی جاننے والے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کو مولوی کے نام سے پکارا جاتا ہے، مولوی (کشمیری ملّا) حقارت و نفرت مین استعمال ہوتا ہے، غرضیکہ سوسائٹی مین اس کی کوئی وقعت نہین، اس لئے سرمایہ دارون سے یہ توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ اس کی اشاعت و طباعت مین مدد کرین گے، بلکہ اپنی آبرو کو کھو دینا ہے،

مین سالہا سال سے معارف کا خریدار ہون، ایک ایک سال کی اشاعت کی جلد بندی کرا کر کتاب کی شکل مین موجود رکھتا ہون، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین آپنے شذرات مین ریسرچ کی امداد کا ہمت افزا اعلان کیا ہے، اس کے پڑھنے سے مجھے دفعتہً خیال آیا، کہ شاید معارف کے ذریعہ جناب کی عاطفانہ توجہ سے یہ ہمارا لٹریچر ضائع ہونے سے بچ جائے، اس لئے اس وقت سے لیکر ہمیشہ آپ کو اس بارہ مین لکھنے کا ارادہ کرتا رہا، لیکن اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے جھجکتا رہا، کہ معارف کی زبان اردو ہونے کی وجہ سے اور انگریزی مین اظہار پر زیادہ قدرت اور مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے دل مین ہول و بیم محسوس کرتا رہا، اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی خیال آتا رہا، کہ حیدرآباد کے اسلامک کلچر کی طرف رجوع کرون لیکن اس خیال نے باز رکھا کہ وہان اس رسالہ کے بورڈ آف ایڈیٹران مین کسی طرح بھی کوئی ایسا . . . . موجود نہین جو میری تحریر کی اصلاح کر سکے اور اپنے علم کی کسوٹی پر میرا بھیجا ہوا مضمون پرکھے اور یہ دیکھے کہ آیا

وہ لٹریچر جو مین شائع کرکے وجود مین لانا چاہتا ہون، اس قابل ہو کہ شائع کیا جائے ممکن ہو کہ میرا خیال غلط ہو اور بورڈ آف ایڈیٹرز مین لائق اور قابل ممبر موجود ہون، مجھے کم از کم علم نہین اور مین ان کو نہین جانتا ہون، اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ جو شہرت جناب کو علمی دنیا مین اس وقت حاصل ہے، وہ کسی اور ہندوستانی کو نصیب نہین، اس سے کشمیریون کا پیش کردہ لٹریچر عربی و فارسی آپ کی تنقید کی کسوٹی پر پرکھنا خوش قسمتی ہوگی۔

نمونہ شرح قصیدہ بردہ مصنفہ حضرت عبداللہ بوصیری ؒ،

شارح :۔ حضرت میرزا اکمل الدین کامل بیگ خان بدخشی یکے از اولیاے کشمیر، مدفون محلہ حول سری نگر کشمیر،

أمن تذکر جیران بذی سلم	مزجت دمعا جری من مقلة بدم
ام ھبت الریح من تلقاء کاظمة	واومض البرق فی الظلماء من اضم
ہان تذکر یاد کردن دان وجیران جمع جا	جار ہمسایہ بود کو مشتق آمد از جوار
ذی سلم دان نام جای ومزج دان آمیختن	دمع اشک مقلہ پلک چشم ودم خون یقین
پس ہبوب آمد وزیدن ریح باد ای ہم نشین	ہست تلقا سوی وجانب کاظمہ جائے است دہن
پس درخشیدن شد ایماض اومض ماضی آن	ہست ظلما تیرہ شب باشد اضم کوہ کلان
ماست بشنو ہم اضم ہم ذی سلم ہم کاظمہ	نام جاے ومسکن جانانہ آمد این ہمہ
حاصل این باشد کہ آیا یاد یارانی کشان	ساکن اندر ذی سلم ہستند بے شک وگمان
ریختی خونابہ یا از کاظمہ بادی وزید	یا درخشید از اضم برقی کہ اشکت شد پدید
ور وزید از کاظمہ بادی کزان یار آمدت	یا درخشید از اضم برقی کہ دل باز آمدت
ناظم عارف باین ابیات عاشق را خطاب	می نماید گرچہ ریزی اشک خونین بے حساب
ہست پیدا و ہویدا کز پی عشق این کنی	لیک می خواہم کز انواع عشق یکے تعیین کنی

ہے نار

این زیاد صحبت ہمسایگان ذی سلم | می کنی با خود زیاد کاظمہ یا اذا ضم
شیخ را مقصود از عاشق ہمین نفس خود است | غائبش دانستہ با وی در تکلم آمدہ است
اہلِ معنی غائب از خویش اند با حق حاضر اند | از ہمہ عالم نظر پوشیدہ در حق ناظر اند
فما لعینیک ان قلت اکففا ھمتا | وما لقلبک ان قلت استفق یھم
ہست فا فاے جزائی گوش کن تقریر را | ہست شرط آن مقدر فہم کن تقدیر را
نام این فا فاضلان فای فصیحہ گفتہ اند | معنی شرطِ و جزا اکنون شنو ای ہوشمند
گر نبود ست اینچنین وگرچہ ہست این پس چرا | اشک ریزی دائما کارست چشمان ترا
ما در آغاز دو مصرع بہر استفہام دان | کف چہ باشد باز ماند ہمت گریدن آن
استفاقہ ہوشیاری دان ہمان حیرت است | حاصل معنی ز من بشنو ترا گر رغبت است
چیست چشمت را کہ از منع تو گریان تر شود | چیست حال دل کہ از پند تو حیران تر شود
ایحسب الصب ان الحب منکتم | ما بین منسجم منہ و مضطرم
صب بفتح مہملہ عاشق کہ باشد اشک بار | منکتم پوشیدہ دان و لفظ ما زاید شمار
منسجم دان اشک ریزندہ غرض چشم است آن | مضطرم آتش فروزندہ دلست آن بی گمان
کے برد عاشق گمان کہ عشق او ماند نہان | در میان چشم گریانِ و دل سوزندہ ہان
لولا الھوی لم ترق دمعا علی طلل | ولا ارقت لذکری البان والعلم
شد ہوا مہر و محبت شد اراقت ریختن | پس طلل باشد نشانِ خانہ و کاخ کہن
پس ارق بے خوابی است و بان درختی راست ہست | قد خوبان را بان تشبیہ کردن خوش بجاست
پس علم آن چوب مشہور است کہ اہل غزو جاہ | پیش پیش خویش می دارند در خیل و سپاہ
قد خوبان را بدان ہم می توان تشبیہ داد | ہم علم مرکوہ را گویند اصحاب سداد

کوہ با ہم می توان انجا نمودن قصد چون　　جاے جانان ست کو اندر عرب ای ذوفنون

گر نبودی مہر چون میتر تجلی تو اشک گو　　بر نشا نہاے سراے دلبران ما ہرو

ور نبودی عشق چون بے خواب می شد دیدہ است　　چون شو وبان و علم ندکوداے نیکو صفت

یہ ہی حضرت میرزا کے شرح قصیدہ بردہ کا نمونہ ، میرزا صاحب کا ایک قصیدہ فارسی زبان مین مجمع الاسرار کے نام سے موسوم ہے ، دو سو بہتر ابیات پر مشتمل ہے . غیر مطبوعہ تاریخ حسن مین مرقوم ہے کہ

"الحق قصیدہ ایست در حقائق و معارف بے نظیر واز فصاحت و بلاغت دلپذیر ، قطب زمان میر سید محترم لاہوری ، قریب بیست ہزار بیت آنرا شرح کردہ است"

اس مین سے نمونہ یہ ہے :-

شکر للہ چہ خوش است دولت مادر زادم　　تا برین منزل ویرانہ چنین آبادم

چون بدیدم دو جہان راکہ سواد الوجہ اند　　چشم پوشیدم و بر ہر دو نظر نکشادم

خویش و بیگانہ ملامتگر[۱] من و نشاد　　ہیچ در گوش نمی آمد[۲] ـ از آن جز بادم

فکر از ذکر تولد[۳] شد و بر اصل رسید　　رستم از باطل و حق راہ بحق بکشادم

سر بس پ زانوے خود ماندم و رفتم در فکر[۴]　　دل معلم شد و تعلیم تصوف دادم

تلخ شیرین شد و غم شادی وسواس برفت　　مرکبم رایض و من چابک ورہ آبادم

انس حق وحشتم از غیر بجان و دل داد　　کرد از ظلمت و کثرت ز جہان آزادم

فتح کارم شد و امراض بصحت پیوست　　ذائقہ نیز بحال آمد و لذت دادم

شد تمیز م کہ چہ تلخست و چہ شیرین غذا　　چیست نافع بدلم و انچہ مضر افتادم

روح می گفت کہ بال و پرم از گل رستہ است　　می روم من بجانے کہ از آنجا زادم

عقل می گفت کزین بیش مرا طاقت نیست　　عشق می گفت منت راہبر و استادم

۱؎ ز لا منکر ، ۲؎ نمی آید از ان فریادم ، ۳؎ فکر از دل متولد ، ۴؎ از فکرت خود :

بنعتہائے او ان نیست میسلم چو اکمل از پئے دیدار مستم

یار ما بہر محفل آرائی خود تماشا و خود تماشائی

بلکہ نظارہ گی تماشا را اوست در عالم تماشائی

کرد آئینہ خانہ برپا اندرو عکسہا برعنائی

جلوہ ہائے عجیب بنماید کس ندارد سر شکیبائی

نفی کن نفی را تو ہر ساعت تا ز کثرت بوحدت آسائی

ہر چہ بینی بگو ہمہ ہست او تا بگویم ترا کہ بینائی

روے او کرد دعوے اسلام موے او کرد کفر آرائی

نور و ظلمت ازان ظہور نمود اندرین رہ چو دیدہ بکشائی

نیست ہیچ از احاطۂ اش بیرون چشم از ماسوی نیالائی

خود بہ بازار محفل آراست او خود بہر کس رفیق تنہائی

کفر و اسلام بجنگ انداخت خود مر آن جنگ را تماشائی

خود شود مدعی کہ دین اینست خود دہد کفر را توانائی

خود بآدم ز گندم ناہی خود کند روزیش بدانائی

تا محمد ازان شود پیدا

نور حسنش بعالم آرائی

استفسار و جواب

ڈاکٹر اقبال اور روح و جسم کا اتحاد

جناب محمد اسلم صاحب سلیم
مقام کوڑہی سون ضلع سیکسر (پنجاب)

"معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء مین مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا مضمون "اقبال کا فلسفہ خودی" کے عنوان سے پڑھا، مولانا موصوف اثبات خودی کے پانچوین مقدمہ مین بیان فرماتے ہین، کہ "اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے اتحاد کی جانب تھا" اگرچہ بعض موقعون پر اس کے خلاف بھی راے ظاہر کی ہے، مگر جہان تک مجھے پتہ چلتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مرحوم کا اصلی میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، کیونکہ ایک جگہ فرماتے ہین، سے

فرشتہ موت کا چھوتا ہی گو بدن تیرا — ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہی

اسی شعر کے ذریعہ مرحوم نے انسان کے مابعد الموت کا حال بیان فرمایا ہے، اور انسان کو ایک لازوال چیز بتایا ہے، اگو صاف صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، اور مثنوی گلشن جدید کا وہ شعر جس کو مولانا اپنے دعوی کی دلیل بیان کرتے ہین :-

تن وجان را دوتا گفتن حرام است
تن وجان را دوتا گفتن کلام است

بنغمہاے اوان نیست میسلم — چو اکمل از پئے دیدار مستم

یار ما بہر محفل آرائی — خود تماشا و خود تماشائی

بلکہ نظارہ گی تماشا را — اوست در عالم تماشائی

کرد آئینہ خانہ برپا — اندرو عکسہا برعنائی

جلوہ ہاے عجیب بنماید — کس ندارد سرشکیبائی

نفی کن نفی را تو ہر ساعت — تا ز کثرت بوحدت آسائی

ہرچہ بینی بگو ہمہ ہست او — تا بگویم ترا کہ بینائی

روے او کرد دعوے اسلام — موے او کرد کفر آرائی

نور و ظلمت ازان ظہور نمود — اندرین رہ چو دیدہ بکشائی

نیست ہیچ از احاطہ اش بیرون — چشم از ماسوی نیالائی

خود بہ بازار محفل آراست او — خود بہر کس رفیق تنہائی

کفر و اسلام بجنگ انداخت — خود مران جنگ را تماشائی

خود شود مدعی کہ دین اینست — خود دہد کفر را توانائی

خود بآدم ز گندم ناہی — خود کند رو ذیش بدانائی

تا محمد ازان شود پیدا
نور حسنش بعالم آرائی

شعر العجم حصہ دوم

شعراے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ ابن یمین تک) مع تنقید کلام

حجم:۔ صفحے، قیمت:۔

"منیجر"

استفسار و جواب

ڈاکٹر اقبال اور روح و جسم کا اتحاد

جناب محمد اسلم صاحب سلیم

مقام کوڑوہی سون ضلع سیکسر (پنجاب)

"معارف ماہ مئی ۱۹۴۷ء مین مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا مضمون "اقبال کا فلسفۂ خودی" کے عنوان سے پڑھا، مولانا موصوف اثبات خودی کے پانچوین مقدمہ مین بیان فرماتے ہین، کہ "اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے اتحاد کی جانب تھا" اگرچہ بعض موقعون پر اس کے خلاف بھی رائے ظاہر کی ہے، مگر جہان تک مجھے پتہ چلتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مرحوم کا اصلی میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، کیونکہ ایک جگہ فرماتے ہین، ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اسی شعر کے ذریعہ مرحوم نے انسان کے مابعد الموت کا حال بیان فرمایا ہے، اور انسان کو ایک لازوال چیز بتایا ہے، گو صاف صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، اور مثنوی گلشن جدید کا وہ شعر جس کو مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہین:-

تن و جان را دو تا گفتن حرام است
تن و جان را دو تا گفتن کلام است

اس کو متقدمین کے خیال کا دھراؤ تصور کرنا چاہئے نہ کہ اقبال مرحوم کے اصل خیال کا مرقع

حضرت المحترم جناب قبلہ مرشد تھانوی کا مسلک بھی یہی ہے، کہ روح وجسم میں تغایر ہے اور

متکلمین کا مذہب صحیح نہیں ہے، اس لئے گذارش ہے کہ اگر تغایر نہیں ہے جیسا کہ مولانا

عبد السلام صاحب تحریر فرماتے ہیں، بلکہ اتحاد ہے تو اس کو دلائل سے

ثابت فرمایا جائے، اور ہماری دلیل کا صحیح محل بیان فرمایا جائے تاکہ تشفی ہو جائے،

معارف:- جس مضمون کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں یہ بحث نہیں کی گئی ہے، کہ روح

وجسم کے اتحاد ومغایرت کے دونوں نظریوں میں کونسا نظریہ صحیح ہے، یہ ایک مستقل بحث ہے، اور وہ

جب تک اس پر ایک مدلل ومطول مضمون نہ لکھا جائے، اس کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا، جہاں تک

ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کا تعلق ہے، خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو ہمارے لئے صرف یہ دکھانا کافی تھا کہ ڈاکٹر صاحب

کا اصلی میلان یہی ہے، کہ وہ روح وجسم کو متحد سمجھتے ہیں، اور ہم نے اس کو مثنوی گلشن جدید کے ایک

شعر سے ثابت کیا تھا، اور اس کی زیادہ تفصیل نہیں کی تھی، کیونکہ ہم شاعری کے حدود سے باہر جانا نہیں

چاہتے تھے، ورنہ بہت تفصیل کے ساتھ ان کے اس میلان کو ثابت کیا جا سکتا تھا، مثلاً پروفیسر خواجہ

عبد الحمید نے اقبال کے علمی جواہر ریزے کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے، اور وہ آثار اقبال میں چھپ

گیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے فلسفیانہ مضامین میں اس نظریہ پر بہت زور

دیا ہے کہ روح اور جسم کی تقسیم قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے، اور یہ پرانے مذاہب اور فلسفہ

کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے، قرآن کے مطابق انسان ایک فرد ہے جس میں روحانی اور جسمانی خاصیتیں موجود ہیں

لیکن روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں موجود نہیں جن سے وہ بنا ہو، روح وجسم کی یہی غلط تقسیم ہے

جس کی وجہ سے بیسیوں ناقابل حل مسئلے فلسفہ ومذہب میں پیدا ہو چکے ہیں، اسلام انسان کو ایک زندہ

شخصیت تصور کرتا ہے، اور یہ تصور قرآن میں نہ صرف انسانی زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے،

بلکہ حشر اور حیات بعد الموت کے لئے بھی قائم رہتا ہے، چنانچہ حیات بعد الموت یعنی انسان کے لئے جو جزا اور سزا مقرر ہے جس کا ذکر قرآن میں بار بار آتا ہے، وہ روحانی بھی ہے، اور جسمانی بھی، اسلام کے مطابق روح جسم سے علحدہ کوئی شے نہیں" (آثار اقبال ص ۲۰۲، ۳)

اب اس سے زیادہ ثبوت ڈاکٹر صاحب کے میلان کا اور کیا ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ میں شاعری کے حدود سے باہر جانا نہیں چاہتا تھا، اس لئے میں نے اس عبارت کو نقل کیا، آپ فرماتے ہیں، کہ مثنوی گلشن جدید کے شعر کو متقدمین کے خیال کا دہراؤ تصور کرنا چاہئے، لیکن میرے خیال میں انھوں نے اس نظریے کے خلاف جو رائے ظاہر کی ہے، وہی متقدمین کے خیال کا دہراؤ ہے، یا یہ کہ اس وقت تک انھوں نے اس کے مخالف نظریہ پر کافی غور و فکر نہیں کیا تھا، لیکن بایں ہمہ اس عبارت سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی اور آخری میلان اسی طرف تھا کہ روح و جسم میں اتحاد ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے اور اس میں بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں،
"ع"

خزانۃ المفتین

جناب میر منشی محمد اسمٰعیل صاحب، محکمۂ فوج پونا

کوئی پور میں ایک صاحب کے پاس خزینۃ المفتین ایک عربی قلمی کتاب ہے، جس کا حجم تخمیناً ایک ہزار صفحات سے زائد ہے، کتاب ۱۰۹۵ھ کی لکھی ہوئی (بزبان عربی) ہے، میں جناب والا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ کتاب طبع شدہ ہے یا نہیں، کتاب کے ہر ایک صفحہ پر سنہری حاشیے بھی ہیں اگر یہ کتاب طبع شدہ نہیں، تو اس کی طباعت کے لئے جناب کیا بندوبست کر سکتے ہیں،"

معارف:۔ اس کتاب کا نام خزانۃ المفتین ہے، مصنف کا نام شیخ حسین ابن محمد سمنقانی ہے، حکیم الدین محمد بن علی فارسی کی فرمایش سے تصنیف پائی، زمانۂ تصنیف [illegible] ہے، یہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے، اور نہ بظاہر اس کے طبع ہونے کی صورت کوئی سبیل ہو سکتی ہے، والسلام

ادبیات

نیرنگِ بہار

از جناب انور کرمانی

مہک رہی ہیں فضائیں حسین ہیں کوہ و دمن
ضمیر خاک کے اسرار ہیں بہارِ چمن

ہے آب آب نمایش سے رنگِ عصمتِ گل
کلی کلی کا یہاں شبنمی ہے پیراہن

بصیرت دل و جاں ہو متاع سوز و گداز
کہ داغِ لالہ سے ہو چشم گلستاں روشن

سلگ رہے ہیں نشیمن ہوا کی لرزش سے
بہار آتش گل سے ہے شعلہ در دامن

چمن ہو دشت ہو فصل بہار ہو کہ خزاں
حقیقت ایک ہر اک شے میں ہو ضیا افگن

ضیائے جلوہ سے ہو اس طرح نظر معمور
کہ دستِ گل میں ہو جیسے بہار کا دامن

ٹھہر سکا نہ حجابات رنگ و بو میں جنون
قلندروں کا ازل سے یہی رہا ہے چلن

متاع فقر ہے بے خویشی و خود آگاہی
نہ آب و گل کی پرستش نہ بندگی وطن

ہنوز سینۂ غنچہ میں نکہتِ گل ہے
ہنوز تو لب جوے خودی ہو تشنہ دہن

ہنوز ضعفِ یقیں سے ہے آدم خاکی
فریب خوردۂ نیرنگ سومناتِ کہن

جو بے بصر ہے مقاماتِ حال کیا جانے
دل فسردہ و مردہ نہیں حریف سخن

شعلے

از جناب شفق جوالاپوری

وہ بھی نہ سمجھے ہم بھی نہ جانے عشق میں گذرے وہ بھی زمانے
اُس کے کوچے میں جانے کے ڈھونڈ نکالے دل نے بہانے
جلوے ترے معراجِ نظر ہیں عرش پہ ہیں اب اپنے ٹھکانے
چھلنی چھلنی قلب و جگر ہیں اُف رے! تری نظروں کے نشانے
پتی پتی ، بوٹا — بوٹا سب کی زبان پہ میرے فسانے
بلبل قمری ، کوئل بھونرا ہر اک ساز پہ میرے ترانے
قطرہ قطرہ ، موج بداماں ذرہ ذرہ آئینہ خانے
آئینہ دار رنگِ تبسم غنچہ و گل ہیں کس کے نہ جانے؟
کوئی پوچھے تو واعظ سے آپ کسے آئے سمجھانے
تیل نہ بتی — جلتے ہیں لیکن ق طور پہ حضرت دیا جلانے
عشق کے ہاتھوں ہم پہ جو گذری جس پہ نہ گذری وہ کیا جانے
دیکھتے اک دن روٹھ کے ہم بھی کون آتا ہے ہمیں منانے
اپنی عزت آپ ہے ناصح! دیوانے ہیں پھر دیوانے
لمحۂ فرصت ، سمجھو غنیمت کل کیا ہوگا؟ کون اب یہ جانے

خواب گراں ہے ، مدہوشی ہے
کون! شفق کو آئے جگانے

بادۂ عرفان

حضرت عرفان اسلام پوری

اسے کیا دیکھیں اس میں ہو دہر کیا — تماشا ہے جہانِ بے بقا کیا

اسیرِ زلفِ پُر خم ہو گیا یہ — کہیں ہم تم سے دل کا ماجرا کیا

سراسر اپنی یہ ہستی ہے بے بود — بقا کی کیا خوشی۔ رنج فنا کیا!

سرور افزا ہے کیسی نکہتِ گُل — ہوا ئے باغ ہے فرحت فزا کیا

اگر ہوتا یہاں وہ رشکِ گل بھی — بر آتیں آرزوئیں دل کی کیا کیا

جمالِ یار پر ہوتا ہی تھا محو — دلِ عرفان کی اس میں ہے خطا کیا

شاعر سے خطاب

از جناب طالوت

نوائے دل کو سوز دے دل و جگر فگار کر — دکھا کے داغ سینہ کے جہان کو لالہ زار کر

فروغ گل ہے بے ثبات جام مل ہے بے فروغ — انھیں کے پیچھے شاعری کو یوں نہ بے وقار کر

جہانِ حسن و رنگ جو فقط فریبِ چشم ہے — نظر کے اس فریب کو فریب ہی شمار کر

چمن چمن میں یوں نہ گھوم عہدِ عشق یاد رکھ — جبین تیغ تیز چوم عہد استوار کر

نشانِ [?] طلب یہاں سوا دور کچھ نہ ہو — فلاحِ قوم کے لئے وہ راہ اختیار کر

خدا نے [illegible] ہے جب زبان تو دل کی بات کر بیاں — فغانِ بے اثر کو یوں نہ زود کش ہزار کر

کلامِ دلفریب سے عیار زندگی بڑھا — نشانِ زندگی بتا دلوں کو بے قرار کر

خزاں چمن پہ چھا گئی تو کون آفت آ گئی — خزاں کو رنگِ انقلاب دے کے نو بہار کر

جمالِ عاشقی میں تو جلالِ زندگی نہ کھو — کمالِ شاعری کو یوں نہ انبیل و خوار کر

وفیات

حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی امیر شریعت بہار

پھلواری پٹنہ سے چند میل پچھم ایک مردم خیز قصبہ ہے، جو صدیون سے اس صوبہ کا علمی اور مذہبی مرکز ہے یہان خانقاہ مجیبی قائم ہے، جہان ظاہر و باطن اور علم و عمل دونون کے سرچشمے آکر ملتے ہین، اس خانقاہ کی خاص خصوصیت یہ ہے، کہ شروع سے اب تک اس کے سجادہ نشین علم شریعت و طریقت دونون کے جامع رہے ہین یعنی ہر صاحب سجادہ صوفی صافی ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہوتے آئے ہین، دستار فضیلت اور خرقۂ مشیخت دونون یہان ایک جسم پر آراستہ رہے ہین، اور اب دو پشتون سے یہان کے صاحب سجادہ صوبہ کے امیر شریعت بھی ہو رہے ہین، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ملفوظات مین اس خاندان کے معاصر شیخ کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے سفر بہار و بنگال مین اس خانقاہ مین بھی قدم رنجہ فرمایا،

سجادہ نشین رجال حضرت مولانا شاہ محی الدین رحمہ اللہ خلف حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ نے چند سال کے اضمحلال طبع اور تسلسل علالات کے بعد ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ راپریل ۱۹۴۷ء کی صبح کو ستر سال کی عمر مین اس دار فانی کو الوداع کہا، اور زمانۂ قدیم کی ایسی یادگار مٹ گئی، جس کی زیارت سے بزرگون کی بہت سی نشانیان ایک ذات مین نظر آتی تھین مجھ ہیچمدان کو مرحوم سے گونا گون تعلقات حاصل تھے، میرے والد مرحوم نے اُن کے والد مرحوم

کے ساتھ ان کے نانا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ سے فیض ارادت اور تکمیل باطن حاصل کی تھی، میرے والد مرحوم کی پیدائش ۱۲۵۷ھ میں ہوئی تھی، اور اخذ و فیض و استفادہ جوانی میں شروع کیا، جس کے معنی یہ ہیں، کہ اس واقعہ پر اسّی نوّے برس گذر چکے، میرے بڑے بھائی مرحوم کی تعلیم کی تکمیل اور دستار بندی شاہ محی الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ماموں مولانا شاہ عین الحق صاحب مرحوم کے ساتھ اسی خانقاہ پھلواری ہی میں ہوئی، میری عمر جب تیرہ چودہ برس کی تھی، غالباً ۱۸۹۵ء میں والد مرحوم کے حسب الحکم بغرض تعلیم اسی خانقاہ میں طالب العلم رہا، اس وقت شاہ محی الدین صاحب کی آخری کتابیں مولانا عبد الرحمان صاحب سے ہو رہی تھیں، یہ مولانا عبد الرحمان صاحب نامی گنج ضلع آرہ کے باشندہ اور مولانا عبد العزیز صاحب امروہوی کے شاگرد تھے، جو مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کے مشہور شاگرد اور ممتاز مدرس تھے، اس وقت میری عربی کی ابتدائی کتابیں تھیں، مجھے خانقاہ میں خاص حضرت شاہ صاحب مرحوم کے قریب قیام کی اور ایک ساتھ طعام کی اور زیر درس کتابوں میں شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی، مجھے اس نسبت پر فخر اور انھیں اس پر مسرت تھی، انہیں جب دیکھتا تھا، عہد اوّل یاد آجاتا تھا، اور ان کو بھی خوشی ہوتی تھی، افسوس کہ اس بزرگانہ تبسم کا منظر اب ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے پنہاں ہوگیا،

مرحوم کی پیدائش کا سال ۱۲۹۶ھ ہے، ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار امیر شریعت اوّل مولانا شاہ بدر الدین صاحب قدس سرہ سے پڑھیں، بقیہ درسیات مولانا عبد اللہ صاحب رامپوری سے حاصل کیں، اور تحصیل فراغ جیسا کہ ابھی گذرا ۱۳۱۳ھ میں مولانا عبد الرحمان صاحب سے حاصل ہوئی، طب کی تعلیم بھی پھلواری ہی کے ایک قیام پذیر بزرگ مولوی حکیم وارث حسن صاحب سے حاصل کی، مگر عملاً کبھی مطب نہیں کیا، سجادہ نشینی سے پہلے تک درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد وہ سجادہ نشین اور صوبہ بہار کے امیر شریعت ثانی ہوئے اور

اوس وقت سے اخیر وقت تک وہ ہدایت خلق اور اپنے منتسبین اور معتقدین کے تزکیہ و تصفیہ و تعلیم طریقت، اور اپنے نقطۂ نظر سے بہار کے مسلمانون کی قومی خدمت مین مصروف رہے، ۱۳۴۴ھ مین حج و زیارت کے لئے حجاز و عراق و شام کا سفر کیا، اور لوگون کو اپنے برکات سے مستفید اور ان ملکوں کے بعض بزرگون سے استفادہ کیا،۔

وہ حد درجہ شریف، نیک، صلح پسند، متواضع، اور صورت اور سیرت لباس، ہر چیز مین نمونۂ سلف تھے، مذاق حال سے بھی آشنا تھے، تقریر و تحریر پر قدرت رکھتے تھے، متعدد مجالس مین شرکت فرمائی، قومی اجتماعات مین تقریرین کین، مساجد مین وعظ و پند سنائے، تحریک خلافت کے زمانہ سے سیاسیات مین بھی شرکت کی، خلافت کانفرنس منعقدہ آرہ اور جمعیۃ العلماء بہار کے اجلاس منعقدہ دربھنگہ کی صدارت کی، وقتاً فوقتاً اُن کے سیاسی خیالات اور امیر شریعت کی حیثیت سے ان کے فرامین بھی شائع ہوا کرتے تھی،

اب ان کی وفات سے مسلمانان بہار ایک بڑی نعمت سے محروم ہو گئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کو اپنی نوازش بے پایان سے اور رہ جانے والون کو اپنی نصرت بے کران سے سرفراز فرمائے،

"س"

گل رعنا

جدید اڈیشن

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی، و اکبر تک کے حالات،

قیمت :- ؏ ، حجم ۵۴۴ صفحے

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

مسلمان اور غیر مسلم حکومت از جناب پروفیسر محمد سرور صاحب حجم ۲۳۲ صفحے تقطیع چھوٹی، کھائی چھپائی اچھی، قیمت:- پتہ:- ادارۂ ادبیاتِ نو، نمبر ۵ ٹمپل روڈ لاہور،

۱۹۲۱ء کی خلافت تحریک میں کراچی کے اس مشہور مقدمہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے جو مولانا محمد علی مرحوم اور اُن کے رفقائے کرام پر فوج کو ورغلانے کے الزام میں چلایا گیا تھا، یہ عجیب دور تھا، مسلمانانِ ہند مخلصانہ دینی کیف سے سرشار تھے، وہ ہر مسئلہ کو دینی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور اسی ترازو پر تولتے تھے، مقدمہ کراچی کے استغاثہ کے جواب میں مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء نے جو پہلو اختیار کیا، وہ بھی اسی کیفیت کا آئینہ دار تھا، کہ فوج کے ہندوستانی مسلمانوں کو ترکوں پر گولی چلانی پڑیگی، وہ مسلم کے قتل عمد کے مجرم ہوں گے، جس کی قرآن مجید میں صریح ممانعت آئی ہے، اس لئے ان لوگوں تک اس قرآنی حکم کو پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے، اور انھیں ایسا کرنے کا حق ملکہ وکٹوریہ کے اس اعلان کے روسے حاصل ہے جس میں ہندوستانیوں کو ان کی مذہبی آزادی کا یقین دلایا گیا ہے، پھر اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر دنیاوی قانون کسی حکم الٰہی سے ٹکرائے، تو ہندوستان کے مسلمان دنیاوی قانون کو چھوڑ دینے میں حق بجانب ہیں، ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان کے بموجب لائق گرفت بھی نہیں ہیں، کراچی کے مقدمہ کی مسل اسی نقطۂ نظر سے مرتب ہوئی، اور مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے جواب میں دینی و علمی نقطۂ نظر سے اسی مسئلہ کو شرح و بسط سے پیش کیا تھا، یہ مسئلہ اپنی روح کے اعتبار سے آج بھی زندہ ہے، اور مصنف نے اس تصنیف میں اسی مسئلہ کو اٹھایا ہے، اور ایک فاضلانہ مقدمہ کے بعد مقدمۂ کراچی کی مفصل روداد مولانا

محمد علی مرحوم اور ان کے رفقا کے بیانات، جج کی جوابی تقریر اور فیصلہ کو درج کیا ہے، جج اور مولانا محمد علی مرحوم میں جو نوک جھونک رہی، اس حصّہ کو بھی مکالمہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، مولانا مرحوم کے بیان میں جہاں سنجیدہ مسائل پر گفتگو ہے، اس کے پہلو بہ پہلو یہ مکالمے خاصے دلچسپ ہیں، سشن جج نے جیوری کو مخاطب کرکے مولانا مرحوم کے بیان کا جو جواب دیا ہے، اس میں ضرورت تھی، کہ حاشیہ دیکر بعض مسائل کی تشریح کی جاتی، اور اسلامی مسائل و عقائد کو رنگ آمیزی سے جس طرح پیش کیا گیا ہے، اس کو نمایاں کیا جاتا، اگرچہ ملزمین کے بیانات خود اپنی جگہ سیر حاصل ہیں، اور ان سے مسئلہ روشنی میں آجاتا ہے،

لائق مصنف نے مقدمہ کی روداد نقل کرکے "محاکمہ" "قومی تحریک کے تین رجحانات" "ردعمل" اس کے اسباب "مسلم ترقی پسند سیاست کی ناکامی" "ہندوستانی مسلمان اور غیر مسلم حکومت" وغیرہ عنوانوں سے ۱۸۵۷ء سے دور حاضر تک کے ہندوستان کی اسلامی سیاست اور اس وقت سے اس وقت تک کی مسلمانوں کی ذہنی تحریکوں اور کشمکشوں کا جائزہ بڑی احتیاط، سنجیدگی، اصابت رائے سے لیا ہے، اور کمال غور و فکر کے ساتھ متین لب و لہجہ میں گفتگو کی ہے، اور مختلف دور کے ممتاز سیاسی رہنماؤں کے خیالات عوام پر ان کے اثرات اور ان کے ذہنی رجحانات اور ان رجحانات کے اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا یہ حصّہ خاص طور پر قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے، ہم مصنف کو اس دلچسپ اور مفید تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، امید ہے کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا،

مسلمانوں کا حصّہ علم جغرافیہ کی ترقی میں Muslim contri-butions To Geography

از جناب نفیس احمد صاحب حجم ۱۸۰ صفحے، قیمت ۱۰ر، پتہ:- شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور،

اس تصنیف میں مسلمانوں کی جغرافیائی ترقیوں کا اختصار کے ساتھ خاکہ کھینچا گیا ہے، یوں تو اردو

مین اس موضوع پر جامع مقالات اور مستند تصانیف شائع ہو چکے ہین لیکن انگریزی مین اس پر کسی اچھی کتاب کی ضرورت تھی، اس تصنیف سے یہ ضرورت پوری ہوئی، مصنف نے اس مین علم جغرافیہ کے متعلق مسلمانون کی ابتدائی دلچسپیون، مسلمان سیاحون اور جغرافیہ نویسون کے خدمات، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے مختلف جغرافیائی نظریون کو سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، اگرچہ اختصار مدنظر رکھنے کی وجہ سے مباحث مین کہین کہین تشنگی باقی رہ گئی ہے، باین ہمہ یہ اپنے موضوع پر ایک مرتب اور اچھی تصنیف ہے،

شخصیت اور کردار، از جناب شیر محمد صاحب اختر، ناشر ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ، حیدرآباد، دکن، حجم ۱۸۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- عہ

اس کتاب مین انسانی شخصیت و انفرادیت اور اس کے مختلف اجزار کا جائزہ لے کر اپنی اثر انداز شخصیت کی تعمیر کرنے کے طریقے بتائے گئے ہین، اور انھین مثالون سے واضح کیا گیا ہے، کتاب دو حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین "شخصیت اور اس کے خصوصیات" پر نظر ڈالی گئی ہے، اور ایسے لوازم بتائے گئے ہین جن سے کوئی انسانی شخصیت کسی سوسائٹی مین اپنا وقار قائم کرکے محبوب بنائی جا سکتی ہے" "بالغ نظری" "جدت پسندی" "شخصیت کے منفی پہلو" "شخصیت کی خامیان" "موقع شناسی" وغیرہ، اس حصہ کے ایسے عنوانات ہین، جن مین زندگی کے نشیب و فراز کو دکھایا گیا ہے، دوسرا حصہ "کردار" کے اجزار کی تفصیل پر مشتمل ہے، اس مین انسانی سیرت کی تعمیر کے لئے جن خصائل حمیدہ کی ضرورت ہوتی ہے، اُن کو پیش کیا گیا ہے' اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب کے طرز بیان اور زبان مین مزید شگفتگی کی ضرورت تھی، اور مسائل کو زیادہ پھیلانے کے بجائے سمیٹ کر لکھا جاتا تو مناسب ہوتا'

زندگی کے جائزے، از جناب ابوسعید صاحب بزمی، ایم اے، ناشر مکتبۂ دانش، مزنگ لاہور، حجم ۲۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی لکھائی چھپائی اچھی قیمت :- عہ

جناب ابوسعید صاحب بزمی تجربہ کار صحیفہ نگار ہین "زندگی کے جائزے" کے ذریعہ شاید وہ پہلی مرتبہ افسانہ نگار کے روپ مین سامنے آئے ہین، یہ ان کے چند افسانون کا مجموعہ ہے، ابتدا مین دو افسانون "عید کا تحفہ" اور "عید کی قربانی" مین تحریک اشتراکیت کے دوررس نتائج کا جائزہ کامیابی سے لیا گیا ہے، ایسے افسانے ہمارے تیز رو نوجوانون کے لئے مفید ہو سکتے ہین، کہ اشتراکیت کے اثرات صرف معاشی معاملات کے بجائے انسانی نظام زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، ان افسانون کو پڑھ کر ہمارے نوجوان اشتراکی ایک لمحہ کے لئے غور و فکر کر سکتے ہین، اسی طرح دوسرے افسانون مین معاشرت و معیشت کے مختلف پہلوؤن پر نظر ڈالی گئی ہے، امید ہے کہ یہ افسانے دلچسپی سے پڑھے جائین گے،

نئے خاکے، از جناب قدوس صہبائی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍ پتہ:۔ مکتبہ ادب اردو بازار، جامع مسجد دہلی،

مصنف بقول مقدمہ نگار، "ترقی پسند" فن کارون کی صف مین اپنی انقلابی ذکاوت ترقی پسندانہ رجحان اور پسندیدہ ادبی و افسانوی حیثیت کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتے ہین" اس مجموعہ کی تحریرون مین جن مین افسانہ نما چھوٹے چھوٹے جذباتی مضامین ہین، مصنف کے یہی اوصاف نمایان ہین، یہ تحریرین گویا مختصر افسانون کا خاکہ ہین، اس لئے "نئے خاکے" اس مجموعہ کا مناسب نام تجویز پایا ہے، ترقی پسند تحریرون کا ذوق رکھنے والے ہی نوجوان اس سے دلچسپی حاصل کر سکتے ہین،

حضرت ابوبکر صدیق رض از جناب مشیر الحق صاحب ہجری آبادی حجم ۹۵ صفحے، قیمت:۔ ۱۰؍

حضرت عمر فاروق رض از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۸۰ صفحے قیمت: ۱۰؍

حضرت سعد بن ابی وقاص رض از مولوی صلاح الدین احمد حجم ۳۶ صفحے، قیمت:۔ ۴؍

حضرت عبدالرحمن بن عوف رض از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۱۶ صفحے، قیمت: ۴؍

امام غزالیؒ از مولوی عبدالحفیظ صاحب قدوائی ندوی حجم ۱۶ صفحے، قیمت:- ۲ر

ناشر مکتبہ تعلیمات اسلام نمبر ۸/۱۳ امین آباد پارک، لکھنؤ،

لکھنؤ کا ادارۂ تعلیمات اسلام عربی زبان کو نئے طریق سے پڑھانے کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اوس نے اپنے دائرہ کو ذرا وسیع کیا ہے، اور چھوٹے بچون اور کم استعداد عام اردو خوانون کیلئے اوس نے چھوٹی چھوٹی مفید دینی و تاریخی کتابین اور رسالے جیبی تقطیع پر شائع کرنا شروع کیا ہے، مذکورۂ بالا پانچ رسالے اس سلسلہ کی تازہ کڑیان ہین، یہ رسالے عام فہم، سادہ اور آسان زبان مین لکھے ہین، اور بچون کی ضرورت کے مطابق ان بزرگون کے ضروری سوانح حیات ان مین قلمبند ہوگئے ہین، بچون کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہوگا،

مولانا مدنی کا قیام سلہٹ، مرتبہ مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

پتہ :- جناب غلام ربانی صاحب نظام آباد، ضلع اعظم گڈھ،

مولانا حسین احمد صاحب مدنی خیر و برکت کے مہینہ رمضان کو ہر سال سلہٹ مین گذارتے ہین ان کے عقیدتمند مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی نے مولانا موصوف کے قیام سلہٹ کے معمولات و مشاغل کو اس رسالہ مین قلمبند کیا ہے، اور مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی اور مولانا محمد میان صاحب نے اس پر تقریظین لکھی ہین، امید ہے کہ مولانا مدنی کے حلقۂ ارادت مین اس کو قبولیت حاصل ہوگی،

گاؤن سدھار، از جناب ماسٹر محمد شفیع الدین صاحب نیر، ناشر آزاد بک ڈپو، کوچہ چیلان دہلی، حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

اس رسالہ مین گاؤن کی اصلاح کے لئے مختلف موضوعون پر نظمین لکھی گئی ہین، زبان سہل اور آسان ہے،